مقالہ تحقیق برائے پی ایچ۔ڈی (اسلامک سٹڈیز)

# علامہ آلوسیؒ کی تفسیر روح المعانی کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

(پارہ دوم۔نصفِ اول)


مقالہ نگار: صدارت اللہ

نگران: ڈاکٹر جانس خان

اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز

یونیورسٹی آف ملاکنڈ

معاون نگران: پروفیسر ڈاکٹر عطاءالرحمن

ڈین آف آرٹس اینڈ ہیومینیٹیز

یونیورسٹی آف ملاکنڈ

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ ریلیجیس افیئرز

یونیورسٹی آف ملاکنڈ


سیشن: 18-2015

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

# اقرار نامہ (Declaration)

میں **صدارت اللہ ولد عصمت اللہ** پی ایچ۔ڈی سکالر (اسلامک سٹڈیز)، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ، اقرار کرتا ہوں کہ یہ تحقیقی مقالہ بعنوان: **علامہ آلوسیؒ کی تفسیر روح المعانی کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق (پارہ دوم، نصفِ اول، سورۃ البقرۃ آیت 142 تا 210)** اور اس میں پیش کیا جانے والا مواد میری ذاتی کاوش ہے۔ اور جہاں کہیں بھی میں نے اہل علم میں سے کسی کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے وہاں اس کا مکمل حوالہ دیا ہے۔ اور میں نے آج تک مقالہ ہذا یونیورسٹی آف ملاکنڈ کے علاوہ کسی بھی پاکستانی یا پاکستان سے باہر تحقیقی یا تعلیمی ادارہ میں پیش یا شائع نہیں کیا۔

مقالہ نگار: صدارت اللہ

دستخط:________________

تاریخ:________________

# تصدیقی سرٹیفکیٹ

تصدیق کی جاتی ہے کہ **صدارت اللہ ولد عصمت اللہ**، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ نے میری نگرانی میں پی ایچ۔ ڈی اسلامک سٹڈیز کی ڈگری کے لیے مطلوبہ تمام کوائف کو کامیابی سے مکمل کیا۔ اس کے تحقیقی مقالے کا عنوان: **علامہ آلوسیؒ کی تفسیر روح المعانی کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق (پارہ دوم، نصفِ اول، سورۃ البقرۃ آیت 142 تا 210)** ہے۔ تحقیق کے دوران مقالے کی تصحیح اور بہتری کے لیے سکالر کو جو بھی ہدایات اور تجاویز دی گئیں اس نے اس کی تصحیح اور تعمیل کی۔

دستخط ریسرچ سپروائزر: ____________________

تاریخ: ____________________

نام سپروائزر: ڈاکٹر جانس خان

اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز

یونیورسٹی آف ملاکنڈ

# کلماتِ تشکر

تفسیر روح المعانی جیسی تفسیر کا ترجمہ اور تحقیق و تخریج کے اس بابرکت کام کی تکمیل اگرچہ حق سبحانہ وتعالی کی خصوصی رحمت واحسان کی وجہ سے ممکن ہوا، مگر دارالاسباب میں جن شخصیات کی بدولت یہ مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا؛ اُن کا دل و زبان سے شکریہ ادا کرنے کے بغیر شاید یہ مقالہ ادھورا ہی رہ جائے!

اس لئے میں سب سے پہلے اپنے مشفق استاد ڈاکٹر جانس خان (حفظہ اللہ تعالی)،اسسٹنٹ پروفیسر،ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے مجھے اپنی شاگردی میں قبول فرمایااور میری کاوش کی پذیرائی فرمائی اوران کی ترغیب، حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے یہ تحقیقی کام پایہ تکمیل تک پہنچنے کے قابل ہوا۔

ان کے ساتھ ساتھ اپنے محسن واستاد پروفیسر ڈاکٹر عطاالرحمن صاحب، ڈین آف آرٹس اینڈ ہیومینیٹیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ وہ شخصیت ہیں جن کا بالخصوص مجھ پر اور تفسیر روح المعانی پر بالعموم احسان کو یاد کرنا ضروری ہے، کیونکہ ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ میں روح المعانی جیسی عدیم المثال تفسیر پر تحقیق و تخریج کا کام آپ کی خصوصی توجہات اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے نہ صرف شروع ہوا، بلکہ ان کے لگائے ہوئے درخت کا پھل آپ کے سامنے ہے۔

ان دونوں اساتذہ کرام کے بعد ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز کے دیگر تمام اساتذہ اور جملہ اراکین کا تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی محنت اور مفید مشوروں کی وجہ سے میری مشکلات قدم قدم پر آسان ہوئیں۔

تحقیق کے شعبے سے وابستہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اس میدان میں پہلا قدم اٹھانا، کام کی نوعیت کو سمجھنااور مطلوبہ کتابوں تک رسائی ایک دشوار اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے لیکن قدرت نے اس مرحلہ پر بھی میری دستگیری کی اور میرے محترم دوست تسکین اللہ (حفظہ اللہ) کی صورت میں ان مراحل کو میرے لئے آسان فرمایا۔انہوں نے نہایت فراخ دلی اور مشفقانہ انداز سے میری معاونت فرمائی اور نہ صرف تفسیر، حدیث اور اس سے متعلق دیگر کتابیں فراہم کیں بلکہ اس کے ساتھ رہنمائی بھی فرماتے رہے۔

علاوہ ازیں میں اپنے والدین ودیگر اساتذہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی تربیت اور دعاؤں سے میں اس تحقیقی مقالہ کو لکھنے کے قابل ہوا۔

میں اپنے اہل خانہ کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس تحقیقی عمل کے دوران گھریلو ودیگر امور میں میری عدم الفرصتی کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیااور میرے تعلیمی مشاغل میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آنے دی۔

آخر میں چند کلماتِ تشکر اُن تمام دوست و اُحباب کے لئے جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں کسی بھی طرح میری معاونت کی اور حقیقت یہ ہے کہ ان تمام محسنین کا شکریہ زبان سے ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو دنیا و آخرت میں اس کے بہترین بدل سے نوازے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

آمین یارب العالمین

صدارت اللہ

پی ایچ۔ڈی سکالر

# فہرست عنوانات

# مقدمہ

قرآن مجید علوم و معانی کا ایک بے کراں سمندر ہے،اس کے حقائق و معانی کی گرہ کشائی اور اسرار و حکم کی جستجو و تلاش کا سلسلہ اس وقت سے جاری ہے۔جب یہ نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوا لیکن آج تک کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ اس نے اس بحر علم و حکمت کی تمام وسعتوں کو پا لیا ہے۔تفسیر قرآن مسلمان اہل علم کا موضوع رہا ہے۔اسی لئے ہر دور اور ہر علاقہ کے اہل قلم نے قرآن کی تفاسیر لکھی ہیں۔اور یہ مسلمانوں کا ایسا علمی کارنامہ ہے جس کی مثال کسی دوسرے تمدن میں نہیں ملتی۔تفسیر قرآن مسلمانوں کی فکر کا وہ آئینہ ہے جس میں ہر دور کے فکری رجحانات، نظریات و تحریکات اور اشکالات کا عکس نظر آتا ہے۔اس اعتبار سے یہ تفسیری ادب جہاں مسلمانوں کی فکر کا بہترین مظہر ہے وہاں قرآن سے متصادم نظریات کی تنقیح کا بہترین نمونہ بھی ہے۔

اس خدمت میں عرب و مصر، بلخ و نیشاپور، سمرقند و بخارا اور دنیا کے دوسرے بلاد و ممالک کے مصنفین اور اصحاب علم نے جہاں حصہ لیا وہیں بغداد کے علماء بھی اس کار عظیم میں ہر قدم پر ان کے دوش بہ دوش رہے۔بغداد کے علماء کی قرآنی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی مصنفات کی تعداد ہزاروں سے بھی زیادہ ہے۔بغداد کی قرآنی خدمات میں ایک اہم نام تفسیر، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، کا ہے۔یہ تفسیر علامہ آلوسیؒ کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا تعارف:

آپؒ کا نام محمود بن عبداللہ بن محمود بن درویش البغدای آلوسی ہے۔کنیت ابو الثناء اور لقب شہاب الدین ہے۔آپؒ کا نسب امام حسینؓ تک پہنچتا ہے اسی وجہ سے آپؒ کو الحسینی بھی کہا جاتا ہے۔آپؒ جمعہ کے روز 1217ھ/1802ء کو آلوس میں پیدا ہوئے جو بغداد اور ملک شام کے درمیان کے راستے دریائے فرات جو آج کل جنوبی عراق کے شہر بصرہ کے شمال میں بہتا ہے کے نزدیک ایک جزیرہ نما گاؤں ہے اسی وجہ سے آلوسی کہلاتے ہیں۔(1) آپؒ اہل السنہ والجماعۃ سے سنی، شافعی المسلک، سلفی الاعتقاد اور طریقہ و سلوک میں نقشبندی تھے۔(2) آپؒ جس خاندان میں پیدا ہوئے تھے ان میں سے اکثر بلند پایہ عالم اور نیک صفت بزرگ تھے۔علامہ آلوسیؒ کی شخصیت میں شروع ہی سے وہ اوصاف نمایاں تھے جو ان کے روشن مستقبل کا پتہ دے رہے تھے۔آپؒ عراق کے بزرگ علماء میں تھے۔آپؒ کی منزلت علم کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ آپؒ تیرہ سال کی عمر میں درس و تدریس میں مصروف ہوئے تھے۔تمام علوم میں بہت ماہر تھے۔آپؒ کے اساتذہ میں آپ کے والد گرامی عبداللہ بن محمود الالوسی، علی بن محمد جو علی آفندی کے نام سے مشہور ہے۔ابو البہاء خالد بن حسین ضیاء الدین النقشبندی اور آپ ہی سے علامہ آلوسیؒ نے سلسلہ

---

1۔ خلیل مردم، اعیان القرن الثالث، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1414ھ/1993ء، ص38 ۔الزرکلی، خیر الدین بن محمود، دار العلم للملائین، بیروت، 1394ھ/1974ء، ج3، ص53

2۔ الزرقانی، محمد عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار الفکر، بیروت، 1417ھ/1996ء، ج1 ، ص84: الذھبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثیہ، قاہرہ، 1417ھ/1996ء، ج1، ص352

نقشبندی کے سلسلہ میں اجازت حاصل کی تھی۔[3] اور علی علاءالدین الآفندی الموصلی قابل ذکر ہیں۔[4] دور دراز کے علاقوں سے لوگ آپؒ سے علم دین حاصل کرنے کے لئے آتے تھے، آپؒ کی مشہور شاگردوں میں عبد الفتاح بن الحاج شواف زادہ البغدادی، آپؒ کے بیٹے سعد الدین بن محمود، اور نعمان خیر الدین المعروف بابن آلوسی مشہور ہیں۔[5] آپؒ کے مشہور تصانیف میں حاشیہ شرح قطر الندی وبل الصدی، کتاب حاشیہ ابن عصام فی الاستعارہ، الاجوبۃ العراقیہ عن الاسئلۃ الایرانیہ، نہج السلامہ الی مباحث الامامہ اور تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[6] آپؒ 1270ھ /1854ء کو وفات ہوئے اور بغداد میں مقبرہ شیخ کرخی میں مدفون ہوئے۔

**علامہ آلوسیؒ کا منہج :** مؤلف نے تفسیر ہذا کو روایۃً و درایۃً اقوال سلف وخلف کی جامع بنانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اگر اس کو سابقہ کتب تفسیر کا خلاصہ کہا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ مؤلف تفسیر ابن عطیہ، ابوحیان، الکشاف، ابوالسعود، البیضاوی، رازی اور معتبر کتب تفسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ وہ ابوالسعود کو شیخ الاسلام، مفسر بیضاوی کو قاضی اور فخر الدین رازی کو امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ مذاہب فقہاء اور مختلف ادیان وملل کے جید عالم سلفی المشرب اور مسلکاً شافعی تھے۔ آپ اپنی تفسیر میں غیر اسلامی نظریات کی تردید کرتے ہیں۔ بدعات کے جواز کے لئے کچھ لوگ قرآن مجید سے ناجائز استدلال کرتے ہیں علامہ آلوسی ایسی مقامات پر خاموش نہیں رہتے اور منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ فقہی مسائل کی تحقیق بھی کر لیتے ہیں لیکن بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے تھے۔ احناف کو اپنی تفسیر میں سادات اور آداب سے بھرے القاب کے ساتھ یاد کیا ہے۔۔ علامہ آلوسیؒ کو چونکہ علم ہیئت پر بھی عبور حاصل تھا اس لیے قرآن مجید میں جہاں کہیں اجسام فلکی اور اسرار کائنات کا ذکر ہے وہاں آپ کا قلم اس وقت تک کی ہیئتی تحقیقات ومشاہدات کو سمیٹنے لگتا ہے۔ علامہ آلوسی، اعتقادی اور نظریاتی مسائل میں، سلف صالحین کی پیروی پر کاربند نظر آتے ہیں۔ معتزلہ شیعہ اور دیگر بدعتی فرقوں کی آراء اور نظریات کو عالمانہ اور تحقیقی انداز میں رد کرتے ہیں۔ چونکہ علم نحو میں انہیں مہارت کاملہ حاصل تھی اس لئے علم نحو سے متعلقہ تحقیقات اور مباحث میں بہت دور تک جاتے ہیں۔ علم الکلام میں بھی کامل ہونے کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ حتی کہ سابقہ مفسرین سے اگر اس حوالے کوئی چوٹ ہوئی ہے تو ان کی خوب تعاقب کرتے ہیں۔ غیر مستند روایات، واقعات اور اسرائیلیات کو نقل کرنے سے احتراز برتتے ہیں اور جابجا ان پر شدید تنقید بھی کرتے ہیں۔ آیات کونیہ اور طبعی سائنس سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں سائنسی علوم او تحقیقات پر بھی بحث کرتے ہیں اور جدید علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔

---

[3]۔ابن آلوسی، سید نعمان خیر الدین، جلاء العینین بمحاکمۃ الاحمدین، دار العلم، بیروت، س۔ن، ص، 7

[4]۔ایضاً

[5]۔ایضاً

[6]۔ایضاً، ص، 9

**سابقہ دستیاب مواد کا جائزہ:** عرصہ دراز سے پاکستانی جامعات میں عربی تفاسیر کی تخریج و تحقیق اور اردو تراجم کا کام جاری ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ پشاور نے امام سیوطیؒ کی تفسیر الدر المنثور اور امام رازیؒ کی تفسیر مفاتیح الغیب کے اردو تراجم، تخریج اور تحقیق کا کام مکمل کیا ہے۔ اس طرح جامعہ عبد الولی خان نے امام ابو منصور ماتریدیؒ کی تفسیر تأویلات اہل السنہ، تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ اور تفسیر معارف القرآن از محمد ادریس کاندہلویؒ کی تخریج اور تحقیق کا کام کیا ہے۔ عربی زبان کی مطول، جامع اور دیگر خوبیوں سے مزین تفسیر روح المعانی بھی ہے جس پر ابھی تخریج و تحقیق کا کوئی کام نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا اردو ترجمہ موجود ہے۔

اس تفسیر کی اہمیت کے پیشِ نظر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ نے پی ایچ ڈی کی سطح کے لئے ایک پراجیکٹ کے طور پر اسے منتخب کیا تاکہ اردو دان طبقہ اس سے مستفید ہو سکے۔ عرصہ طالب علمی سے تفسیری رجحان کی وجہ سے میں بھی اس میدان میں آیا اور اپنے لئے پارہ دوم نصفِ اول آیت 142 تا 210 کا اردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق منتخب کیا جبکہ باقی تفسیر دوسرے محققین کو تفویض کی گئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تحقیقی کاوش کو اپنے دربارِ عالیہ میں قبول فرمائیں اور اسے عوام و خواص کے لئے استفادہ کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

## اہدافِ تحقیق: (Aim & Objectives)

(1) اس تحقیقی مقالے میں تفسیر روح المعانی کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اُس اردو دان طبقہ کے کام آئے جو کہ علوم اسلامیہ میں دلچسپی تو لیتے ہیں لیکن عربی زبان سے ناواقف ہیں۔

(2) یہ تحقیقی مقالہ اردو زبان کو، جو ہماری قومی زبان ہے، اسلامی تعلیمات سے مزید مالا مال کرنے کی سمت ایک کوشش ثابت ہو گی۔

(3) اس مقالے میں تفسیر روح المعانی کے منتخب شدہ حصے میں وارد احادیث رسول ﷺ کی تحقیق و تخریج کی جائے گی۔

(4) اس میں وارد مختلف علوم و فنون مثلاً کلام، منطق، صرف، نحو، فقہ، اصول فقہ اور بلاغت وغیرہ کی اصطلاحات کی ضروری تشریح ذکر کی جائے گی۔ یہ پہلے بار آنے پر ذکر کی جائے گی جبکہ بعد میں اس کا حوالہ دیا جائے گا۔

(5) کلامی مباحث میں جہاں کوئی تشنگی رہ گئی ہو وہاں ان پر اس سیر حاصل تبصرہ کیا جائے گا اور ہمارے دانست کے مطابق جو موقف راجح ہو اس کی نشادہی کر کے اس کی دلائل ذکر کی جائے گیں۔

(6) فقہی مباحث میں بھی فقرہ (4) میں مذکور طریقہ اپنا کر راجح اور مرجوح کی تعیین کی جائے گی۔

(7) جن تفسیری مباحث سے مفسر کے منہج اور طریقے پر روشنی پڑتی ہے ان کی نشاندہی کی جائے گی اور ضروری تبصرہ کیا جائے گا۔

(8) اشعار کی تخریج اور تشریح ذکر کی جائے گی۔

(9) منتخب شدہ حصے میں وارد اعلام کا تعارف ذکر کیا جائے گا۔

(10) منتخب شدہ حصے میں وارد اماکن (جگہوں) کا تعارف ذکر کیا جائے گا۔

(11) جس عبارت سے مفسر کی ذاتی حالات یا اس کے زمانے کے حالات یا ثقافت پر روشنی پڑتی ہے اس کی نشاندہی اور ضروری وضاحت کی جائے گی۔

## منہج تحقیق:(Methodology of Research )

اس مقالے میں جدید اصولِ تحقیق کے پیشِ نظر منہج یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر باب کا نام ایک صفحہ پر پھر فصل کا نام اگلے صفحہ پر لکھا گیا ہے۔ یہ طریقہ کار تمام ابواب اور فصول میں اختیار کیا گیا ہے۔

مقالے میں ضروری حواشی صفحہ کے آخر میں فٹ نوٹ () کی صورت میں فراہم کی گئی ہیں۔ اُردو ترجمہ کے لئے فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن مجید سے استفادہ کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے لفظ، سورۃ، پھر اس سورۃ کا نام پھر نقطتین اور پھر آیت کا نمبر دیا گیا ہے۔ مثلاً: سورۃ البقرہ: 35۔ قرآن مجید کے متن کا لفظی اور سلیس ترجمہ سپر وائزر کے مشورہ پر فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن سے لیا گیا ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث اور دیگر کتب کے حوالے اس طرح دیئے گئے ہیں کہ پہلے مصنف کا مشہور نام پھر کنیت (اگر ہے) پھر اصل اور مکمل نام بمعہ ولدیت اور نسبت (اگر ہے) درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا اصل نام پھر مکتبہ اشاعت (مکتبہ، شہر اور ملک کا نام) دیا گیا ہے۔ اس کے بعد سنِ اشاعت ہجری/عیسوی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد متعلقہ کتاب کی جلد، صفحہ اور رقم دیئے گئے ہیں۔ پہلی مرتبہ حوالہ دیتے وقت مکمل حوالہ دیا گیا ہے جبکہ بار بار آنے پر یہی حوالہ مختصر دیا گیا ہے مثلاً **مکمل حوالہ:** امام بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار الفکر، بیروت، 1406ھ/1986ء، ج، ص، رقم:

**مختصر حوالہ:** صحیح بخاری، ج، ص، رقم: اور حدیث پر حکم بھی لگایا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں پورے مقالے کا ایک ملخص، خلاصہ بحث، کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس تحقیق سے حاصل ہونے والے، نتائج، اور اس کے بعد آنے والے محققین کے لئے، تجاویز، پیش کی گئی ہیں۔

اس کے بعد فنی فہارس کا عنوان ہے جس سے اگلے صفحہ پر پورے مقالے میں وارد آیاتِ قرآنیہ کی فہرست سورتوں کی ترتیب سے دی گئی ہے۔ اس کے بعد فہرست احادیث، آثار، اشعار، اعلام، اماکن، قبائل اور سب سے آخر میں فہرستِ مصادر و مراجع دیئے گئے ہیں۔

امید ہے اس تحقیقی کاوش سے عوام و خواص دونوں مستفید ہوں گے خصوصاً فنِ تفسیر میں کام کرنے والے محققین اس سے بھر پور استفادہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے۔

صدارت اللہ

پی ایچ۔ ڈی سکالر

# باب اول

## سورۃ البقرۃ آیت 142تا 156کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

# فصل اول

## سورۃالبقرۃ آیت 142تا146کااُردو ترجمہ،
## تخریج اور تحقیق

سَيَقُولُ السُّفَهَاء مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي
مَن يَشَاء إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ 142 وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن
يَنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلاَّ عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّهُ وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّهَ
بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ 143 قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاء فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوِهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ
أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ 144 وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا
تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم مِّن بَعْدِ
مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَاً لَّمِنَ الظَّالِمِينَ 145 الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ 146

**ترجمہ:** احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے۔ تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔ 142 اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔ اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی جن کو اللہ نے ہدآیت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھو دے۔ اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے 143۔ (اے محمد ﷺ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔ 144 اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آؤ تو بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں۔ اور تم بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہو۔ اور ان میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے پیرو نہیں۔ اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی وحی اللہ) آچکی ہے ان کی خواہشوں کے پیچھے چلوگے تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ 145 جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (ان پیغمبر آخر الزمان) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ 146 ([7])

(سَيَقُولُ السُّفَهَاء) کہیں گے بے وقوف، کمزور رائے والے، اور غور و فکر سے اعراض کرنے والے لوگ، جو تقلید محض کی وجہ سے تحویل قبلہ کو غلط سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہوتا کہ یہ تمام منکرین تحویل قبلہ منافقین، یہود اور مشرکین کو شامل

[7] ۔ جالندھری، فتح محمد، اُردو ترجمہ قرآن مجید، فاران اکیڈمی، لاہور، پاکستان، 1430ھ/2009ء، سورۃ البقرۃ: 142

ہے۔اور سدیؒ(8) سے روایت ہے کہ اول سے مراد منافقین ہیں اور ابن عباسؓ(9) یہود اور حسنؒ(10) مشرکین مراد لیتے ہیں(11)۔اور شائد اس سے مراد وہ جماعت ہو جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔نہ کہ ان تینوں پر اس آیت کو محمول کیا جائے۔اس میں جمع (السُّفَهَاء) معرف باللام ہے۔جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔پس یہ تمام اس میں داخل ہیں۔اور بعض کے ساتھ خاص کرنا اس کے لئے کوئی داعی موجود نہیں۔اور خبر کو قول کے ساتھ وقوع پر مقدم کرنا یہ نفس کو آمادہ کرنے کے لئے ہے۔کیونکہ مکروہ چیز کا اچانک آنا زیادہ دردناک ہوتا ہے۔اور مکروہ پر علم قبل الوقوع بے چینی سے زیادہ بعید ہے۔اور وہ وجہ یہ ہے کہ اس میں جواب کو تیار کرنا ہے۔اور جو جواب حاجت سے قبل تیار کیا گیا ہو تو وہ خصومت کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔جیسا کہ ضرب المثل ہے کہ پھینکنے سے پہلے تیر کو تراشا جاتا ہے(12)اور اِخبار کے بعد واقع ہو جانا آپ ﷺ کے لئے معجزہ ہے۔اور کہا گیا ہے۔کہ تقدیم کی صورت میں تعلیم اور تنبیہ دینا ہے۔اس بات پر کہ یہ قول بے وقوفی کا اثر ہے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔اور نہ اس پر پریشانی۔اور اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ تنبیہ اور تعلیم صرف اس سوال اور اس کے جواب سے حاصل

---

[8]۔اسماعیل بن عبدالرحمٰن، کوفی، سدی کبیر، تابعی، حجازی الاصل کوفہ میں رہائش تھی۔واقعات وتاریخ کے عالم تھے۔128ھ/745ء کو وفات پائی۔تفسیر، مغازی اور سیرت وواقعات کے امام ہیں۔ابن تغری، ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی، النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1413/ھ1992ء، ج1، ص390۔الزرکلی، الاعلام، ابوالغیث خیر الدین بن محمود، دار العلم للملائین، بیروت، 1394ھ/ 1974ء، ج1، ص317

[9]۔عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، قرشی، ہاشمی، قبل ہجری 619ء کو پیدا ہوئے۔رسول اللہ کے چچازاد بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔حبر الامۃ، امت کے عالم، اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہی 68ھ/687ء کو وفات پائی۔ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1427ھ/2006ء، ج3، ص96، ترجمہ: 3038۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص95

[10]۔ابوسعید حسن بن ابی الحسن یسار بصری، مشہور تابعی ہیں۔علم، زہد، تقویٰ اور عبادت میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ کے والد ماجد یسار سیدنا زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام تھے۔مدینہ منورہ میں 21ھ/642ء کو پیدا ہوئے۔ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سایہ عاطفت میں رہے۔بصرہ میں سکونت پذیر تھے۔110ھ/728ء کو فوت ہوئے۔حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔کثرت سے تدلیس کیا کرتے تھے اس لیے اُن کی معنعن روایت مقبول نہیں۔حسن بصریؒ کبھی کبھار سیدنا ابوہریرۃ سے، عَنْ، کے ساتھ روایت کرتے ہیں حالانکہ اُن کی سیدنا ابوہریرۃؓ سے روایت ثابت نہیں ہے اس لیے اُن کی روایات منقطع ہوتی ہیں۔ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، منشورات الرضی، قم، ایران، 1364ھ/1944ء، ج2، ص69۔ذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفہ، بیروت، س۔ن، ج1، ص 527۔الزرکلی، الاعلام، ج2، ص225

[11]۔ابن جریر، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1420ھ/2000ء، سورۃ البقرہ: 142

[12]۔یہ مثال ہے۔جو آلہ کو ضرورت سے پہلے تیار کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔المیدانی، ابوالفضل احمد بن محمد المیدانی، مجمع الامثال، دار المعرفۃ، بیروت، 1419ھ/1999ء، ج2، ص201

ہوتے ہیں اگرچہ وقوع کے بعد ہو۔اور قفالؒ([13]) نے فرمایاہے کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور لفظ(سَيَقُولُ) سے مراد ماضی ہے۔اور یہ ایساہے کہ ایک شخص ایک کام کرے اور اس پراس کے بعض دشمن تنقید کرے تو وہ کہے کہ مجھے پتہ ہے کہ یہ عن قریب مجھ پر تنقید کریں گے۔ گویا کہ اس کی مراد یہ ہے۔ کہ جب وہ ایک بات ایک مرتبہ ذکر کرینگے۔ تو وہ لوگ بار بار اس کو ذکر کرینگے۔اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام بخاریؒ([14]) نے براءبن عازبؓ([15]) سے نقل کی ہے۔ کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی([16])۔اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ پس اللہ تعالی نے (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ) ([17])

---

[13]۔ابو بکر محمد بن علی بن اسماعیل الشاشی،الشافعی،القفال الکبیر،اپنے زمانے کے امام تھے۔ تفسیر، حدیث، علم الکلام، اُصول، فروع اور لغت میں امام تھے۔ کئی ساری تصانیف لکھیں۔ابو بکر بن خزیمہ،ابن جریر الطبری،عبداللہ بن اسحاق المدائنی، محمد بن محمد الباغندی ابوالقاسم البغوی اور ابو عروبہ الحرانی اور ان کے طبقہ کے دوسرے علماء سے سماعت کی ہے۔ان کی تصانیف لامثال ہیں۔ماوراء النہر میں ان ہی کی وجہ سے فقہ شافعی کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ابو سہل الصعلوکی سے آپ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا کہ من وجہ پاک ہے اور من وجہ ناپاک ہے۔یعنی اعتزال کی نصرت کرنے کی وجہ سے دنس ہے۔ لیکن الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں یہی قول نقل کرنے سے پہلے اور بعد میں لکھا ہے کہ وہ پہلے معتزلی تھے پھر اشعری ہوئے۔ 291ھ/904ء کو پیدا ہوئے۔ شاش (خراسان) میں 365ھ/976ء کو وفات پائی۔السبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تحقیق: محمود محمد الطناجی، وعبدالفتاح محمد الحلو، دار ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، 2 141ھ/1992ء، ج3، ص200، ترجمہ:160۔ ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1410ھ/1990ء، ج12، ص309

[14]۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، بخاری، ابو عبداللہ ،امیر المؤمنین فی الحدیث 194ھ/810ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہوگئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ تصانیف نیں سب سے زیادہ شہرت صحیح بخاری کو حاصل ہوئی 256 ھ/970ء کو خرتنگ (ازبکستان) میں وفات پائی۔ ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج2 ، ص255۔ الزرکلی، الاعلام، ج6، ص34

[15]۔ براء بن عازِب بن حارث خزرجی ابو عمار، جلیل القدر فاتح صحابی ہیں۔ بچپن میں اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ کی معیت میں پندرہ غزوات میں شرکت کی۔ سیدنا عثمان ذوالنورین نے انہیں، رے، کا امیر بنا کر فارس بھیجا تھا۔ ابہر، قزوین اور زنجان آپ نے فتح کیے ہیں۔ 71ھ/690ء کو فوت ہوئے۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1328ھ/1910ء ، ص 108، ترجمہ:170 ۔الزرکلی، الاعلام ج2، ص64

[16] ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ سَمِعَ زُهَيْرًا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ ،امام بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الصلاۃ من الایمان، دار طوق النجاۃ، مصر، 1422ھ/2001ء، رقم:40

[17]۔ سورۃ البقرۃ:144

لیٰ آخرالایۃ نازل فرمائی۔اور کہاسفہاء نے جو یہود تھے۔(مَا وَ لاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ )اِلیٰ آخرالایۃ۔اورابواسحاقؒ([18])،عبید بن حمیدؒ([19])اور ابو حاتمؒ([20])اس روایت پر زیادتی کرتے ہیں۔پس نازل فرمایااللہ تعالیٰ نے (سَيَقُولُ السُّفَهَاء)اِلخ۔اور اس آیت کی مناسبت ماقبل کے ساتھ یہ ہے۔کہ پہلی آیت کا تعلق اصول میں عیب اور نقص کے ساتھ ہے۔اور یہ آیت اس امر کے بارے میں ہے جو متعلق بالفروع ہے۔اور دونوں آیتوں میں عطف اس وجہ سے نہیں لایا گیا۔کہ یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ دونوں میں سے ہر ایک شناعت میں مستقل ہے۔

(مِنَ النَّاسِ)یہ بنابرحالیت نصب کے محل میں واقع ہے۔اور مراد اس سے جنس ہے۔اور( مِنَ النَّاسِ )کے ذکر کرنے کا فائدہ تنبیہ ہے۔ان کی انتہائی بے وقوفی پر جنس کی طرف قیاس کر کے۔اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں۔اور اس کا فائدہ یہ بیان کرنا ہے کہ یہ نقل کردہ قول ان جماعتوں کے ہر ہر فرد سے صادر نہیں ہوا ہے۔بلکہ یہ قول فساد کے اندر غوطہ لگانے والے بد بختوں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا ہے۔ اور پہلا قول بہتر ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔(مَا وَ لاَّهُمْ)یعنی کس چیز نے ان کو پھیرا،اور اس کا مادہ، وَلْیٌ، ہے۔اور وَلْیٌ، کا معنی دوسرے کا حصول اول کے بعد بلا فصل ہے۔اور استفہام انکاری ہے۔(عَن قِبْلَتِهِمُ) یعنی بیت المقدس۔اور یہ (قبلہ) فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے۔جیسا کہ وِجْہَۃٌ مواجہہ سے ہے۔اور اس کی اصل وہ حالت ہے جس کی طرف منہ کیا جاتا تھا۔مگر عرف عام میں یہ نام ہے اس مکان کا جو مقابل ہو اور اس کی طرف نماز کے لئے متوجہ ہوتا ہو۔(الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا)یعنی اس کی طرف۔اور موصول قبلے کے لئے صفت ہے۔اور مسلمین کی طرف مضاف ہونے کے بعد،اس متصف ہونے میں انکار تاکیدی ہے اور اس انکار کا مدار یہودیوں کے گمان کے مطابق نسخ کا محال ہونا ہے۔اور ان کی ناپسندیدگی کی وجہ ان کے قبلے میں نبی کریم ﷺ کی مخالفت ہے۔یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔کہ تم ہمارے قبلے کی طرف لوٹ آؤ،تو ہم تمہاری اتباع کرلینگے۔اور ہم تم پر ایمان لے آئینگے۔اور شائد کہ اس میں ان کا مطلب نبی کریم ﷺ کو ازمائش میں مبتلا کرنا تھا۔اور مشرکین عرب کی طرف نسبت کرنے میں اس بات کا قصد کرنا ہے۔کہ آپ ﷺ پر دین میں طعن لگایا جائے۔اور اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ اِس کی طرف توجہ (منہ) کرنا اور اُس سے اعراض کرنا بغیر کسی دلیل کے

---

[18]۔زجاج،ابراہیم بن سری بن سہل ابواسحاق،241ھ/855ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔نحو اور لغت کے ماہر عالم تھے۔شیشہ گری کا کام کرنے کی وجہ سے زَجَّاج کہلائے۔مبرد سے علم نحو سیکھا۔بغداد میں 311ھ/923ء کو وفات پائی۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج 1، ص 49۔الزرکلی، الاعلام ،ج1،ص40

[19]۔عبید بن حمید بن ثعلبۃ الحمانی کوفہ میں پیدا ہوئے۔جرب سے پہچانے جاتے ہے۔اپنے زمانہ میں حدیث کے ماہر عالم تھے۔وکیع سے روایت کرتے تھے۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج3،ص479

[20] ۔عبدالرحمٰن بن محمد ابو حاتم بن ادریس بن منذر، تمیمی، حنظلی،رازی،ابو محمد،رے،میں 240ھ/854ء کو پیدا ہوئے۔کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔رجال حدیث کے ماہر عالم تھے۔327ھ/938ء کو وفات پائی۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج3، ص 829۔الزرکلی، الاعلام، ج3، ص324

ہے۔یہاں تک کہ وہ کہا کرتے تھے۔کہ آپ اپنے آباء کے قبلہ سے پھر گئے۔پھر دوبارہ اس کی طرف لوٹیں گے۔اور اسی طرح ضرور ان کے دین کی طرف لوٹے گے۔اور منافقین کی طرف نسبت کرنا ان کے آپس کے اصولی اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں یہود وغیرہ ہیں۔

لوگوں نے آپ ﷺ کی بیت المقدس کی مدت استقبال میں اختلاف کیا ہے۔پس بخاریؒ کی روایت میں جو کچھ ہے۔مجھے علم نہیں ہے۔اور مالک بن انسؒ ([21]) کی روایت میں ہے کہ نو یا دس مہینے ([22]) اور معاذؓ ([23]) سے تیرہ ماہ ([24]) اور صادقؒ ([25]) سے سات ماہ ([26])۔اور کیا آپ کے بغیر کسی اور نے اس کی طرف منہ کیا ہے یا نہیں ؟۔اس میں دو قول ہیں۔ان میں سے مشہور قول ثانی ہے۔اور وہ بھی حضرت صادقؒ سے روایت ہے۔(قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ) یعنی تمام مکانات اور جہات جو اس (اللہ) کی ملکیت ہو۔جو برابر ہو اس کی طرف نسبت کرنے میں نہ کہ کسی چیز کا اختصاص اس کے ساتھ۔اصل تو صرف آپ کے حکم کا امتثال ہے۔پس اسے یہ حق حاصل ہے کہ جس مکان اور جہت کی طرف منہ کرنے کا اپنے بندوں کو مکلف بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔(يَهْدِي مَن يَشَاء إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ) یعنی سیدھا راستہ اور وہ یہ ہے۔جس کی حکمت تقاضا کرے ایک مرتبہ بیت

---

[21]۔ مالک بن انس بن مالک، اصبحی، حمیری، ابوعبداللہ، امام دارالہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔93ھ/712ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں 179ھ/795ء کو وفات پائی۔دینی اُمور میں اُمراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج4، ص135

[22]۔امام آلوسیؒ نے امام مالکؒ کی طرف نو یا دس مہینے کے قول کی نسبت کی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے امام مالکؒ کی روایت میں سولہ مہینے ہیں۔

[23]۔ معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس، انصاری، خزرجی ابوعبدالرحمن، 20ق ھ/603ء کو پیدا ہوئے۔حلال و حرام کے بہت بڑے عالم اور عہد نبوی ﷺ کے چھ حفاظ کرام میں سے تھے۔غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں معلم کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔مرویات کی تعداد 175 ہیں۔18ھ/679ء کو وفات پائی۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج5، ص204۔ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، صفۃ الصفوۃ، دارالمعرفہ، بیروت، س۔ن، ج2، ص479، ترجمہ: 51

[24]۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ أَبِى دَاوُدَ وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِى لَيْلَى عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَصَلَّى-يَعْنِى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثَلاَثَةَ عَشَرَ شَهْرًا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الآيَةَ (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ ،ابوداود، سلیمان بن اشعث، السنن، تحقیق: محمد ناصرالدین الالبانی، کتاب الصلاۃ، باب کیف الاذان، دارالرسالۃ العالمیہ، بیروت، لبنان، 1432ھ/2014ء، رقم: 507۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[25]۔ جعفر بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین، ہاشمی قرشی ابوعبداللہ، 80ھ/699ء کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔سیاست سے الگ تھلگ رہے۔ بڑے جلیل القدر عالم ہیں۔امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے استاذ رہے ہیں۔جھوٹ کبھی بھی نہیں بولا اس لیے صادق کے لقب سے مشہور ہوئے۔148ھ/765ء کو وفات پائی۔ابن خلکان، وفیات الاعیان ج1، ص327۔الزرکلی، الاعلام، ج2، ص126

[26]۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:146

المقدس کی طرف منہ کرنے کااور دوسری مرتبہ کعبہ کی طرف۔اور جملہ ما قبل کابدل اشتمال ہے۔اور یہ پھرنے (بیت المقدس کو چھوڑکر کعبہ کی طرف منہ کرنا) کی مصحح اور مرجح کی طرف اشارہ ہے۔گویا کہ کہا گیاہے کہ یہ مذکورہ پھرناایک ایسی ہدایت ہے ۔جس کے ساتھ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتاہے۔اس کو خاص کر دیتاہے۔اور اسی کے ساتھ اس نے ہمیں خصوصیت بخشی ہے۔پس اسی کے لئے حمد وثناہے۔

(وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا) دو متصل کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے جو کہ دونوں مومنوں کی مدح سرائی کے لئے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے واقع ہوئے ہیں۔ایک دوسرے طریقے سے یاانکار کی تردید کی تاکید کے لئے اس نہج سے کہ یہ امت اور اس ملت کے لوگ جزا کے دن پر گواہ ہونگے۔اور تمہارے ہاں ان کی گواہی مقبول ہونگی۔پس تم اس وقت ان کی اتباع کے زیادہ حقدار ہو اور ان کی اقتداء کے۔پس ان سے تمہارے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔اور یہ مدلول علیہ ،جعل، کی طرف اشارہ ہے جعلناکم کے ساتھ اور اشارہ بعید اس لئے لایا گیاہے۔تاکہ اس کی عظمت پر دلالت کرے۔اور کاف زائدہ ہے مبالغہ کے لئے۔اور اس کا محل درحقیقت نصب کاہے۔اس اعتبار سے کہ یہ مصدر محذوف کے لئے صفت ہے اور اصل تقدیر، جَعَلْنا كُمْ أُمَّةً وَسَطاً جَعْلاً كَائِناً مِثْلَ ذٰلِكَ اَلجَعْلِ،ہے۔پس قصر کی افادے کے لئے فعل پر مقدم کیا گیاہے۔اور کاف زائد بنایا گیاہے پس نفس مصدر مؤکد ہو گیا۔نہ کہ اس کے لئے صفت۔یعنی یہ جعل بدیع ،جعلناکم لاجعلاآخر ،جو کہ اس سے ادنی ہو۔اسی طرح انہوں (نحات) نے کہاہے۔اور ہم نے پہلے ذکر کیاہے کہ ، كَذٰلِكَ،سے بسااوقات اس کامابعد ثابت کرنامقصود نہیں ہوتا۔اور یہ اس وجہ سے کہ وجہ تشبیہ نوعیت اور جنسیت میں بہت زیادہ واقع ہوتی ہے۔جیسا کہ آپ کا قول،ہذا الثوب کہذا الثوب، کہ یہ کپڑا روئی کاہے یاریشم کا،اور یہ تشبیہ نوع کے ضمن میں اپنی مثل کے وجود اور ثبوت کولازم ہے۔پس اس سے کنایہ کے طور پر مابعد کے لئے مجرد مراد لیا گیاہے۔اور جب جملہ ثبوت پر دلالت کرتاہے۔تواس کا معنی اس کے بغیر بھی موجود تھا۔اور وہ اس کے لئے تاکید ہے۔پس یہ زائد کلمہ کی طرح ہو گا۔اور یہ (کاف) ان بعض نحات کے نزدیک رابطی ہے نہ کہ زائد جیسا کہ ان کے کلام سے متوہم ہے۔اور اس کامابعد عجیب انداز میں مستفاد ہوناتواس کے سوااور کچھ نہیں ہے کیونکہ جو اس طرح ہوتاہے بیان کا محتاج نہیں ہوتا۔پس جب کلام بلیغ میں اس کے اثبات کا اہتمام کیا گیا۔تو معلوم ہوا یہ کہ امر غریب ہے۔اور یابعد مکانی کو بعد رتبی پر حمل کرنے کی وجہ سے۔بعض لوگوں نے سابق سے مفہوم اخذ کرنے کی وجہ سے (كَذٰلِكَ) کو مطلق تشبیہ کے لئے قرار دیاہے۔یعنی جس طرح ہم نے تم کو ہدایت یافتہ بنایاہے۔یاتمہارے قبلے کو افضل القبل بنایاہے۔ہم نے تمہیں افضل امت بنایاہے۔اس پر یہ اعتراض وارد ہوتاہے۔کہ مشبہ بہ اس محل کے ساتھ مختص نہیں ہے۔کیونکہ امم سابقہ کے مؤمنین بھی صراط مستقیم کے ہدایت یافتہ تھے۔اور ان میں سے بعض کا قبلہ بھی اسی طرح دوسروں سے افضل تھا۔مشبہ بناناان کے ساتھ بھی مختص تھا۔تو تشبیہ بھلی نہیں لگتی۔اس وجہ سے کہ سابق سے یہ بات نہیں سمجھی جاتی سوائے اس کے کہ اور دونوں قبلوں میں سے ایک اپنے وقت میں سیدھاراستہ تھا۔اور اس کا حکم دینااسی وقت میں ہدایت تھا۔اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوتاہے

۔کہ ان کا قبلہ تمام قبلوں میں سب سے فضیلت والا قبلہ ہے۔اور ناسخ کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ منسوخ سے بہتر ہو۔البتہ یہ ہو سکتاہے کہ قائل کی یہی مراد ہو۔جیسا کہ ہم نے تمہارا قبلہ کعبہ ٹھہرایاہے۔جو کہ حقیقت میں ہم نے اسے تمام قبلوں میں افضل ترین قبلہ بنایاہے۔مگر اس سے یہ اعتراض ختم نہیں ہوتا جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اور (وَسَطًا) کا معنی ہے بہتر، اچھا اور برابر۔اور دراصل یہ اس چیز کا نام ہے جو اطراف اور جوانب کی نسبت کو برابر رکھتی ہے۔ جیسا کہ مرکز۔پھر وسط استعارہ لیا گیاہے۔بشری خصلتوں سے جو عمدہ ہوں کیونکہ مذموم اور بے کار خصلتوں کو افراط اور تفریط کے دونوں طرفوں سے اعتدال کی طرف لانے والے ہیں۔جیسا کہ سخاوت اسراف اور بخل کے درمیان، بہادری بزدلی اور قہر و غضب کے درمیان اور حکمت کند ذہنی اور تیز ذہن کے درمیان۔پھر صفت پر اپنے موصوف کا اطلاق کیا گیاہے۔جیسا کہ حال کا اطلاق محل پر ہوتاہے۔اور اس میں واحد اور غیر (تثنیہ اور جمع) برابر ہے۔کیونکہ اصل کی اعتبار سے یہ اسم جامد ہے۔اس کی مطابقت ضروری نہیں ہوتی۔اور کبھی کبھار اس کی رعایت کی جاتی ہے۔اور اس (ضابطے) کا اطلاق عام نہیں ہوتا۔جیسا کہ ان کے قول سے گمان کیا جاتاہے۔بہترین کام میانہ روی ہے۔کیونکہ اس کے ساتھ ان کا قول معارض ہوتاہے۔کیونکہ بسا اوقات دل کو کمزور اور خسیس چیز بمقابلہ عمدہ اور لذیذ دل کو اچھا لگتاہے۔جس طرح جاحظؒ [27] نے فرمایاہے۔[28] کہ دل پر مہر لگایا جاتا ہے۔اور سانسوں کو روک دیا جاتاہے۔اور عمدہ نہیں ہے جس سے خوشی حاصل ہو سکے اور نہ ہی ردی ہے جس کے پیچھے ہنسا جا سکے۔بلکہ وہ تو دو مقام میں نسب کا مدح بیان کرناہے کیونکہ قبیلہ کا عمدہ اس قبیلے کا معروف اور مضبوط شخص ہوتاہے۔اور شہادت میں جیسا کہ یہاں پر ہے۔کیونکہ یہ وہ اعتدال ہے۔جیسا کہ وہ قوت عقلیہ، قوت شہویہ اور قوت عضبیہ کی تکمیل ہے۔یعنی اس کا استعمال جس میں مناسب ہو۔اور جن پر مناسب ہو۔اور جب بندوں کو علم ظاہری کے سوا نہیں دیا گیاہے۔تو فقہاء کرام نے کبائر سے اجتناب اور صغائر پر اصرار نہ کرنے کو اس کا قائم مقام بنایاہے۔اور انہوں نے اسے حقوق کو محفوظ کرنے میں عدالۃ کا نام دیا ہے۔پس یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے۔

اور ابو منصور الماتریدیؒ [29] نے اس سے استدلال کیاہے۔

---

[27]۔عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی اللیثی ابو عثمان، معتزلہ میں سے فرقہ جاحظیہ کے رئیس تھے بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے۔163ھ/780ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔آخری عمر میں فالج کا شکار ہوئے۔255ھ/869ء کو کتابوں کی الماری اوپر گرنے سے وفات پائی۔حموی، یاقوت بن عبد اللہ، معجم الادباء، داراحیاء التراث العربی، س۔ن، ج16، ص74۔الزرکلی، الاعلام، ج5، ص74

[28]۔ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، البیان والتبیین، دار ابن حزم، بیروت، س۔ن، ج 1، ص145

[29]۔محمد بن محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی۔علم الکلم کے امام ہیں۔تفسیر، حدیث، علم کلام، فنون اور اصول الدین کے ماہر عالم تھے۔ سترہ مختلف علوم وفنون کا درس دیا کرتے تھے۔ اُن کی نسبت ماترید کی طرف ہے جو سمرقند کا ایک محلہ ہے۔تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔333ھ/944ء کو سمرقند میں وفات پائی۔الزرکلی، الاعلام، ج7، ص19

کہ اجماع حجت ہے۔(30) کیونکہ اگر وہ چیز جس پر امت نے اتفاق کیا ہو اور وہ باطل ہو۔ تو اس سے ان کی عدالت ثابت نہیں ہو گی۔اور یہ قاعدہ اس بات پر مبنی ہے۔ کہ جب وسط کا ترجمہ عدول کے ساتھ کیا جائے اور خصم کے لئے یہ حق حاصل ہے کہ وسط کی تفسیر عمدہ کے ساتھ کرے۔ تو یہ پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا عمدہ ہونا تمام امور میں عمدگی کا تقاضا نہیں کرتا۔ تو ان کا غلطی پر متفق ہونا اس کے ساتھ منافی نہیں ہے۔ یہ کسی چیز سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر جو اول ہے تو یہ اس وجہ سے کہ عدالۃ اجتہادی خطاء کے ساتھ منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی فسق نہیں کیونکہ غلطی کرنے والے مجتہد کو اجر ملتا ہے۔ اور ہر جو ثانی امر ہے۔ تو یہ اس وجہ سے کہ ان کا دوسری امتوں کے مقابلے میں عمدہ ہونا مراد ہے۔ اور ہر جو امر ثالث ہے۔ تو یہ اس وجہ سے کہ ہر فرد سے عدالت کو قطع کرنے کے بعد مجموعی عدالۃ کا تو معنی اور مطلب باقی نہیں رہتا۔ اور ہر جو امر رابع ہے تو یہ اس وجہ سے کہ ان کا عادل ہونا تمام اوقات میں لازم نہیں آتا۔ بلکہ ادائے شہادت کے وقت لازم آتا ہے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اور ہر جو امر خامس ہے تو الف مقصورہ جو، التی اور اللتیا، کے بعد آتا ہے۔ تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ہر امت اور ہر اہل حل اور عقد کا اجماع حجت ہے اور یہ بات متعذر بھی ہے۔ اور دلالت نہیں کرتا ہر زمانے کے مجتہدین کے اجماع کی حجت پر۔ اور استدلال کرنے والا اس کو روکتا ہے۔ اور پہلے اور دوسرے سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ عدالۃ کا معنی اعتقاد اور قول و فعل کی عصمت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو افراط و تفریط کے درمیان اعتدال حاصل نہ ہوتا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے۔ جو متشابہ حالت سے حاصل ہوتی ہے ان اوساط کی امتزاج سے جو ہمارے ذکر کردہ قوی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو ہم نے ذکر کئے۔ تو یہ نسبی امر نہیں ہو سکتا۔ اور امر ثالث سے یوں جواب دیا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ ان میں وہ پائے جائے۔ جو اس صفت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ پس جب ہم ان کو یقینی طور پر نہیں پہچانتے تھے۔ تو ہم محتاج ہوئے ان کی اجتماعیت کی طرف تا کہ اس سے وہ شخص خارج نہ ہو جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ لیکن اس کے معتبر اشخاص اس اجتماعیت میں داخل ہوں گے۔ اور جب وہ داخل ہو جائے۔ اور کوئی غلطی سرزد ہو جائے۔ تو اجتماعی طور پر عدالۃ مجروح ہو گی۔

اور امر رابع سے جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ (جَعَلْنَاكُمْ) عدالۃ کا بالفعل تقاضا کرتا ہے۔ اور ماضی کا استعمال مضارع کے معنی میں خلاف ظاہر ہے۔ اور پانچویں امر سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ خطاب حاضرین یعنی صحابہ کرام کو ہو رہا ہے جیسا کہ وہ اس کا اصل ہیں۔ تو بالجملہ اجماع کی حجیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ یہ آخری جواب غیر تسلی بخش ہے جو تشفی نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ مستدل کے مقصود سے کئی مراحل میں دور ہے۔ اس نہج پر کہ جو بھی انصاف کی نظر سے دیکھے گا۔ تو وہ اس آیت میں اس امت کی افضلیت دوسری امم کے مقابلے میں دیکھے گا۔ اور یہ اجماع کی حجیت اور عدم حجیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں بعض شیعہ اس طرف

30۔ ابو منصور محمد بن محمد، تاویلات اہل السنۃ، تحقیق: مجدی باسلوم، دار الکتب العلمیہ، لبنان، 1426ھ/2005ء، سورۃ البقرۃ: 143

گئے ہیں۔ کہ آیت بارہ اماموں کے ساتھ خاص ہے۔اور انہوں نے باقرؒ([31]) سے روایت کی ہے کہ ہم وسط امت ہے۔اور ہم اللہ کے گواہ ہیں اس کی مخلوق پر۔اور اس کی زمیں پر اس کی حجت ہیں۔اور حضرت علی([32]) کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ نے فرمایاہے۔(وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا)اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت ٹھہرایاہے۔اور انہوں نے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کا قول حجت ہے۔اور ان کے اجماع سے افضل ہے۔اور یہ کہ زمین ان میں سے کسی سے بھی خالی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اللہ اس زمین کو اور اس پر جو بھی رہتا ہے،اس کے وارث بنائیں گے۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بغیر اثبات کے جو یہ کہتے ہیں بہت مشکل بات ہے۔

(لِّتَكُونُواْ شُہَدَاء عَلَى النَّاسِ)یعنی تمام امتوں پر روز قیامت میں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے راستوں کی وضاحت کی ہے۔اور پیغمبروں کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے تبلیغ کی اور نصیحت کی۔ جو اس جعل مذکور کی مقصد اصلی اور اس پر مرتب ہے۔امام احمدؒ ([33])وغیرہ نے ابوسعیدؓ([34]) سے روایت کی ہے۔کہ قیامت کے دن نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک آدمی اور نبی ہوگا اور اس کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ آدمی ہونگے۔تو اس کی قوم بلائی جائے گی،تو ان سے کہا جائے گا۔تونے اپنی قوم کو پیغام پہنچایا؟تو فرمائے گا۔ہاں۔تو ان سے کہا جائے گا تمہارے لئے کون گواہی دے گا؟ تو کہے گا محمد ﷺ اور آپ کی امت۔تو محمد ﷺ اور اس کی امت بلائی جائے گی۔تو ان سے کہا جائے گا۔کیا اس نے اپنی قوم کو تبلیغ کی؟تو وہ کہیں گے ہاں۔تو کہا جائے گا تمہاری کیا دلیل

---

[31]۔ محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین، طالبی، ہاشمی، قرشی، ابو جعفر۔شیعہ امامیہ کے پانچویں امام ہیں۔57ھ/676ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔زاہد اور عابد تھے۔قرآن مجید کے مفسر تھے۔113ھ/732ء کو حمیمہ میں وفات پائی۔مدینہ منورہ میں دفن کیے گئے۔ابن خلکان، وفیات الاعیان،ج4،ص127۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص270

[32]۔ علی بن ابی طالب ،ہاشمی، قرشی، نبی ﷺ کے چچازاد اور داماد تھے۔چوتھے خلیفہ راشد،سابقون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔مکہ معظمہ میں 23ق ھ/600ء کو پیدا ہوئے اور رسول اللہ کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔35ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔17 رمضان 40ھ/661ء کو شہادت پائی۔ابن عبدالبر،الاستیعاب، ص، 527، ترجمہ،1866۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص295

[33] ۔ احمد بن حنبل، ابو عبداللہ، شیبانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ ان کے والد سرخس (خراسان) کے گورنر تھے۔164ھ/780ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں‘ ان کے زمانے میں مامون الرشید نے، خلق قرآن، کا فتنہ اٹھایا۔امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سر کوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر واستقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔28 مہینے جیل میں قید رہے۔241ھ/855ء کو وفات پائی ۔ خطیب بغدادی،ابو بکر احمد بن علی،تاریخ بغداد،دار الکتب العلمیہ،بیروت، س۔ن،ج4،ص413۔423۔الزرکلی،الاعلام ،ج1،ص203

[34]۔ سعد بن مالک بن سنان،ابو سعید، خدری،انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔10ق ھ/613ء کو پیدا ہوئے۔رسول اللہ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔74ھ/693ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج6،ص151۔الزرکلی، الاعلام،ج3،ص87

ہے۔ تو وہ کہیں گے۔ ہمارے پاس ہمارا نبی آیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ انبیائے کرام نے تبلیغ کی ہے ([35])۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہو گا۔ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا) اور ایک روایت میں ہے۔ کہ محمد ﷺ کو لایا جائے گا۔ تو آپ ﷺ سے آپ کی امت کے حال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تو آپ ﷺ ان کا تزکیہ فرمائیں گے۔ اور اس کی سچائی کی گواہی دیں گے۔ اور یہ اللہ کے قول (وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) کے مطابق ہو گا۔ اور کلمہ استعلاء (عَلیٰ) لفظ شہید پر رقیب کا معنی دیتا ہے۔ یا ما قبل سے مشابہت کی بناء پر۔ اور پہلی شہادت کا صلہ مؤخر کیا گیا ہے۔ اور بعد میں مقدم کیا گیا۔ اول سے مراد ان کی شہادت ہے۔ امتوں پر اور دوسرے میں ان کا اختصاص ہے۔ اس طریقے سے کہ رسول ان پر گواہ ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ تاکہ تم گواہ ہو جاؤ دنیا میں لوگوں پر ان امور میں جو عادل اور معتبر لوگوں کے بغیر اصلاح نہیں پاتے۔ (وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) اور تمہیں پاک کر دے اور تمہاری عدالت کے متعلق آگاہ کر دے۔ اور اس میں آثار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا) اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے بناء پر وہ قبلہ بیت المقدس کا پتھر ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کا قبلہ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس تھا۔ لیکن آپ ﷺ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔ بلکہ ان دونوں کے بیچ کھڑے ہوتے تھے۔ ([36]) اور (الَّتِي) مفعول ثانی ہے جعل کے لئے نہ کہ قبلہ کے لئے صفت ہے۔ اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی قبلہ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور ابو حیانؒ ([37]) نے فرمایا ہے۔ جعل کسی چیز کی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا

---

[35]۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيءُ النَّبِيُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَأَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ فَيُدْعَى قَوْمُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ هَذَا فَيَقُولُونَ لَا فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهُ مَنْ يَشْهَدُ لَكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ فَيُدْعَى مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَ هَذَا قَوْمَهُ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُقَالُ وَمَا عِلْمُكُمْ فَيَقُولُونَ جَاءَنَا نَبِيُّنَا فَأَخْبَرَنَا أَنَّ الرُّسُلَ قَدْ بَلَّغُوا فَذَلِكَ قَوْلُهُ { وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا } قَالَ يَقُولُ عَدْلًا { لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ، احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1420ھ/1999ء، رقم: 11558۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، السلسلۃ الصحیحۃ، مکتبۃ المعارف، الریاض، س۔ن، ج5، ص577

[36]۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَهُوَ بِمَكَّةَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَالْكَعْبَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَبَعْدَ مَا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صُرِفَ إِلَى الْكَعْبَةِ، امام احمد بن حنبل، المسند، تحقیق: شعیب الانوؤط مؤسسۃ القرطبہ، القاہرہ، س۔ن، رقم: 2991۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[31]۔ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان غرناطی، اندلسی، تفسیر، حدیث تراجم اور لغات کے مسلمہ امام تھے۔ غرناطہ (اسپین) میں 654ھ/ 1256ء کو پیدا ہوئے۔ مالقۃ (اسپین) چلے گئے وہاں سے قاہرہ منتقل ہو گئے۔ جہاں 745ھ/1344ء کو وفات پا گئے۔ ابن حجر،

ہے۔پس دوسری حالت کے ساتھ متلبس مفعول ثانی ہو گیا۔جیسا کہ ،جعلت الطین خزفا ، میں ہے۔میں نے مٹی کو ٹھیکری بنادیاتو مناسب ہے کہ مفعول اول موصول ہواور دوسرا قبلہ ہو۔([38])اور یہی مفہوم دقیق نظر کے ساتھ ذہن کی طرف سبقت حاصل کرتا ہے۔لیکن دقیق تامل اسی طرف رہنمائی دیتا ہے۔جو ہم نے ذکر کیا ہے۔کیونکہ قبلہ عبارت ہے اس جہت سے جس کی طرف نماز کے لئے منہ کیا جاتا ہو۔اور وہ کلی ہے۔اور وجہۃ جس کی طرف تو منہ کیا کرتا تھا۔اس کی جزئیات میں سے ایک جزی ہے۔پس مذکورہ ،جعل، کل کی تفسیر جز کے ساتھ کرنا ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کل جز بن جاتی ہے۔جیسا کہ حیوان انسان بن جاتا ہے نہ کہ عکس۔

اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا معاملہ یہ ہے۔کہ کعبہ کی طرف منہ کر لو جیسا کہ ابھی ہے۔(وَمَا جَعَلْنَا) اور ہم نے نہیں ٹھہرایا تمہارا قبلہ بیت المقدس کسی چیز کے لئے (إِلاَّ لِنَعْلَمَ) یعنی اس زمانے میں(مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ) کہ کون تمہاری تابعداری کرتا ہے نماز میں اس کی طرف۔غیبت کی طرف التفات کرنا باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کو رسالت کے عنوان سے لائے ہیں۔اتباع کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔(مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ)یعنی دین اسلام سے ارتداد اختیار کرتا ہے۔پس آپ کی تابعداری نہیں کرے گا۔اپنے آباء کے قبلہ سے محبت کی وجہ سے۔اور (من) فصل کے لئے ہے(الَّتِي) کی طرح۔اللہ کے اس قول میں(وَاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ)([39])۔اور کلام استعارہ تمثیلیہ کے باب سے ہے۔اس بات کو جمع کرنے والا ہے۔جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔وہ چھوڑ جاتا ہے۔اور رجوع کی بدترین حالات کی طرف پیٹھ پھیرتا ہے۔اور اسی طرح مرتد اسلام سے پھرتا ہے بدترین حالت میں اور جو دلائل اس کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔چھوڑ جاتا ہے۔اور(نَعْلَمَ) یہ گزشتہ حالت کی حکایت ہے۔اور (يَتَّبِعُ)اور(يَنقَلِبُ)حدوث کے معنی میں ہے۔اور جعل، مجاز ہے۔اس اعتبار سے کہ اصل استقبال الکعبہ ہے۔یا معنی یہ ہے کہ۔(وَمَا جَعَلْنَا)ہم نے بیت المقدس کو تمہارا قبلہ نہیں بنایا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کہ تحویل کے بعد کون تمہارا اتباع کرتا ہے کعبہ کی طرف منہ کرنے میں۔(مِمَّن)ان لوگوں میں سے جو تمہاری تابعداری نہیں کرتا بعض اہل کتاب کی طرح مرتد ہوئے جب تحویل ہوا۔(الْقِبْلَةَ)پس ہم حقیقت حال کو جانتے ہیں۔اور حاصل بحث یہ ہے۔کہ جو کچھ ہم نے کیا یہ ایک امر عارض کی وجہ سے کیا ہے۔اور یہ لوگوں کی ازمائش ہے۔یا تو بنانے کے وقت میں یا تحویل کے وقت میں۔اور جو کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے۔تو اس عارض کے ختم ہونے سے زائل ہو جاتا ہے۔اور کہا گیا ہے۔

---

ابوالفضل احمد بن علی عسقلانی،الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، دارالجیل، بیروت، 1414ھ/1993ء۔ج4، ص302۔الزرکلی، الاعلام،ج7،ص152

[38] ۔ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن حیان الاندلسی، تفسیر البحر المحیط ،داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1411ھ/1990ء، سورۃ البقرۃ 143:

[39]۔سورۃ البقرۃ:220

۔کہ اس سے مراد کعبہ ہے۔اس بناء پر کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔تو معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو نہیں پھرایا مگر اس لئے کہ ہم جان لے وہ جو اس طرح ثابت ہے کہ کوئی شبہہ اسے ٹیڑھا نہیں کر سکتا۔اور اس کی طرف کوئی اضطراب لاحق نہیں ہوتا اس شخص سے جس کے اضطراب اور لغزش کے ذریعے کوئی لوٹ جائے تحویل کے باعث۔اس وضع سے کہ اگر اول ثابت ہو تو اس سے منہ پھیرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔اور اگر ثانی ہو تو پہلے کا حکم دینا ہی بے معنی ہو گا۔اور جعل اس معنی پر حقیقت ہے۔اور (یَتَّبِعُ) استمرار کے لئے ہے۔اور اس کے مقابل اور ضد کے قرینہ کی وجہ سے۔اور یہ قول ضعیف سمجھا جاتا ہے۔کہ یہ نسخ قبلے کے دعویٰ کو دو مرتبہ مستلزم ہو۔

اور آیت کریمہ سے یہ اشکال پیدا ہو گیا ہے کہ یہ مستقبل میں علم الٰہی کے حدوث کی خبر دیتی ہے۔اور حال یہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے عالم ہے۔اور کئی وجوہ سے اس کا جواب دیا گیا ہے۔(1)اول یہ علی سبیل التمثیل ہے۔یعنی ہم نے اس شخص کے فعل کی طرح کیا جو جاننا چاہتا ہے۔(2)دوسرا یہ کہ مراد اس سے علم ہے۔اور وہ علم جس پر جزاء کا دار و مدار ہے۔یعنی کہ ہمارا علم اس کے ساتھ موجود بالفعل متعلق ہو جائے۔پس علم حادث کے ساتھ تو مقید ہے۔اور حدوث قید کی طرف راجع ہے۔(3)تیسرا یہ کہ معلوم ہو جائے رسول کو اور مومنوں کو۔اور قرب واختصاص کی کرامت حاصل کرنے کی غرض سے جائز ہے۔کہ بادشاہ کو بعض خواص کے فعل کی اسناد کی جائے۔پس یہ بادشاہ کے قول،فَتَحْنَا الْبَلَدَ،ہم نے شہر فتح کیا،کی طرح ہے۔حالانکہ وہ صرف اس کی فوج نے فتح کیا ہے۔(4)چوتھی وجہ یہ ہے کہ علم نے اپنے ضمن میں تمیز کا معنی لیا ہے۔یا اس سے خارج میں تمیز مراد لی گئی ہے۔اور سبب کے اسم کا اطلاق مسبب پر جائز ہے۔اور اس کی تائید تمیز کی طرح،من،کے ساتھ متعدی بنانا ہے۔اور اسی کے ساتھ ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر کی ہے۔اور اس کے لئے (لِيَعْلَمَ) کی قراءت گواہی دیتی ہے۔کیونکہ یہ مبنی علی المفعول ہے۔([40]) کیونکہ اس سے مراد یہ ہے۔کہ ہر وہ چیز معلوم ہو سکے جس سے علم حاصل ہوتا ہو۔اور یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ اللہ تعالی کی تمیز کا فرع ہے۔اور خارج میں ان کے درمیان فرق اس نہج پر ہے کہ کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔(5) پانچواں یہ کہ اس سے مراد جزاء ہیں۔یعنی کہ ہم فرمانبردار اور نافرمان کو بدلہ دیں۔اور بسا اوقات علم پر ابھارنا قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔(6)چھٹا یہ کہ نَعْلَمُ صیغہ جمع متکلم ہے۔پس اس سے مراد یہ ہے کہ علم میرے اور میرے رسول کے درمیان اور مؤمنوں کے درمیان ہو جائے۔مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت (جَعَلْنَا ) کے ساتھ آتا ہے۔باوجود اس کے کہ اللہ کے ساتھ شریک بنانا ایک ہی ضمیر میں غیر مناسب ہے۔پھر اگر علم تمیز سے مجاز ہو تو،فَمِنْ ، اور مِمَّنْ،اس کے دونوں مفعول واسطہ کے ساتھ ہے یا بلا واسطہ۔اور اگر حقیقت ہو تو یا تو ایک مفعول کی طرف متعدی ہونے والے ادراک سے حقیقت ہو گا۔تو،مِنْ،

---

[40]۔احمد عبدالتواب الفیومی،القرآءت الشاذہ واعجازھا اللغوی والدلالی،المکتبۃ الازھریہ للتراث،القاہرہ،1432ھ/2012ء،ص10۔ابوالفتح عثمان بن جنی،المحتسب فی تبیین وجوہ شواذ القرآءت والایضاح عنہا،،دار سزکین للطباعۃ والنشر،استانبول،ترکی،1406ھ/1986ء،ج1،ص111

موضع نصب میں موصولہ ہوگا۔اور ،مِمَّنْ، ، حال یعنی متمیزا، مِمَّنْ۔یااس علم سے جو دو مفعولوں کو متعدی ہو۔ تو،مِنْ، استفہامیہ ہوگا موضع ابتداء میں۔اور (يَتَّبِعُ) خبر کے موضع میں ہوگا۔اور جملہ دو مفاعیل کے موضع میں ہو گا۔(مِمَّن يَنقَلِبُ) حال ہے فاعل (يَتَّبِعُ) سے۔اور اس سے ابوالبقاءؒ (41)کے قول کی تردید ہوتی ہے۔کہ ،مِنْ،استفہامیہ ہونا جائز نہیں ہے۔کیونکہ اللہ کے قول، (مِمَّن يَنقَلِبُ) کے لئے متعلق باقی نہیں رہتا۔کیونکہ استفہام کا ما قبل مابعد میں عمل نہیں کرتا۔اور (يَتَّبِعُ) کے ساتھ متعلق کرنے کا کوئی معنی نہیں۔اور اس تقدیر پر کلام دلالت کرتا ہے۔تو اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔کہ اس پر کوئی قرینہ موجود نہیں۔ (وَمَا جَعَلْنَا) یہ جملہ معطوفہ ہے۔ان دو جملوں کی طرح مجموعہ سوال وجواب پر جو کہ بیان ہے حکمت تحویل کے لئے۔اور کہا گیا ہے کہ۔ (لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ) (42) پر معطوف ہے۔اور اس بات کی بھی حاجت پڑتی ہے۔کہ اس وقت یہ کہا جائے۔کہ آپ اس کلام کے مضمون کی ادائیگی پر اپنے ہی الفاظ میں مامور تھے۔جبکہ آپ ﷺ کے کلام میں متکلم کی ضمیر کا لانا صحیح نہیں ہے۔جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے۔

(وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً) یعنی مشقت والی اور ثقیل۔اور ضمیر جس پر اللہ کا قول (وَمَاجَعَلْنَا) دلالت کرتا ہے۔جعل،تولیہ،ردۃ،تحویل،صیرورۃ،متابعۃ یا پھر قبلے پر۔اور تانیث کے اعتبار کا فائدہ کئی وجوہ سے ہے۔کہ اس رد اور تحویل پر دلالت کرتا ہے۔ایک مرتبہ واقع ہونے کی وجہ سے۔اور اس کا اختصاص نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان پر ثقیل تھا۔کہ پہلے سے آپ کے ساتھ انہوں نے عہد نہیں کیا تھا۔اور یہ کہنا کہ (لَكَبِيرَةً) کی تانیث اس کو صفت حادثہ بناتی ہے۔ضمیر کی تانیث خبر کی تانیث کے لئے ہے۔پس جعل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔یا رد کی طرف یا تحویل کی طرف بغیر کسی ایسے تکلف کے جو فائدے سے خالی ہو۔ (وَإِن) یہ مخفف عن المثقل ہے۔جو کہ حکم کی تاکید کا فائدہ دینے والا ہے۔کان کے توسط سے مابعد میں عمل کرنے سے لغو بنا دیا گیا۔اور لام مخففہ اور نافیہ کے درمیان تفریق کرنے والا ہے۔اور کوفیوں نے گمان کیا ہے کہ اِن،نافیہ ہے۔اور لام بمعنی الا ہے۔اور ہوتا تو یہ بھی جائز ہوتا کہ کہا جائے۔جآء القوم لزیدا بمعنیٰ الا زیدا۔اور چونکہ اس طرح جائز نہیں ہے۔لہذا ایسا نہیں ہے بصریین نے کہا ہے۔اگر اسی طرح۔اور (لَكَبِيرَةٌ) مرفوع پڑھا گیا ہے(43)۔پس،کان، میں ضمیر قصہ ہوگا۔اور کبیرۃ خبر ہوگی۔مبتداء محذوفہ کے لئے۔یعنی ،لہی کبیرۃ ، اور جملہ خبر ہوگا کَانَ کے لئے۔اور کہا گیا ہے۔اگر یہ زائد ہو جیسا کہ اس قول میں،واخوان لنا کانوا کرام۔ترجمہ۔اور ہمارے بھائی معزز ہیں۔(44)

---

41 ۔ ایوب بن موسیٰ حسینی قریمی کفوی ابوالبقاء، حنفی قاضیوں میں سے تھے۔کفہ[ترکی]القدس اور بغداد میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے ہیں۔استانبول واپس لوٹ آئے اور وہاں 1094ھ/1683ء کو وفات پائی۔تربۃ خالد میں دفن کیے گئے۔البغدادی،ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون،اسماعیل باشا ،المکتب الاسلامی،استانبول،1364ھ/1954ء،ج2،ص380۔الزرکلی،الاعلام،ج2،ص38

42۔سورۃالبقرۃ:142

43۔ الفیومی،القرآءت الشاذہ،ص10

44۔ابوفراس،فرزدق بن غالب،دیوان فرزدق ،داراحیاءالتراث،بیروت،س۔ن،ج2،ص290

اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا۔ اگر یہ مراد لیا جائے۔ کہ کان اپنے اسم کے ساتھ زائد ہے۔ تو (کبیرۃ) مبتداء کے بغیر رہ جائے گا۔ اور ان محففہ جملے کے بغیر۔ اور اس جیسا واقع ہونا قیاس سے باہر ہے۔ اور اگر صرف ( کان ) کو مراد لیا جائے۔ اسی طرح اور ضمیر بنابر ابتداء حالت رفعی پر باقی ہو۔ ([45]) تو اس وقت اس کے متصل اور مستتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ جواب دیا گیا ہے۔ جب یہ (کان) کے بعد واقع ہو۔ اور کان معنی کی جہت سے کان کے اسم کی جگہ میں اسم کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے اس کو مستتر بنایا گیا۔ اور اگرچہ مبتداء حقیقی ہو۔ اور یہ بات مخفی نہیں ہے۔ کہ یہ انتہائی تکلف ہے اور بے راہ روی ہے ۔

(إلاَّ عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللهُ) یعنی ان شرعی احکام کے راز تک جو کہ اجمالی اور تفصیلی حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہیں۔ اور ان سے مراد (مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ) جو کہ ایمان پر ثابت قدم ہوں۔ اور غیر متزلزل اور اپنے پیروں پر نہ مڑنے والے ہیں ۔

(وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ) یعنی تمہاری نماز منسوخ شدہ قبلہ کی طرف۔ اور صحیح میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا۔ تو انہوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ان لوگوں کی کیا حالت ہو گی۔ جو ایسی حالت میں وفات پا چکے ہیں جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔ ([46])۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ پس ایمان مجاز ہے۔ لازم کے اطلاق اپنے ملزوم کے قبیلے سے۔ اور اس پر قرینہ ابن عباسؓ اور دیگر ائمہ دین سے مروی تفسیر ہے۔ تو اس کی تضعیف کا کوئی معنی نہیں ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے طریقہ کار نے اس کی حکایت پیش کی ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مراد تمہارا ایمان پر ثابت قدم رہنا ہے۔ یا تمہارا ایمان منسوخ شدہ قبلے پر۔ اور (لِيُضِيعَ) میں لام کان محذوفہ کی خبر کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ بصریین کی رائے ہے۔ اور فعل کا نصب اس کے بعد ان مضمرہ کی وجہ سے ہے۔ یعنی (ما كان مريدا لان يضيع) اور مبالغۃ فعل مراد لینا نفی کی توجیہ میں نہیں ہے۔ اور کوفیوں نے کہا ہے۔ لام زائد ہے اور وہ فعل کے لئے ناصب ہے۔ اور (لِيُضِيعَ) خبر ہے۔ اور عمل میں یہ معیوب تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ زیادہ حروف جارہ عمل میں معیوب نہیں سمجھے جاتے۔ اور اسی وجہ سے ابو البقاءؒ کا استبعاد۔ یضیع، کے جملہ خبر یہ واقع ہونے کا دفع ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ لام، لام جر ہے۔ اور (و ان) اس کے بعد مطلوب ہے۔ پس تقدیر یوں ہوں گی۔ (ما كان الله اضاعة ايمانكم) تو تاویل کی حاجت پڑے گی۔ اور تم جانتے ہو کہ اس رائے کی طرف کوفی حضرات گئے ہیں۔ اور دوسری جہت سے بعید ہے جو کہ مخفی نہیں ہے۔

---

[45] ۔ ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ :143

[46] ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ سَمِعَ زُهَيْرًا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوْ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ وَهُمْ رَاكِعُونَ قَالَ أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ وَكَانَ الَّذِي مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ قِبَلَ الْبَيْتِ رِجَالٌ قُتِلُوا لَمْ نَدْرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ { وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ } صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولوا امنا باللہ وما انزل الینا، رقم: 4486

(إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ) یہ ماقبل کی مندرجات ہیں۔جو کچھ گزرا ہے۔کیونکہ اللہ کا ان دونوں وصفوں کے ساتھ متصف کرنا ضروری طور اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔کہ اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔اور جس چیز میں اس کا فائدہ ہو ان کو نہیں چھوڑے گا۔اور، ب ، روؤف،کے ساتھ متعلق ہے۔اور رحیم پر اس لئے مقدم کیا گیا۔کیونکہ رافۃ ،رحمۃ میں ایک خاص قسم کا مبالغہ ہے۔اور (رأفۃ) ناپسندیدہ چیز کو رفع کرنا اور ضرر کو زائل کرنا ہے۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ)([47]) یعنی تم ان دونوں کے ساتھ نرمی نہ کرو اللہ کے دین میں،اور رحمۃ ،رأفۃ سے اعم ہے۔اور دفع ضرر جلب منفعت سے اعم ہے۔اور قاضی بیضاویؒ([48]) احوالہ کا کہنا ہے۔کہ شائد ،روؤف، کی تقدیم باوجود اس کے کہ وہ فواصل کی محافظت کے لئے بہت ابلغ ہے،([49]) کوئی چیز نہیں ہے۔کیونکہ قرآن کے فواصل میں سجع کی طرح حرف اخیر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔پس ہر حال میں مراعات حاصل ہیں۔اور ،رحمۃ، جہاں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہے مقدم کی گئی ہے۔اگرچہ غیر فواصل میں ہے۔جیسا کہ قول باری (رَأْفَةٌ وَّرَحْمَةٌ وَّرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا)([50]) آیت کریمہ کے وسط میں ہے۔اور اس مقام میں جوہری کا کلام لغو ہے۔اور اس کی طرف رجوع نہیں کرنا۔اور عصامؒ ([51]) کا قول یہ ہے۔کہ یہ بات بعید نہیں ہے۔کہ کہا جائے کہ، روؤف، اشارہ ہے خاص بندوں کی رحمت کی طرف۔اور الرحیم میں اشارہ ہے۔ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی رحمت کی طرف۔پس ان کی ترتیب کے مطابق ان دونوں کو مرتب کیا گیا۔پس،روؤف ، اپنے متعلق کے شرف اور قدر کے اعتبار سے بڑھنے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا۔اس قول کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔کیونکہ اس پر کتاب، سنت اور استعمال دلالت نہیں کرتا

---

[47] ۔سورۃالنور:2

[48] ۔ عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی، شیرازی،ابوسعید، بیضاوی، قاضی مفسر تھے۔فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں ،بیضاء، میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔تبریز میں 685ھ/1286ء کو وفات پائی۔طبقات الشافعیۃ الکبریٰ،ج5،ص59۔الزرکلی،الاعلام،ج4 ،ص110

[49] ۔ولعله قدم الرؤوف وهو أبلغ محافظة على الفواصل ،بیضاوی،ابوسعید عبداللہ بن عمر الشیرازی،انوار التنزیل واسرار التاویل،(تفسیر بیضاوی)،دارصادر،بیروت،س۔ن،سورۃالبقرۃ:143

[50] ۔سورۃالحدید:27

[51] ۔ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ الاسفرائینی عصام الدین، خراسان کے قریہ اسفرائین میں 873ھ/1468ء کو پیدا ہوئے۔علم تفسیر، نحو اور منطق میں ماہر تھے مختلف کتابیں لکھیں جن میں حاشیہ علی البیضاوی بہت مشہور ہے۔عمر کے آخری ایام میں سمرقند گئے اور وہی 945ھ/1538ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج1،ص66

ہے۔اور نافعؒ (52)،ابن کثیرؒ (53)،ابن عامرؒ (54)اور حفصؒ (55)نے (لَرَؤُوفٌ) مد کے ساتھ پڑھاہے۔اور باقی نے ،نُدْسٍ، کی طرح بغیر مد کے پڑھاہے۔(56)

(قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاء) یعنی بسااوقات ہم تمہارے منہ کا پھیرنا،اور تمہاری نظر کا پھیرنا وحی کی تلاش میں دیکھا کرتے تھے۔اور رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہ بات واقع ہوئی تھی۔اور اپنے رب سے امید رکھتے تھے۔کہ اللہ تعالیٰ اسے کعبہ ہی کی طرف پھیر دے گا۔کیونکہ یہود کہا کرتے تھے۔محمد ﷺ ہماری مخالفت کرتاہے۔اور ہمارے قبلے کی اتباع کرتا ہے۔اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے دادا ابراہیمؑ کا قبلہ ہے۔اور دونوں قبلوں میں مقدم ہے۔اور عرب کو اسلام کی طرف سب سے زیادہ بلانے والا ہے۔اور ظاہری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اپنے رب سے نہیں مانگا تھا۔بلکہ صرف انتظار کرتے تھے۔کیونکہ اگر سوال واقع ہوتا تو اس کا ذکر کرنا ظاہر ہوتا۔پس اس میں آپ ﷺ کا کمال ادب ہے۔قتادہؒ (57)اور سدیؒ وغیرہ نے فرمایاہے۔کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعامیں اوپر کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔کہ اللہ اسے کعبہ کی طرف پھیر دے۔تو اس طرح آپ ﷺ سے سوال واقع ہوا کرتا تھا۔اور ذکر نہیں کیا گیا۔کیونکہ آسمان کی طرف منہ کرنا وہ جو کہ دعا کے لئے

---

52۔نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم اللیثی بالولاء المدنی۔قراء سبعہ میں سے ہیں۔خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔اصبہان سے تعلق تھا۔تاریخ ولادت معلوم نہیں۔تقریباًستّر سال تک مدینہ منورہ میں قرآن مجید پڑھاتے رہے ہیں۔169ھ/785ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ذہبی،ابو عبداللہ محمد بن احمد،معرفۃ القراء الکبار،دار الکتب العلمی،بیروت،س۔ن،ج1،ص241، ترجمہ:47۔الزرکلی،الاعلام،ج8،ص5

53۔عبداللہ بن کثیر،الداری،المکی،ابو معبد۔قراء سبعہ میں سے تھے۔45ھ/665ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔فارسی الاصل تھے۔عطر فروش تھے۔فارسی زبان میں عطر فروش کو،داری،کہتے ہیں اس لیے،داری،کہلائے۔120ھ/738ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ذہبی،معرفۃ القراء الکبار،ج1،ص197 ،ترجمہ:37۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص115

54۔عبداللہ بن عامر بن یزید، ابو عمران، یحصبی، شامی، قراء سبعہ میں سے تھے۔8ھ/629ء کو بلقاء کے نواحی گاؤں، رحاب، میں پیدا ہوئے۔دمشق کو منتقل ہوئے۔ولید بن عبدالملک کے عہد میں دمشق کے قاضی بھی رہے ہیں۔118ھ/736ء کو دمشق میں وفات پاگئے۔ذہبی،معرفۃ القراء الکبار،ج1،ص186،ترجمہ:36۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص95

55۔ابو عمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز الازدی الدوری بغداد میں محلہ الدور میں پیدا ہوئے اس لئے الدوری کہلاتے ہے۔قراءت کے ماہر امام تھے۔آپ مختلف قراءت جمع کرنے والے پہلے قاری تھے۔علم قرات پر قابل قدر تصانیف لکھے ہیں۔246ھ/860ء کو وفات پائی۔الزرکلی، الاعلام،ج2،ص264

56۔ابو عمرو الدانی،التیسیر فی القراءات السبع فی القرآءت السبع،مکتبۃ الرشد،الریاض،1432ھ/2011ء،ص77۔ابو الخیر محمد بن محمد المعروف بابن الجزری،النشر فی القرآءت العشر،دار الکتب العلمیہ،لبنان،س۔ن،ج2،ص223

57۔قتادۃ بن دِعامۃ[بکسر الدال]بن قتادۃ بن عُزَیز[بالتصغیر]ابو الخطاب، سدوسی، بصری، مفسر قرآن اور حافظ حدیث تھے۔مادر زاد اندھے تھے۔لغت، ایام عرب اور انساب کے ماہر عالم تھے۔منکر تقدیر اور مدلس تھے۔61ھ/ 680ء کو پیدا ہوئے اور 118ھ/736ء کو واسط میں طاعون کے عارضہ سے وفات پائی۔ذہبی،تذکرۃ الحفاظ،ج1،ص122۔الزرکلی،الاعلام،ج5،ص189

تھا۔اس کی طرف فی الجملہ اشارہ کرتا ہے۔اور شائد کہ یہ دعا کے لئے اجازت حاصل ہونے کے بعد ہو۔کیونکہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نہیں مانگتے۔کیونکہ ہو سکتا ہے۔کہ اس میں کوئی مصلحت نہ ہو تو ان کی دعا قبول نہیں کی جائی گی۔تو یہ ان کی قوم کے لئے فتنہ ہوگا۔اور اس کی تائید بعض آثار سے ہوتی ہے۔کہ آپ ﷺ نے جبرائیلؑ سے اجازت مانگی کہ وہ اللہ سے دعا کرے۔توانہوں نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کی اجازت دے دی ہے۔اسی طرح ان کے کلام سے مفہوم لیا جاتا ہے۔اور جو میری رائے ہے۔کہ کوئی مانع موجود نہیں ہے دعا مانگنے سے اور تحویل قبلہ کا سؤال کرنے میں جس کی مصلحت کا الہام آپ ﷺ کو کیا گیا تھا۔اور جس کا فائدہ آپ ﷺ سمجھ چکے تھے۔اور یہ اجازت پر موقوف نہیں ہے کیونکہ جس نے نوافل کا قرب حاصل کیا۔تو وہ اس سے مستغنی ہوگا۔تو وہ جس نے فرائض کا قرب حاصل کیا ہو تو وہ کیسے اس طرح ہوگا۔یہاں تک کہ وہ فرائض کے قرب کی وجہ سے اپنے اہل (انبیائے کرام) کا سردار بن گیا۔اور جس نے محبوب کا مرتبہ پہچانا تو وہ آپ کا ہر فعل جو آپ سے صادر ہوتا ہے۔نہایت اکمل شمار کرتا ہے۔ادب کی رعایت کرتے ہوئے۔اور آپ ﷺ کا بعض افعال میں جو آپ ﷺ سے صادر ہوئے تھے۔ان میں اللہ کی طرف سے عتاب آپ ﷺ میں نقصان کی وجہ سے نہیں ہوا۔اور نہ ہی اپنے فعل کے ادب میں خلل ڈالنے کی وجہ سے۔ہر گز ایسا نہیں پھر ہر گز ایسا نہیں۔لیکن کسی مخفی راز کی وجہ سے اور ربانی حکمتوں کی وجہ سے۔جو اس کو سمجھ سکتا ہے۔وہ سمجھ گیا اور جو جاہل رہتا ہے وہ جاہل رہے گا۔کیا نبی کریم ﷺ کی دعا اس صریح حادثہ میں باقی رہ گئی یا نہیں۔ظاہر امر ثانی ہے۔جو ہمارے نزدیک صحیح ہے اخبار ظاہر یہ کے اعتبار سے۔کیونکہ اس میں تحویل سے محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔پس بخاریؒ اور مسلمؒ (58) نے اپنے صحیحین میں روایت کی ہے۔براءبن عازبؓ سے، کہ ہم نے تقریباً سولہ مہینے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی (59)۔پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خواہش جان لی تو (قَدْ نَرَى) نازل ہوئی۔اور آیت میں کوئی ایسی بات نہیں۔جو مذکورہ امرین میں سے کسی ایک پر صریح دلالت کرے۔اور ہر جو اشارہ ہے تو یہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور یہ ایسا ہے جس طرح مخفی ہی نہیں۔اور بعض لوگوں نے (قَدْ) بمعنی تقلیل ٹھہرایا ہے،اس گمان کے ساتھ کہ تقلب کا قلیل ہونا کمال ادب پر دلالت کرتا ہے۔اور یہ اعتراض ہوا کہ جو آسمان کی طرف ایک مرتبہ نظر اٹھاتا ہے تو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی۔اور یہ کہا جاتا ہے

---

58۔ مسلم بن حجاج بن مسلم، قشیری، نیشاپوری، ابوالحسین، 204ھ/820ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔حجاز، شام اور عراق کے سفر کیے۔بہت سے تصانیف لکھیں ہیں جن میں صحیح مسلم نے بہت شہرت پائی ہے۔نیشاپور ہی میں 261ھ 875ء کو وفات پائی۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج5، ص194 ۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج2، ص588 ۔الزرکلی، الاعلام، ج7، ص221

59۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ خَلاَّدٍ جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ - عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِى أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صُرِفْنَا نَحْوَ الْكَعْبَةِ. ،امام مسلم، ابومسلم، مسلم بن حجاج القشیری۔ الصحیح المسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحویل القبلۃ من القدس الی الکعبۃ، دارالجیل، بیروت، 1424ھ/2003ء، رقم:1205

کہ اس نے نگاہ پھیر دی۔ کہ جب اس پر مداومت کرے۔ پس کثرۃ تقلب آیت کریمہ سے خود بخود فہم میں آتا ہے۔ کیونکہ تقلب تقلیب کالازم اور تابع ہے۔اور تکثیر قد کا معنی مجازی ہے یا حقیقی ؟۔اس کی طرف دو قول منسوب ہیں۔ دوسرا قول سیبویہؒ [60] کی طرف منسوب ہے۔اور یہ قلت یا کثرت تقلب کی طرف منقلب ہے۔اور بعض نحاۃ نے ذکر کیا ہے۔ کہ (قَدْ) مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے۔اور اس سے مراد وہ ہے جو یہاں پر موجود ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول( قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ )[61] ( وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ )[62]وغیرہ۔

(فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً) یعنی ہم ضرور تمہیں اس کی طرف منہ کرنے کی قدرت دے دیں گے۔ یہ مستفاد ہے آپ کے قول سے (ولیینه کذا اذاجعلته والیا له) اور اس میں ،ف، ما قبل (جملے) کا ما بعد (جملے) کے سببیت کے لئے ہے۔اور در حقیقت یہ محذوف قسم پر داخل ہے جس پر لام دلالت کرتا ہے۔اور یہ وعدہ قسم کو مضمر رکھنے کے لئے مبالغۃ آیا ہے اس کے واقع ہونے میں کیونکہ یہ مقسم علیہ کے مضمون جملہ کو موکد بناتا ہے۔اور امر سے پہلے اس لئے آیا تاکہ اجابت سے طبیعت خوش ہو جائے۔اور وعدے کو پورہ کرنا لذت اور سرور کا دوبار آنا ہے۔اور اللہ کا قول (تَرْضَاهَا) کا مطلب ہے۔تم اسے پسند کرتے ہو۔اور آپ ﷺ اعراض صحیحہ کی حصول کے لئے اس کی طرف مائل ہوتے تھے۔ جسے تم پوشیدہ رکھتے تھے۔اور اللہ تعالیٰ کی مشئیت اور حکمت (آپ ﷺ کے دلی خواہش) کے ساتھ موافق ہوئی۔اور ،ترضاھا، موضع نصب میں ہے اور قبلہ کے لئے صفت واقع ہو رہی ہے۔ اور اس کو نکرہ اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ اس کے ما قبل کو اس شئی نے جر نہیں دیا ہے جو معہودیت (معلوم ہونے) اور معرف باللام ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔اور لفظ میں ایسا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ ایک معین قبلے کی طلب کیا کرتے تھے۔

(فَوَلِّ وَجْهَكَ) اس میں ،ف، وعدے پر امر کی تفریع اور منہ پھیرنے کی تخصیص کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ منہ پھیرنے کے لئے مدار اور معیار ہے۔اور کہا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد پورہ بدن ہے۔اور (وجه) کے ساتھ کنایہ کیا گیا۔ کیونکہ یہ اشرف الاعضا ہے۔اور اسی کے ذریعے بعض لوگ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ یا ما قبل کی رعایت کے لئے۔اور تولیہ جب متعدی بنفسہ

---

[60]۔ بصرہ کے ممتاز نحوی کا لقب، جن کا اصلی نام عمرو بن عثمان بن قنبر تھا اور کنیت ابو البشر یا ابو الحسن تھی۔148ھ/765ء کو شیراز میں پیدا ہوئے۔ طلبِ علم کے سلسلے میں بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں پر خلیل بن احمد کے شاگرد بنے۔امام ابن دُرید فرماتے ہیں کہ سیبویہ نے 180ھ/796ء کو شیراز میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے۔ ماہرین لسانیات نے سیبویہ کے لقب سے مشہور ہونے کے کئی وجوہ لکھے ہیں مثلاً یہ کہ یہ فارسی کلمہ ہے جو اصل میں سیب بویہ تھا سیب تو مشہور پھل ہے اور بویہ کے معنی خوش بو کے ہیں یعنی سیب کی سی خوشبو۔ابراہیم حربی کا قول ہے کہ چونکہ امام موصوف نہایت حسین و جمیل تھے اور ان کے رخسار سیب کی طرح تھے اس لیے سیبویہ مشہور ہو گئے۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج3، ص465 ۔ ذہبی، سیر الاعلام النبلاء، ج8، ص352

[61]۔ سورۃ النور:64

[62]۔ سورۃ الحجر:97

ہو تمام مفاعیل کی طرف تو گزشتہ دو معنوں میں سے کسی ایک معنی پر مستعمل ہوگا۔اور اگر ایک مفعول کی طرف متعدی ہو تو اس کا معنی صرف پھیرنا ہوگا۔ کسی چیز کی طرف یا کسی چیز سے۔اس صلہ کے اختلاف سے جو کہ مفعول ثانی پر داخل ہوتا ہے اور یہ یہاں پر اسی معنی میں ہے۔ پس وجہ مفعول اول ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا قول (شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) یعنی اس کی طرف جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ یا اس کے قبلہ کی طرف جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ یا اس کے سامنے جیسا کہ حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ ظرف مکان مبہم ہے۔اس کے مفسر کی طرح بنا بر ظرفیت منصوب ہے۔ کیونکہ (فَوَلِّ وَجْهَكَ) کا مؤدیٰ نحو، قبل، اور تلقاء مسجد ہے۔یعنی کہ تم اپنا منہ مسجد کی طرف پھیر دو ایک ہے۔اور امر کو دو مفعولوں کی طرف متعدی نہیں بنایا تا کہ شطر مفعول ثانی ہو جائے۔ جیسا کہ اسی طرح کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا، فا، کے ساتھ مرتب ہونا اور اس کے وعدے کے لئے ہونا۔ اس طور پر کہ اللہ قبلے کی طرف یا قبلے کی جہت کے قریب منہ کرے۔اس طور پر کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے۔ مناسب ہے کہ یہ مامور ہو چہرے کو اس کی طرف پھیرانے کے۔نہ کہ اپنے آپ کو اس کی طرف یا اس کی ایک جہت کے قریب چہرے کرنے کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ مناسب یہی ہے۔ پس ہم ضرور آپ کو حکم دینگے۔ کہ تو پھر جائے۔اور کیونکہ اس وقت سمت کی رعایت واجب ہو گی۔ کیونکہ مسجد حرام قبلہ کی جہت ہے۔ پس جب نبی کریم ﷺ اس بات پر مامور تھے۔ کہ اپنے آپ کو مسجد کی طرف یا مسجد کی جہت کے قریب منہ کرنے والا بنائے۔ تو آپ ﷺ قبلہ کی جہت اور جہۃ الجہت کے قریب کرنے پر بھی مامور تھے۔ بخلاف اس کے کہ، تولیہ، بمعنی (صرف) کے لیا جائے اور شطر ظرف ہے۔اور اس کا معنی بنتا ہے پھیر دو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف اور اس طرف قبلہ کی جہت ہے تو آپ مامور ہوں گے۔ جہت کو مس کرنے اور اس کی طرف پہنچنے پر۔ یہ بعض محققین نے کہا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ شطر حقیقت میں جب کسی چیز سے جدا ہو جائے۔اور بعد میں اس کے ایک جانب میں استعمال کیا جائے۔اور اگر منفصل نہ ہو تو بمعنی بعض شئ کے ہوگا۔اور اس وقت اس کا مفعول ثانی معین ہوگا۔اور اس میں اگرچہ اس وقت جہت کی طرف کی رعایت واجب نہیں ہوتی۔ لیکن اعجاز وعدہ کے ساتھ عدم مناسبت باقی رہتی ہے۔اور یہ کہنا کہ شطر یہاں بمعنی نصف ہے۔ یہ ایسا قول ہے جو صحیح نہیں ہو سکتا۔اور الحرام سے مراد (محرم فیہ القتال) ۔یعنی حرم میں قتال کرنا حرام ہے۔ یا مسجد حرام ظلم کرنے سے ممنوع ہے، کہ وہ اس کی طرف تعرض کرے۔اور اس مسجد حرام کا ذکر کرنا جو کعبہ پر محیط ہے۔ نہ کہ کعبہ باوجود یہ کہ وہ ایسا قبلہ ہے۔ جس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ بعید کے لئے قبلہ کی جہت کی محاذات کافی ہیں۔ اگرچہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا نہ ہو اور یہ فائدہ شطر سے مستفاد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک جماعت نے یہی کہا ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ (فول وجہک شطر الکعبۃ) تو ضرور یہ معنی ہوتا کہ چہرے کو ایسے مکان کی طرف پھیر دو جو کہ کعبہ کی سمت اور محاذات میں ہو۔

اور یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ (63)اور امام احمدؒ کا ہے۔اور اکثر خراسانی شوافع کا ہے۔اور اس کو حجۃ الاسلامؒ (64)نے الاحیاء میں ترجیح دی ہے۔(65) مگر اتنی بات ہے کہ انہوں نے کہاہے۔کہ یہ واجب ہے۔کہ منہ کرنے والے کاارادہ عین کعبہ کی طرف منہ کرناہو۔وہ عین جو اس جہت میں ہے تاکہ قبلہ عین کعبہ ہو جائے اور عراقیوں نے جن میں قفالؒ بھی ہے کہاہے۔کہ عین کعبہ کی طرف نظر پہنچاناواجب ہے۔اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ کعبہ اہل مسجد کے لئے قبلہ ہے اور مسجد مکہ والوں کے لئے قبلہ ہے۔اور یہ مسجد حرم والوں کے لئے قبلہ ہے ۔اور حرم دنیا کا قبلہ ہے ۔ابن عباسؓ کی مرفوع روایت میں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔(66)اور یہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے۔جو کہ حاضر نہ ہو۔اور جو حاضر ہو تو اس پر عین قبلہ کی طرف منہ کرنا بالاجماع واجب ہے۔تواللہ تعالیٰ نے نماز میں منہ کرنایعنی تولیہ کو مقید نہیں فرمایاہے۔کیونکہ اس سے مطلوب اس کے سواکچھ بھی نہیں ہے۔پس ذکر کرنے سے مستغنی ہو گیا۔اور کہا گیاہے۔کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔جب کہ آپ ﷺ نماز میں تھے ۔تواس کے ساتھ متلبس ہونے میں ذکر کرنے سے استغناء حاصل ہوئی۔اور قائل نے یہ استدلال اس سے لیاہے جو قاضیؒ نے غیر کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیاہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔تو آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ مہینے نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے زوال کے بعد رجب میں کعبہ کی طرف منہ پھیرا۔بدر کی لڑائی سے دوماہ پہلے اور مسجد بنو سلیمہ میں اپنے صحابہ کو دو رکعت ظہر کی پڑھائی۔نماز میں پھیرے اور میزاب کی طرف منہ کرکے عورتوں اور مردوں نے اپنے صفوں کا تبادلہ کیااسی وجہ سے یہ مسجد، مسجد قبلتین سے موسوم ہوا۔(67)

---

63 ۔ نعمان بن ثابت، تیمی، کوفہ میں 80ھ/ 699ء کو پیداہوئے۔وہیں پرورش ہوئی۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ صغار صحابہ کے زمانے میں پیداہوئے۔سیدناانس بن مالک جب کوفہ تشریف لائے توآُن کی زیارت ودید کاشرف حاصل کیا۔صحابہ کرامؓ میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔150ھ/767ء کو وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج6، ص390۔الزرکلی،الاعلام، ج8، ص36

64 ۔ محمد بن محمد، غزالی، طوسی،ابوحامد صوفی اور فلسفی تھے۔۔450 ھ/ 1058ء کو طابران میں پیداہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں جن میں احیاء العلوم، تحافۃ الفلاسفہ،المنقذ من الضلال، کیمیائے سعادت اور مکاشفۃ القلوب قابل ذکر ہیں۔اور اسی گاؤں میں 505ھ/1111ء کو وفات پائی۔ نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام و مصر کے سفر کیے۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج4، ص216 ۔الزرکلی،الاعلام، ج7، ص22

65۔ابوحامد محمد بن محمد الغزالی،احیاءعلوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت، 1426ھ/2005ء، ج1، ص166

66۔البیہقی،ابوالمعالی عمر بن عبدالرحمٰن القزوینی، شعب الایمان ،دارابن کثیر، دمشق، 1405ھ/1984ء، ج2، ص9

67۔بیضاوی، تفسیر بیضاوی، سورۃ البقرۃ: 144

جیسا کہ امام سیوطیؒ (68) نے فرمایا یہ تحریف حدیث ہے کیونکہ قصہ بنو سلمہ میں نبی کریم ﷺ امام نہیں تھے۔اور نہ ہی یہ تحویل نماز میں تھی۔امام نسائیؒ (69) نے ابو سعید بن المعلیٰؓ (70) سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایک دن صبح سویرے مسجد کو چلے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔پس میں نے کہا کہ کوئی نیا امر پیش آیا ہے۔ پس میں بیٹھ گیا۔پس نبی کریم ﷺ نے یہ نے یہ آیت (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ) پڑھی۔پس میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ اس سے قبل کہ نبی کریم ﷺ منبر سے اترے دو رکعت نماز پڑھے کہ اول نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جائیں۔ پس ہم دونوں نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نیچے اُترے اور لوگوں کو اس دن کی ظہر کی نماز پڑھائی۔ابو داودؒ (71) حضرت انس رضی اللہ عنہ (72) سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے

---

68۔ عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین،خضیری، سیوطی، جلال الدین، 849ھ/1445ء کو پیدا ہوئے پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف و تحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ 911ھ/1505ء کو وفات پائی۔ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، دار ابن کثیر، بیروت، 1414ھ/1993ء، ج8، ص51۔ الزرکلی، الاعلام، ج3، ص301

69۔ احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار، ابو عبد الرحمن نسائی، قاضی اور حافظِ حدیث تھے۔ خراسان کے نَساء نامی گاؤں میں 215ھ/830ء میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ مصر میں رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں کے مشائخ نے ان سے حسد کرنا شروع کیا اور انہیں رملہ [فلسطین] جانے پر مجبور کیا۔ ایک مسئلے کی وجہ سے انہیں کافی مار کھانی پڑی جس سے وہ بیمار پڑے۔ 303ھ/915ء کو وفات پائی۔ بیت المقدِس میں دفن کیے گئے۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج1، ص77۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج2، ص628۔ الزرکلی، الاعلام، ج1، ص171

70۔ حارث بن نفیع المعلیٰ بن لوذان الانصاری، الزرقی کنیت ابو سعید ہے۔ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے آپ سے کم روایات مروی ہے آخری عمر میں مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے اور وہاں پر خلافت عثمان میں 70 سال کی عمر میں 74ھ کو وفات پائی۔ بعض نے رافع ابن نفیع نام بتایا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ رافع ابن نفیع بدر میں شہید ہوئے تھے۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج2، ص19

71۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر، ابو داؤد، ازدی، سجستانی، اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، ان کی، السنن، صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔ 202ھ/817ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔ 275ھ/889ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج2، ص404۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج9، ص55۔ الزرکلی، الاعلام، ج3، ص122

72۔ انس بن مالک بن نضر، نجاری، خزرجی، انصاری، ابو ثمامہ یا ابو حمزہ بلند رُتبہ صحابی اور رسول اللہ کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد 2286 ہے۔ مدینہ منورہ میں 10ق ھ/612ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں 93ھ/712ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہیں۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج1، ص35۔ الزرکلی، الاعلام، ج2، ص24

یہاں تک کہ کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم آیا۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنو سلمہ کا ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے آواز لگائی جب کہ وہ بیت القدس کی طرف نماز فجر کے رکوع میں تھے۔ کہ خبر دار قبلہ کعبہ کی طرف تبدیل ہو گیا تو رکوع ہی میں وہ کعبہ کی طرف مائل ہوئے۔([73])اور ابی بن کعبؓ ([74])کی قرات میں (تلقاء المسجد الحرام) ([75])اور یہ قراءت (شَطْرَ) میں قول اول کی تائید کرتی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے ۔

(وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) یہ عطف ہے (فَوَلِّ وَجْهَكَ) پر اور وعدہ کو پورا کرنا ہے۔اور فاء اس میں جواب شرط ہے۔کیونکہ جب حیث ماء کافۃ عن الاضافۃ سے ملحق ہو جاتی ہے تو یہ کلم المجازاۃ سے ہو جاتی ہے۔اور امام فراءؒ ([76])اس میں یہ شرط نہیں لگاتا۔([77])اور کان تامہ ہے مطلب یہ کہ جس جگہ میں بھی تم نے اس کو پایا۔اور (وَلُّوا) اصل ولّیوا، تھا۔یا، پر ضمہ ثقیل تھا سو حذف کیا گیا تو التقاء ساکنین آیا اول کو حذف کیا گیا اور یا کی مناسبت کی وجہ سے ضمّہ دیا گیا پس ،فعُوْا، کے وزن پر ہو گیا۔اور عموم حکم کی یہ تصریح سابق سے مستفاد ہے جب خطاب نبی کریم ﷺ کی شان میں عام ہو اور نبی کریم ﷺ سے اختصاص ظاہر نہ ہو اور عموم مکان کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ بعض حضرات اس طرف گئے ہیں اس توہم کو دفع کرتے ہیں۔کہ یہ قبلہ اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے۔اور کہا گیا ہے کہ تولی یہود کے دلوں کو مائل کرنے کے لئے ہے۔اور ان کا یہ گمان تھا کہ ان کے حضور میں یہ مسلمان کبھی بھی اس طرف منہ نہیں پھیریں گے اس میں اشارہ ہے تمام اطراف کی طرف منہ کرنے کو۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیت المقدس کے ہوتے ہوئے بھی کعبہ کو منہ پھیرنا فرض ہے۔اور اسی طرح بیت المقدس

---

[73]۔حدثنا موسى بن إسماعيل ثنا حماد عن ثابت وحميد عن أنس أن النبي صلى الله عليه و سلم وأصحابه كانوا يصلون نحو بيت المقدس فلما نزلت هذه الآية { فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره } فمر رجل من بني سلمة فناداهم وهم ركوع في صلاة الفجر نحو بيت المقدس ألا إن القبلة قد حولت إلى الكعبة مرتين قال فمالوا كما هم ركوع إلى الكعبة ،سنن ابی داود، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب الصلاۃ، باب من صلی لغیر القبلۃ ثم علم، رقم: 1045۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[74] ۔اُبی بن کعب بن قیس بن عبید، نجاری، خزرجی، انصاری، ابوالمنذر ص قبول اسلام سے قبل یہود کے احبار میں سے تھے۔کتبِ سابقہ پر گہری نظر تھی۔کاتبین وحی میں سے تھے۔غزوہ بدر، احد، خندق اور دوسرے غزوات میں شریک رہے۔جنگ جابیہ میں سیدنا عمر کے ہم رکاب تھے۔بیت المقدس والوں کے لیے صلح نامہ آپ ہی نے تحریر کیا تھا۔آپ ص کی مرویات 164 ہیں۔مدینہ منورہ میں 21ھ/642ء کو وفات پائی۔ابن حجر، ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، س۔ن، ج1، ص 19۔الزرکلی، الاعلام، ج1، ص82

[75]۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 144

[76]۔یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ بن منظور الدیلمی، مولی بنی اسد، ابوزکریا المعروف بالفراء، نحو، لغت اور فنون ادب میں اہل کوفہ کے امام ہیں۔کوفہ میں 144ھ/761ء کو پیدا ہوئے۔بغداد منتقل ہوئے۔مامون کے دونوں بیٹوں کے استاذ اور اتالیق رہے ہیں۔207ھ/822ء کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے وفات پائی۔حموی، معجم الادباء، ج20، ص9۔الزرکلی، الاعلام، ج8، ص145

[77] ۔فراء، ابوزکریا یحی بن زیاد الفرآء، معانی القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1422ھ/2001ء، سورۃ البقرۃ: 144

والوں کے لئے بھی تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ بیت المقدس کے ہوتے ہوئے کعبہ کو منہ کرنا ممنوع ہے۔پس سمجھ جاؤاور عبداللہؒ نے،فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبْلَہ ،پڑھا ہے۔([78])

(وَإِنَّ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ)یعنی یہود اور نصاریٰ (لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ) یعنی یہ تحویل اور توجہ جو مفہوم ہے تولیہ سے (الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ) کسی غیر کی طرف سے نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ باطل کا حکم نہیں فرماتے کیونکہ یہ وہ نبی ہے جس کی بشارت تمہاری کتابوں میں دی گئی ہے اور تمہاری تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک شریعت سے دوسری شریعت کی طرف تجاوز نہیں فرماتے۔اور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قبلے میں اشتراک شریعت کی وجہ سے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول خبر دیتا ہے۔(بَلْ مِلَّۃَ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفاً) ([79]) اور اہل کتاب کا اس سے واقفیت جیسا کہ ان کی کتابوں میں ہے کہ آپ ﷺ دو قبلوں کو نماز پڑھیں گے۔اور جملہ (قَدْ نَرَی) پر عطف ہے کہ یہ بیان سابقہ اصل تحویل اور اس کی حقیقت بیان کرنے کے لئے ہے۔اور یا جملہ معترضہ ہے امر کعبہ کو مؤکد بنانے کے لئے (وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ) اور دونوں کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔جو کہ اہل کتاب کے دونوں فریقوں کے لئے وعدے اور وعید کے لئے ہے جو کہ عموم سابق کے تحت اس میں داخل ہیں۔اور دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ عن قریب آتا ہے۔اور ان دونوں کے لئے جن نے چھپایا اور جنہوں نے نہیں چھپایا۔اور ابن عامرؒ، حمزہؒ([80])اور کسائیؒ ([81])کی قراءت میں (تَعْمَلُونَ) تاء کے ساتھ ہے۔([82])تو یہ مؤمنین کے ساتھ وعدہ ہے۔اور کہا گیا ہے کہ قرات خطاب پر ان کے لئے وعدہ ہے۔اور قرات غائب میں اہل کتاب کے لئے مطلقاً وعید ہے۔اور کہا گیا ہے کہ دونوں قراتوں میں ضمیر تمام لوگوں کے لئے ہے تو یہ دونوں فریقوں مؤمنین اور کافرین کے لئے وعد اور وعید ہے ۔

(وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ) عطف ہے (وَإِنَّ الَّذِينَ)([83]) پر کہ ان میں ہر ایک تاکید ہے امر قبلہ کے لئے اور اس کے حق ہونے کا اظہار ہے اور مراد اس موصول (اُولئک) سے کفار ہے دلیل جواب سے اسی وجہ سے مظہر کو مضمر کی

---

78 ۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 144

79۔ سورۃ البقرۃ :135

80 ۔ حمزہ بن حبیب بن عمارہ، الکوفی، قراء سبعہ میں سے ہیں۔80ھ 699ء کو پیدا ہوئے اور 156ھ /772ء کو وفات پائی۔ ذہبی، معرفۃ القراء الکبار، ج1، ص111۔ابن جوزی، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، مکتبہ الخانجی، مصر1351ھ/1932ء، ج1، ص261

81 ۔ علی بن حمزہ بن عبداللہ اسدی بالولاء، کوفی، ابوالحسن، کسائی، لغت، نحو اور قراءت کے امام ہیں۔کوفہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔بڑی عمر میں علم نحو حاصل کیا۔بغداد میں رہائش اختیار کی۔189ھ/805ء کو70سال کی عمر میں، رے، میں وفات پائی۔خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج11، ص403۔۔الزرکلی، الاعلام، ج4، ص283

82 ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص77

83۔ سورۃ البقرۃ:144

جگہ کے آئے۔،اور جو لوگ مقدم کو کفار کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ تو یہ وضع ان کی بری حالت، عناد، پر خبر ہے۔ اس حق کے ساتھ جو کہ ان کی کتاب میں ان کے قول کی نفی کی گئی ہے۔ (بِكُلِّ آيَةٍ) حجت قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ آپ ﷺ کا کعبہ کی طرف منہ کرنا حق ہے۔ اور لام قسم محذوف ہے (مَّا تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ) جواب قسم قائم مقام جواب شرط ہے۔ عین جواب شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ ثابت ہے۔ جب جواب میں قسم مقدم ہو قسم کے لئے نہ کہ شرط کے لئے۔ اگر کوئی مانع نہ ہو تو پھر کیسا ہو گا یہ کہ، فا، کا ترک کرنا ہے۔ ماضی منفی پر فاء کا داخل کرنا تب لازم ہو گا جب یہ شرط کے لئے جزا واقع ہو۔ اور یہ نبی کریم ﷺ کی تسلی ہے ان کے حق سے اعراض کرنے پر۔ اور معنٰی یہ ہے کہ یہ آپ کی (قِبْلَتَكَ) کو کسی شبہ کی وجہ سے ترک نہیں کرتے جو اس کو حجت سے ختم کرے۔ بلکہ یہ آپ کی مخالفت محض عناد اور شدید تکبر کی وجہ سے کر رہے ہیں اور تعلیق بالشرط سے مراد ان کی عدم مطابقت کی بلیغ وجہ سے خبر دینا مراد نہیں بلکہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اصل میں یہ لوگ آپ ﷺ کی تابعداری نہیں کرتے اگرچہ آپ ﷺ ہر قسم کی دلیل پیش کریں۔ پس وہ اشکال دفع ہوئی جو کہا جاتا ہے کہ کیسے حکم کرتے کہ تابعداری نہیں کرتے حالانکہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے۔ اور اس قول سے مستغنی ہیں کیونکہ یہ دو مخصوص قوم ہیں۔ یا حکم سب کو شامل ہے نہ کہ بعض کو کیونکہ یہ ایک ایسا تکلف ہے جس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا ہے۔ اور قبلہ کی اضافت نبی کریم ﷺ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالٰی کی عبادت استقبال قبلہ کے ذریعے کرتے تھے۔

(وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ) آپ ﷺ ایسا نہیں کریں گے اور اس کا ہونا بھی محال ہے۔ پس یہ لفظاً یا معنیً جملہ خبریہ ہے اور امر قبلہ کی حقانیت کی مکمل تاکید کے لئے ہے۔ اور اہل کتاب کی خواہش کو ختم کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ یا محمد ﷺ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آؤ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تابعداری کریں گے۔ یہ ان کی طرف سے دھوکہ تھا۔ اللہ تعالٰی کی لعنت ان پر۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ قبلہ کبھی منسوخ نہ ہو گا اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظاً جملہ خبریہ اور معنًا انشائیہ ہے۔ اور نہی مراد ہے۔ کہ ان کے قبلے کی پیروی نہ کرنا ہمیشہ کے لئے۔ اور قبلہ کو مفرد ذکر کیا اگر قبلے دو ہوتے یہود کے لئے اپنا اور نصارٰی کے لئے اپنا قبلہ تو دونوں باطل میں سے جمع ہوتے تو بطلان کی حیثیت سے دونوں ایک ہوتے اور یہ مقابلہ حسن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے (مَّا تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ) ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ افراد اس پر بناء ہے کہ دونوں جماعت کا اصل قبلہ بیت المقدس ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے مشرقی جانب نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپؑ آسمان پر اُٹھائے گئے اور آپ ﷺ کا قبلہ وہی ہے جو آج کل بنی اسرائیل کا قبلہ ہے۔ پھر اس کے بعد اُٹھایا گیا پھر نصارٰی کے بزرگوں نے مشرق کی طرف استقبال شروع کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو حلال و حرام اور شرعی احکام کا حکم تفویض کیا ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ انہوں نے حلال و حرام ٹھہرایا ہے پس وہ حلال و حرام ہے۔ اور آسمان میں حرام ہے اور انہوں نے ذکر کیا کہ مشرق میں وہ اسرار ہیں جو کسی جانب میں نہیں۔ اور اس لئے مولد مسیح بھی مشرقی جانب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نہ اس قول میں اشارہ کیا ہے۔ (اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اَہْلِہَا مَکَاناً شَرْقِیاً) (84)اور ان کے زعم کے مطابق مسیحؑ نے پھانسی پر چڑھتے وقت مشرق کو منہ کیا تھا۔اور کہا گیا ہے کہ ان کے بعض راہبوں نے ان سے کہا کہ ہماری ملاقات عیسیٰؑ سے ہوئی پس ہم سے فرمایا کہ شمس وہ سیارہ ہے جس سے میں محبت کرتاہوں اور ہر روز میرا سلام اس کو پہنچاؤ پس میرے قوم کی طرف جاؤ کہ نماز میں اس کی طرف توجہ کرے پس قوم نے تصدیق کی اور یہ کام کرنے لگے۔اور اس کی تائید یہ بھی کرتی ہے کہ انجیل میں مشرق کی طرف منہ کرنے کا ذکر موجود نہیں ہے۔اور ابن قیمؒ (85)اس طرف گئے ہیں کہ دونوں جماعتوں کا قبلہ آج تک وحی اور اللہ تعالیٰ کی توقیف سے نہیں تھا۔بلکہ ان کے مشورے اور اجتہاد سے تھا۔نصاریٰ نے اجتہاد کیا اور مشرق کو قبلہ بنایا۔اور رفع آسمان سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام صخرہ کی طرف نماز پڑھتے تھے۔(86)اور یہود بیت المقدس سے باہر اس تابوت کی طرف عبادت کرتے تھے اور جب بیت المقدس آجاتے تو اس تابوت کو صخرہ کے سامنے رکھتے اور اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔پس جب آپ کی رفع ہوئی تو قوم نے صخرہ کی طرف نماز پڑھنے کی اجتہاد کی اور توراۃ میں اس امر کا حکم نہیں ہے۔اور ان میں سے سامرہ نابلس کے قریب طُور کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔جو کہ ملک شام میں ہے۔اور یہ دونوں قول اگر درست مان لیے جائیں۔تو دونوں اقوال پر یہ اشکال آتا ہے کہ ہر ایک قوم کے لئے ایک قبلہ خاص کرنا اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے پس غور کرو۔پھر یہ جملہ پہلے جملے سے نفی میں کئی وجوہ سے ابلغ ہے۔کیونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس میں اسم کا تکرار دو مرتبہ ہے اور اس نفی کو باء کے ساتھ مؤکد کیا اور یہ ما قبل جملہ سے مستغنی کرنے کے لئے کیا۔ (وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ )مطلب یہ کہ یہود نصاریٰ کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے اور نہ نصاریٰ،یہود کے قبلے کی اتباع کرتے ہیں۔ جب تک کہ دونوں نصرانیت اور یہودیت پر قائم ہیں۔اس میں ان کی عناد اور خواہشات کی پیروی کا بیان ہے کیونکہ یہ مخالفت اور عناد آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اپنے درمیان بھی یہ حالت ہے۔اور یہ جملہ ما قبل جملہ پر عطف ہے جو امر قبلہ کی تاکید کے لئے آیا ہے۔اس بیان کے ساتھ کہ اس کا انکار زیادت عناد کی وجہ سے ہے اور آپ ﷺ کے لئے تسلی ہے ۔

(وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم) فرضی طور پر،اور اگر بالفرض والتقدیر نہیں تو پھر ان کے استعمال کے لئے کوئی معنٰی نہیں جو معانی محتملہ کے لئے بعد ثبوت نفی وضع ہوا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔اور اس فرضی مثال سے مقصود ان کی خواہشات کی پیروی اور قبح کا ذکر ہے قطع نظر خصوصیت مُتّبِع اور مُتّبَع کی (مِّن بَعْدِ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ) جو معلوم ہے جس کی آپ ﷺ کی

---

84۔سورۃ مریم:16

85 ۔محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زُرَعی، دمشقی، ابوعبداللہ، شمس الدین، اکثر وبیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی۔691ھ/1292ء کو پیدا ہوئے۔اپنے دور کے بہت بڑے محدّث، مفسر، فقیہ اور متکلم تھے۔امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔751ھ/1350ء کو وفات پائی۔ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین، البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، موسسۃ التاریخ العربی، س۔ن، ج 14، ص 221۔ شوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع، مطبعۃ السعادہ، مصر، 1348ھ/1929ء، ج2، ص 143۔ الزرکلی، الاعلام، ج6، ص56

86 ۔ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر۔بدائع الفوائد، دار الکتاب العربی، بیروت، س۔ن، ج4، ص171

طرف وحی کی جاتی ہے اور قرینہ اس پر مجیٔ الیہ کا اسناد ہے اور ،بعد ما ، سے مراد یہ کہ تمہارے لئے حق ہے ۔ (إِنَّكَ إِذاً لَّمِنَ الظَّالِمِينَ) ظلم فاحش کے مرتکبین میں سے ،اور یہ حکم بھی امر قبلہ کی تقریر ہے۔اور اس میں تاکید اور مبالغہ کی کئی وجوہ ہیں۔ جو کہ قسم ہے،اوران فرضیہ ہے اور لام اس کے لئے لایا گیا ہے۔اوراِنَّ تحقیقی ہے اور لام اس کی جگہ میں ہے اور ، الظَّالِمِينَ کا معرفہ ہونااور جملہ اسمیہ ہونااوراِذَا جزائیہ ہونا اور (الظَّالِمِينَ) جمع کی ترجیح ظالم اور الظالم پر اس فائدہ کے لئے کہ یہ بات ثابت اور محقق ہے کہ یہ ان کی جماعت میں شمار کیا گیا ہے اور ان میں داخل ہے۔اور اتباع جو ہوٰی سے مسمّٰی کی گئی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی بیان نہ تفصیل اور نہ کوئی اجمال نازل ہوا ہے۔اور نفس (الْعِلْمِ) کو آنے والا کہا ہے۔اور اسی طرح ان میں سے شمار کیا گیا جیسا کہ کوئی (الظَّالِمِينَ) میں سے داخل شخص کو شمار کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کی طرح مسلمانوں میں سے شمار نہیں کیا جاتا ہو۔اس بات میں بہت بڑا مبالغہ ہے اس خبر پر کہ آپ (یہود و نصاری)عدل سے ظلم کی طرف اور مرتبہ معلومہ اور معینہ سے جہالت اور غیر معلومہ کی طرف انتقال کریں گے۔اور اگرکُنتَ (كُنتَ عَلَيْهَا) ([87]) میں،صِرتَ،کے معنٰی پر ہو جائے تو پھر افادہ میں اعلیٰ مرتبہ ہوگا۔اور آپ کو پتہ ہے کہ ترکیب استعمال میں مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ مجہولیت کا ۔اور اگر مجہولیت کا تقاضا کرے تو پھر بھی آیت مبالغہ میں مقبول ہے۔اور ان مبالغوں میں امر حق کی تعظیم اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب ہے۔اور اتباع خواہش سے اجتناب ہے۔اور اس میں انبیاء کرام سے گناہ کا صدور بڑی بات ہے۔اور بڑے مرتبے والے لوگوں کے لئے انذار کی تجدید ہے جو اپنے مرتبے کی حفاظت کے لئے اس کی بہت محتاج ہیں۔تو اس قول کو حاجت نہیں کہ خطاب آپ ﷺ کو ہے اور مراد اس سے غیر ہے۔

(الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ) مبتداء اور خبر ہے اور اس سے مراد علماء ہیں کیونکہ ان کے لئے عرفان حقیقی ہے۔اسی لئے ضمیر کی جگہ میں ظاہر کو رکھا اور اس لئے کہ ،أُوْتُوا، وہاں استعمال کیا جاتا ہے جن میں قبول نہ ہو۔و (آتَيْنَا) میں اکثر وہ چیز قبول کی جاتی ہے۔اور جائز ہے کہ موصول بدل ہو موصول اول سے اور یا (الظَّالِمِينَ) سے پس جملہ حال ہوگا (الْكِتَابَ) سے، یاموصول سے۔اور جائز ہے کہ منصوب ہو ،أغني، مقدر کے ساتھ اور یا مرفوع ہو تقدیر، هُمْ،کے ساتھ اور ضمیر(يَعْرِفُونَهُ)رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اگرچہ آپ ﷺ کا ذکر پہلے نہیں ہوا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے (كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ) آپ ﷺ کی معرفت کی تشبیہ ان کی اولاد سے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مراد آپ ﷺ ہی ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ مرجع پہلے بطریقہ خطاب صریحی طور پر مذکور ہے پس اس کے لئے تقدیم معنوی کا اعتبار نہیں (غاية الامر) یہاں پر ایذان کے لئے غیبت کی طرف التفات ہے۔یہ مراد نہیں کہ ذات اور نسب ظاہرہ کے طور پر پہچان ہو بلکہ ان کی کتاب میں نبی کریم ﷺ کی تعریف لکھی ہوئی تھی جس کا فہم اس پر لازم ہے۔اور من جملہ اس میں سے قبلتین کی طرف نماز پڑھنا ہے جیسا کہ فرمایا (الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ) کتاب،اس کو پہچانتے ہیں جس کا ہم نے اس میں وصف بیان کیا

[87]۔سورۃالبقرۃ:143

ہے۔اور جواب دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اگرچہ بار بار مخاطب کیا گیا ہے جس میں شان قبلہ کا بیان ہے لیکن آپ ﷺ کی طرف ضمیر راجع کرنا احسن نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ معترضہ ہے امر قبلہ کے ذکر کے بعد لایا گیا ہے۔اور اس کا ظہور اہل کتاب کے نزدیک طعن کے ساتھ بہت واضح ہے ،اسی وجہ سے عطف نہیں کیا۔اور اگر مذکور کی طرف ضمیر راجع کرتا تو ایک قسم اتصال کا وہم پیدا ہوتا اور یہ اچھا نہیں لگتا۔اور اس بات تک پہنچنے کی دلیل (وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ) ([88])ہے۔یہ بات درست ہے۔لیکن اگر کہا جائے کہ مجرد جواز میں کچھ پرواہ نہیں کیونکہ یہ احتمال رکھتا ہے۔اور ظاہری اور عمدہ نظر سے یہی مراد ہو۔اور کہا گیا ہے کہ ضمیر علم کو راجع ہے جو اس قول میں مذکور ہے (مِّن بَعْدِ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ) ([89]) اور یا قرآن کو راجع ہے اس دعٰوی کے ساتھ کہ اس کا حضور ذہن میں ہے۔اور یا راجع ہے تحویل کو جس پر کلام سابق دلالت کرتا ہے۔اور یہ تحویل کو راجع کرنا تشبیہ اس سے انکار کرتا ہے کیونکہ تشبیہ شئی میں مناسب یہ ہے کہ یہ اس کی جنس سے ہو۔تو نظر بلاغت میں یہ ثابت ہے کہ جس طرح توراۃ اور صخرہ کو پہچانتے تھے۔اور (اہل الکتاب) کی تخصیص اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ معرفت کتاب سے حاصل ہوئی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صفت کا خبر توراۃ اور انجیل میں دی ہے۔بخلاف مذکورہ اشیاء کے کیونکہ ان دونوں کا ذکر توراۃ اور انجیل میں نہیں ہے۔ اور کاف محل نصب میں ہے باوجود اس کے کہ یہ صفت ہے مصدر محذوف کے لئے (يَعْرِفُونَهُ) اوصاف مذکورہ کے ساتھ جو کہ (الْكِتَابَ) میں ہے کہ آپ سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ان پر آپ کی پہچان متلبس نہ ہو جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور یہ تشبیہ معرفہ عقلیہ ہے جو کہ معرفت حسی کی طرح اسمانی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے کہ ان دونوں میں سے اشتباہ متعذر ہے۔اور ابناء سے مراد مذکر ہے کیونکہ ان کی اکثر مباشرت و معاشرت آباء کے ساتھ ہوتی ہے اور بنات کے مقابلہ میں ان سے قلوب زیادہ پیوست ہوتے ہیں۔تو ان کی شخصیات میں اشتباہ ابعد ہے۔اور معرفت ابناء سے تشبیہ دینا اپنے نفس سے تشبیہ دینے سے زیادہ مؤکد ہے۔جیسا کہ انسان پر طفولیت کا ایک زمانہ گزرتا ہے جس میں وہ اپنے نفس کے بارے میں نہیں جانتا بخلاف ابناء کے کیونکہ ان پر ایسا زمانہ نہیں گزرتا جن کو وہ جانتا نہ ہو۔اور عبد اللہ بن سلامؓ ([90]) سے حکایت ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں۔میں آپ ﷺ پر اپنے بیٹوں سے زیادہ عالم ہوں ۔

---

[88]۔سورۃ البقرۃ:148

[89]۔سورۃ البقرۃ:145

[90]۔عبد اللہ بن سلام بن حارث ،ابو یوسف ، صحابی ہیں۔اسلام سے قبل بہت بڑے اسرائیلی عالم تھے۔ہجرتِ مدینہ کے سال اسلام قبول کیا ُان کا نام حصین تھا۔رسول اللہ نے اُسے عبد اللہ سے بدل دیا۔فتح بیت المقدس اور فتح جابیہ میں سیدنا عمر کے ہمراہ تھے۔سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے زمانہ میں لکڑی کی تلوار بنائی اور کسی بھی فریق کے ساتھ شریک نہیں ہوئے۔43ھ/663ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ابن عبد البر،الاستیعاب، ص460، ترجمہ،1585۔،الزرکلی،الاعلام ج4، ص90

توحضرت عمرؓ (91)نے فرمایاوہ کیسے ؟فرمایا مجھے محمدﷺ کی نبوت میں کوئی شک نہیں اور ہر چہ میر اولد ہے شائد کہ اس کی والدہ نے خیانت کی ہو۔پس عمرؓ نے اسکے سر کو چوما۔(92)پس معنٰی یہ ہوا کہ مجھے نبی کریمﷺ کی نبوت میں کوئی شک نہیں اور جو میر ابیٹا ہے اس کے بنوت میں شک ہے اگرچہ اس کے پہچاننے میں نہیں اور یہ مشبہ بہ ہے۔اور یہ توہم نہ کیا جائے کہ معرفت ابناء مستحق نہیں ہے کہ اس سے تشبیہ دی جائے کیونکہ یہ مشبہ سے کم ہے۔۔اوراس قول کی ضرورت نہیں کہ مشبہ بہ کا مشہور ہونا وجہ شبہ میں کافی ہوتا ہے۔اگرچہ اقوی نہ ہو اور بیٹوں کی معرفت دوسروں سے معروف اور اشہر ہوتا ہے۔اور نہ اس تکلف حاجت ہے کہ مشبہ بہ کی اضافت ابناء کو مطلقا ہے خواہ حقیقی ہو یا نہ ہو۔اور جو ابن سلام نے نقل کیا ہے کہ حقیقت میں اس کے بیٹے ہو۔( وَ إِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ ) اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے ہیں (لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ) جو پہچانتے ہے (وَ هُمْ يَعْلَمُونَ) جملہ حالیہ ہے اور (يَعْلَمُونَ) بہ منزلہ لازم ہے اور اس میں کتمان حق پر کمال شناعت ہے اور یہ اہل علم کے ساتھ لائق نہیں۔اور یا یہاں مفعول محذوف ہے یعنی (يَعلَمُونَہ) پس حال مؤکدہ ہوا۔کیونکہ لفظ (لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ) ان کے علم پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ کتم معلوم چیز کا چھپانا ہے۔اور یا کتمان کی سزا کو جانتے ہیں۔اور یا(يَكْتُمُونَ)جملہ مبینہ ہے۔اور یہ جملہ ما قبل پر عطف ہے عطف خاص علی العام ہے۔اور اس عطف کا فائدہ معاندین اور کاتمین کو ذم کے ساتھ خاص کرنا ہے۔ اور ان لوگوں سے استثناء ان لوگوں کی ہیں جو ایمان لے آئے اور بجائے حق کے چھپانے کو اپنے علم کو ظاہر کیا اور حق کا بیان کیا۔

---

[91] ۔عمر فاروق بن خَطّاب، قرشی، عدوی، کنیت ابو حفص تھی اور لقب فاروق۔مکہ معظمہ میں 40 قبل ہجری/584ء کو پیدا ہوئے۔خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔سب سے پہلے ان کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا۔جلیل القدر صحابی تھے۔نہایت شجاع ٬جری اور بہادر تھے۔نوجوانانِ قریش میں سے تھے۔13ھ کو خلیفہ چنے گئےان کی عدالت ضرب المثل ہے٬ ان کے دور خلافت میں شام، عراق،بیت المقدس، مدائن، مصراور جزیرہ فتح ہوئے۔بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔سن ہجری کی ابتدا آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔آپ سے 537احادیث روایت کی گئی ہیں۔23ھ/644ء کو رحلت کر گئے۔نماز جنازہ سید ناصہیب بن سنان رومی نے پڑھایا۔ ابن عبد البر،الاستیعاب، ج4، ص 588۔الزرکلی، الاعلام، ج5، ص45

[92] ۔ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، معالم التنزیل المعروف بتفسیر البغوی، دار الطیبہ للنشر والتوزیع،الریاض، 1431ھ/2010ء، سورۃ البقرۃ:146

# فصل دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 147تا150کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ 147 وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُواْ الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُواْ يَأْتِ بِكُمُ اللّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ 148 وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ 149 وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلاَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنْهُمْ فَلاَ تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ 150

ترجمہ:(اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہر گز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔147اور ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں ہوگے اللہ تم سب جمع کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔148اور تم جہاں سے نکلو (نماز میں) اپنے منہ مسجد محترم کی طرف کر لیا کرو۔ بے شبہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔149اور تم جہاں سے نکلو مسجد محترم کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کرو۔اور مسلمانوں تم جہاں ہوا کرو اسی (مسجد) کی طرف رُخ کیا کرو (یہ تاکید) اس لئے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دیں سکیں۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں) سوان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو150 ۔

(الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ) کلام استنافیہ ہے۔اس سے کتمان کرنے والوں کی تردید مراد ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کے امر کی تحقیق مراد ہے اس لئے جدا ذکر کیا۔اور (الْحَقُّ) یا تو مبتداء ہے اور اس کی خبر جار ہے۔اور لام اس میں تو یا عہدی ہے اشارہ ہے اس میں کہ جس پر نبی کریم ﷺ آیا ہے اس لئے لفظ ظاہر سے ذکر کیا۔اور یا وہ حق جو ان لوگوں نے چھپایا اور اس میں حقیقت اور اثبات کو ثابت کرنے کے لئے موضع مضمر میں وضع مظہر ہے۔اور یا جنسی ہے جو کہ قصر جنس کا فائدہ دیتا ہے۔(الْحَقُّ) جو اللہ کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ جس پر آپ ﷺ ہے اس کی طرح نہیں جس پر اہل کتاب ہیں۔اور یا مبتداء محذوفہ کے لئے خبر ہے هو الحق اور یا هذا الحق ہے۔اور (مِن رَّبِّكَ) خبر بعد الخبر ہے۔اور یا حال مؤکدہ ہے اور لام یہاں پر جنسی ہے جیسا کہ (ذٰلِکَ الْكِتَابُ) ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ جو کچھ انہوں نے چھپایا وہ حق ہے نہ وہ جس کا وہ دعویٰ اور زعم کرتے ہیں۔اور یہاں پر عہدی کے لئے کوئی معنیٰ نہیں تکرار کی وجہ سے اور پھر تکلف کو ضرورت پڑے گی۔اور حضرت علیؓ نے (الْحَقَّ) کو منصوب پڑھا ہے۔([93])اس لئے کہ (يَعْلَمُوْنَ) ([94])کا مفعول ہے یا اس سے بدل ہے۔اور (مِن رَّبِّكَ) اس سے حال ہے۔اور اس سے پہلے کی مغایرت حاصل ہوتی ہے اگرچہ لفظاً متحد ہو۔اور نصب بھی جائز ہے فعل مقدر ،اَلْزِمْ ۔ کی طرح اور صفت رب کو اضافت کے ساتھ ذکر کرنا آپ ﷺ پر لطف کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ) شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا جو کہ حق کو باوجود علم کے چھپاتے ہیں۔اور اس کی اللہ تعالی کی طرف سے

---

[93]۔الفیومی،القرآءت الشاذہ،ص10

[94]۔سورۃالبقرۃ:146

ہونے میں شک کرنے والا نہ ہو۔اور اس سے مراد نہی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو منع کرنا ہو کیونکہ نہی اس چیز سے ہوتی ہے جس کا وقوع ممکن ہو۔اور یہ رسول اللہ ﷺ سے متوقع نہیں۔تو پھر نہی کا کوئی فائدہ نہیں۔اور اس لئے کہ مکلف بہ میں واجب ہے کہ فعل اختیاری ہو۔اور شک قصد و اختیار سے حاصل نہیں ہوتا۔بلکہ یہاں پر مراد ثبوت امر ہے اس حیثیت سے کہ کوئی اس میں شک نہ کریں۔اور یا حکم ہے امت کو ان معارف کی تحصیل پر جو زائل کرنے والا ہو منہی عنہ کو تو اس صورت میں یہ نہی مجازاً ہو گا۔اور امت کا شک نبی کریم ﷺ کا شک گرداننا اس میں مبالغہ ہے جو مخفی نہیں ہے۔اور آپ کے لئے جائز ہے کہ شک اور مثل شک اگرچہ مقدور التحصیل نہیں ہے لیکن اس کی بقاء کا ازالہ کرنا قدرت میں ہے۔اور شائد کہ یہ نہی اس اعتبار سے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے واحد کی بجائے جمع کا ذکر کیا۔اور جس نے گمان کیا ہے کہ منشاء اعتراض اس کام کا بڑا ہونا ہے جو کسی کی قدرت میں نہیں ہو۔شک اور تردد نہیں تو یہ بات درست نہیں۔

(وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ) کہ ہر ملت و مذہب والوں کے لئے، جماعت مسلمین، یہود و نصاریٰ یا مسلمانوں کی ہر قوم کے لئے جہت اور جانب ہے کعبہ کی جس کی طرف وہ نماز پڑھتے ہیں۔خواہ جنوبی، شمالی، مشرقی یا مغربی ہو۔اور، کل، کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔اور وجہۃ اپنی اصل حالت ہے۔اور قیاس یہ ہے کہ، جِہَۃٌ ، عِدَۃٌ اور زِنَۃٌ کے وزن پر آتا۔اور یہ مصدر ہے متوجہ الیہ کے معنیٰ پر جیسے خلق بہ معنیٰ مخلوق ہے۔اور یہ محذوف الزوائد ہے۔کیونکہ فعل تَوَجَّہٌ یا اِتَّجِہْ ہے اور مصدر تَوَجُّہْ یا اِتِجَاہْ ہے۔اور اس میں ،وَجْہٌ،وَعْدٌ کی طرح استعمال نہیں ہوا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ کہ یہ اسم مکانی ہے متوجہ الیہ کے لئے پس واو کا ثبوت شاذ نہیں ہے۔اور ابی بن کعبؓ کی قرات میں، وَلِكُلٍ قِبْلَۃٌ ، ہے[95] (هُوَ مُوَلِّيهَا) اور ضمیر مرفوع اعتبار لفظی سے ،کُلْ ، کی طرف راجع ہے۔اور مفعول ثانی وصف محذوف کی طرف جو کہ ،وَجہہ، یا،نَفْسَہٗ ، ہے۔مطلب یہ کہ اس کی طرف استقبال کیا جائے۔اور یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔یعنی اَللّٰہُ مُوَلِّيهَا اِيَّاہُ۔ابن ابی حاتمؒ [96] نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان کی قرات میں (وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ) اضافت کے ساتھ ہے۔اور اس روایت کی تخریج بہت مشکل ہے یہاں تک کہ بعض نے اس کا رد کیا ہے۔اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔اور بعض سے روایت ہے کہ، كُلْ ،اصل میں منصوب تھا کیونکہ یہ عامل محذوف کے لئے مفعول بہ ہے جسکی تفسیر (مُوَلِّيهَا) ہے اور ضمیر (هُوَ) قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔پھر مفعول بہ صریحی میں عامل مقدرہ میں ضعف کی وجہ سے دو جہتوں سے لام کا اضافہ کیا گیا۔اسم فاعل اور معمول علیہ کی تقدیم۔اور دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی،لِكُلِّ وِجْهَةُ اَللهِ مُوَلِّیِ مُوَلِّيْهَا۔اور تردید کی گئی ہے اس بات

---

95۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:148

96۔ عبدالرحمن بن محمد ابو حاتم بن ادریس بن منذر، تمیمی، حنظلی، رازی، ابو محمد، رے، میں 240ھ/854ء کو پیدا ہوئے۔کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔رجالِ حدیث کے ماہر عالم تھے۔327ھ/938ء کو وفات پائی۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج 3، ص 729۔الزرکلی، الاعلام ج 3، ص 324

کی کہ دونوں مفعولوں کے ایک مفعول میں لام تقویہ کا اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔کیونکہ یا تو زیادتی آخر میں ہو اور ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔اور یا نہیں ہو پس ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ نحوی اس کے مطلق جواز کے قائل ہیں۔اور ترجیح بلا مرجح یہاں پر دفع ہے۔کیونکہ یہ ترجیح تقدیم کے ساتھ ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مجرور معمول ہے وصف مذکور کے لئے جو کہ مفعول بہ ہے اور لام زائد ہے۔اور یا یہ کلام اشتغال بالضمیر کے باب سے ہے۔کہ یہاں پر لفظ صریحی سے اعراض کرکے ضمیر پر اکتفاء کیا اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ دونوں توجیہ محتاج بیان ہے۔اول یہ کہ دونوں تخریج میں سے ایک تخریج ضمیر مجرور وصفی تولیہ کی طرف راجع ہو جائے اور مفعول مطلق بن جائے۔ھٰذا سراقة للقرآن یدرسہ، کی طرح([97])۔تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ صفت مع اشتمال ضمیر کے کیسے عمل کرتا ہے۔اور دوسری تخریج اس قول کی طرف محتاج ہے کہ کبھی کبھار مجرور باب اشتغال سے آتا ہے ان لوگوں کی قراءت کی رو سے جنہوں نے (وَالظّٰا لِمِیْنَ اَعَدَّ لَہُمْ) ([98])پڑھا ہے۔اس میں قول یہ ہے کہ لام اصلی ہے اور حرف جار متعلق ہے صَلُّوْا محذوف کے ساتھ اور یا فَاسْتَبِقُوْا کے ساتھ۔اور ،فَاسْتَبِقُوْا، میں فاء زائدہ کا قول بعید ہے۔بلکہ میں تو اس کی اجازت ہی نہیں دیتا۔اور ابن عامرؒ کی قرات اسم مفعول کے صیغہ کے ساتھ ،مَوْلَاھَا، ہے۔([99]) اور اسی طرح ابن عباسؓ سے بھی روایت کی گئی ہے۔مطلب یہ کہ اسی کی طرف تمہارا جہت ہے۔پس ضمیر مرفوع یہاں پر کُلٌ کی طرف راجع ہے۔اور فساد معنٰی کی وجہ سے اللہ کو راجع کرنا جائز نہیں۔ابن جریرؒ([100])اور ابن ابی داودؒ ([101])

---

[97] ۔ابن الشجری، ابوالسعادات ھبۃاللہ بن علی الحسنی، الامالی، مکتبہ دار العلم، بیروت، س ن، ج2، ص91

[98] ۔سورۃالانسان: 31

[99] ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص77۔ابن الجزری، النشر فی قرات العشر، ج2، ص322

[100] ۔ محمد بن جریر بن یزید طبری، ابوجعفر، مؤرخ و مفسر اور امام تھے۔224ھ/839ء کو، آمل طبرستان، میں پیدا ہوئے۔بغداد میں سکونت پذیر رہے اور وہیں 310ھ/923ء کو وفات پائی۔غایۃالنہایۃ، ج2، ص106، الزرکلی، الاعلام، ج6، ص69

[101] ۔ عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ازدی سجستانی ابو بکر بن ابی داود۔بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔مفید کتابیں لکھیں۔اپنے زمانے میں اہل عراق کے امام تھے۔230ھ/844ء کو سجستان میں پیدا ہوئے۔اپنے والد محترم کی معیت میں حصول علم کے لیے طویل سفر کیے۔مصر و شام کے شیوخ سے اکٹھے استفادہ کیا، آخری عمر میں نابینا ہو چکے تھے۔316ھ/929ء کو بغداد میں وفات پائی۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج 2، ص 767، ترجمہ: 768۔الزرکلی، الاعلام، ج4، ص91

نے مصاحف (102)میں منصورؒ (103)سے روایت کی ہے فرمایا کہ ہم پڑھتے ہیں۔وَلِكُلٍ جَعَلْنَاقِبْلَةً يرْضَوْنَهَا اورہر ایک کے لئے قبلہ مقرر کیاہے جس پر وہ راضی ہے۔(104)

(فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ) جمع ہے خیرۃؓ کی تخفیف کے ساتھ اور ایک چیز سے زائد یافضیلت کو کہتے ہیں۔اور اعتبار خصلت کی وجہ سے تانیث لائی گئی ہے۔اور لام استغراق کے لئے ہے تاکہ اس کی شمولیت امر قبلہ وغیرہ کے لئے عام ہو جائے۔اور خطاب مؤمنوں کو ہے۔اور سبقت متعدی ہے جیساکہ ،تاج، میں ہے۔اور کسی نے کہاہے کہ لازم ہے اور اس کے بعد اِلٰی مقدر ہے۔تو مطلب یہ ہوا جب ایساہے تو اے مؤمنوں جلدی کرو اس میں سے جس سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے استقبال قبلہ وغیرہ۔اور ان سے تنازعہ نہ کرو جو تمہارا مخالف ہو جب قبلہ واحد پر جمع ہونے کا کوئی راستہ اور طریقہ نہ ہو۔کیونکہ ہر قوم کے اپنے قبلے کی طرف منہ کرنے کی عادت جاری و ساری ہے۔اور اس میں مومنوں کو حکم ہے کہ اپنے مابین تسابق کی طلب پیدا کریں۔جیساکہ سعدؒ(105)نے فرمایاہے اور یہ دلالت کرتاہے غیر (اہل کتاب) سے سبقت پر بطریقہ اولی۔اور کہاگیاہے کہ بعض کا سبقت پر اقتصار میں اشارہ ہے کہ غیر تو طریقہ خیر پر نہیں ہیں جن میں سے کسی ایک پر سبقت کا تصور کیاجائے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ لام عہدی ہو جائے تو خیرات سے مراد جہتوں کی فضیلت جو کعبہ کے مساوی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف نماز کرنا جہت کعبہ سے زیادہ ثواب رکھتاہے۔اور یہ احتمال بھی ہو سکتاہے کہ اس سے مراد نفلی نماز ہو۔ اور استباق سے مراد اس میں تیزی اور سرعت ہے اور اول وقت میں قائم کرناہے۔اور اس میں یہ قول بعید ہے جیساکہ کہاگیاہے کہ اپنے قبلہ میں سبقت کرو اور اس کی تعبیر خیرات سے کی گئی ہے کہ اس میں ہر چیز کی شمولیت کا اشارہ ہے۔

---

102 ۔حدثنا عبد الله حدثنا يوسف بن موسى قال :سمعت جريرا يقول :سألت منصورا عن قوله تعالى: ولكل وجهة ،هو موليها،فقال:نحن نقرأ:ولكل جعلنا قبلة يرضونها بالياء،ابن ابی داود،ابو بکر عبداللہ بن سلیمان بن اشعث سجستانی،المصاحف،دار الکتب العلمیہ،بیروت،1423ھ/2002ء،رقم:144

103۔ابو عثمان،سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی المکی،حافظ حدیث تھے۔علم تفسیر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔خراسان میں پیدا ہوئے۔اور پھر مکہ مکرمہ چلے گئے۔مکہ مکرمہ میں 217ھ/830ء میں وفات پائی۔امام بخاری،تاریخ کبیر،دار التراث،قاہرہ،1397ھ/1977ء،ج2، ص358

104 ۔ابن جریر،تفسیر طبری،سورۃ البقرۃ: 148

105۔ مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی،سعد الدین،عربیت،بیان اور منطق کے ماہر عالم تھے۔خراسان کے تفتازان نامی گاؤں میں 712ھ/1312ء کو پیدا ہوئے۔سرخس میں اقامت پذیر رہے۔تیمور لنگ نے اُنہیں سمرقند جلاوطن کیاجہاں 793ھ/1390ء کو وفات پائی۔سرخس میں دفن کیے گئے۔الزرکلی،الاعلام،ج7،ص319

شوافع نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد اول وقت میں افضل ہے۔اور یہ مسئلہ فروعیات میں سے ہے۔اور بعض عارفین کے لئے اس میں دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے انسانوں کو امور دنیاوی اور اخروی کے لئے احوال مختلفہ پر پیدا کیا ہے۔پس بعض کو دوسروں کے لئے مدد گار بنایا ہے۔پس ایک بوتا ہے۔دوسرا گوندھتا ہے اور تیسرا پکاتا ہے۔اور اسی طرح امر دین بھی ہے۔ایک حدیث جمع کرتا ہے،دوسرا فقہ حاصل کرتا ہے۔اور کوئی اصول کی طلب کرتا ہے۔اور یہ ظاہر میں اختیار رکھتے ہیں۔اور باطن میں مسخّر کئے گئے ہیں۔اور اس میں نبی کریم ﷺ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔كُلٌّ مُيَسِّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ ہر ایک کے لئے آسان بنایا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔([106])اور بعض صلحاء سے جب لوگوں کے مختلف امور کے متعلق سوال کیا گیا۔تو انہوں نے فرمایا۔تمام طرق اللہ کے لئے ہیں اور بندوں کی تعمیر و اصلاح کرتا ہے۔اور جو کوئی اللہ کی رضا کی خاطر جس راستے پر چل پڑا اسے وہ پہنچ جائے گا۔لیکن ان راستوں میں احسن کی کوشش مناسب ہے۔لیکن اس میں مراتب اور کام مختلف ہیں۔اور مظاہر اسماء پھیلے ہوئے ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے قبلہ ہے،پس مقربین کے لئے عرش قبلہ ہے۔اور روحانیین کے لئے کرسی ہے۔اور فرشتوں کے لئے بیت المعمور ہے۔اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے لئے بیت المقدس اور آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ ہے۔اور یہ آپ کے جسد کا قبلہ ہے۔اور آپ ﷺ کی روح کا قبلہ میں ہوں۔اور میرا قبلہ تُو ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔،انا عند المنکسرہ قلوبہم من اجلی۔میں انہی لوگوں کے ساتھ ہوں گا جن کے قلوب میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔([107])

(أَيْنَ مَا تَكُونُواْ يَأْتِ بِكُمُ اللّهُ جَمِيعًا) اَيْنَ ظرف مکان ہے اور متضمن ہے معنٰی شرط کو۔اور (مَا) زائدہ ہے اور (يَأْتِ)اس کا جواب ہے۔مطلب یہ کہ کسی بھی جگہ جو آپ کی طبائع کے موافق ہو جیسے زمین اور یا مخالف ہو جیسے آسمان یا مجتمع الاجزاء ہو جیسے پتھر یا مختلف الاجزاء جو اس میں ہیں خلط ہو جیسے ریت،تو اللہ تعالی آپ سب کو تمہارے اعمال کی جزاء کے لئے جمع کرے گا۔پس نیکی کرنے والوں کے لئے جزاء خیر ہو گی اور شر کرنے والوں کے لئے جزاء شر ہو گی۔اور یہ جملہ تعلیلیہ ہے ما قبل کے لئے۔اور اس میں استباق کے لئے ترغیب اور ترہیب ہے۔اور یہ اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرح ہے (يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ

---

[106]۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ يَزِيدُ حَدَّثَنِي مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فِيمَا يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ قَالَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، صحیح بخاری،کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،باب قول اللہ تعالی ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر،رقم:7551

[107] ۔(أنا عند المنكسرة قلوبهم من أجلي) قال في المقاصد ذكره في البداية للغزالي،وقال القاري عقبه :ولا يخفي أن الكلام في هذا المقام لم يبلغ الغاية .قلت وتمامه "وأنا عند المندرسة قلوبهم لأجلي "ولا أصل لهما في المرفوع ،العجلونی،اسماعیل الشافعی،کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس،دار العلم،بیروت،س۔ن،ج1، ص234

تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ)([108]) مطلب یہ کہ تم جس جگہ پر ہوزمین کی گہرائیوں میں یا پہاڑ کی چوٹیوں پر اللہ تعالیٰ آپ کی ارواح کو اپنی طرف قبض کرے گا۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے۔(اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْ یُدْرِکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃً)([109]) اور اس میں اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھی جائے۔کیونکہ موت کسی ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔اور یا (أَیْنَ مَا تَکُونُوا) جہات مختلفہ اور متقابلہ میں سے دائیں یا بائیں مشرق میں یا مغرب میں۔تو اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو اختلاف جہات کے ساتھ متحد الجہت میں ٹھہرائے گا۔گویا کہ وہ عین کعبہ کو ہے یا مسجد حرام میں ہے۔پس (یَأْتِ بِکُمُ) مجاز ہے نمازوں کو متحد الجہت سے ٹھہرانا۔اور جملہ معللہ کا فائدہ استباق حکم دینا ہے۔اور بعض ان میں سے جنہوں نے کہا کہ اِسْتَبِقُوْا میں خطاب عام ہے مؤمنوں اور کافروں کو۔اور یا خاص ہے مؤمنوں تک۔تو بناء بر قول اول یعنی عام ہونے کی صورت میں یہاں مراد عموم ہوگا مطلب یہ کہ کسی بھی جگہ تم ہو خواہ وہ موافق حق ہو یا مخالف ہو۔اور بناء بر قول ثانی مطلب یہ ہوگا کہ اے مومنوں جہات متقابلہ میں جس جہت یعنی مشرق، مغرب، شمال یا جنوب کو کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھتے ہو تو یہ ایک جہت میں ہے کیونکہ یہ تمام ایک جہت میں متحد ہیں۔جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (إِنَّ اللّٰہَ عَلَی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ ) اور اسی سے اپ کی اماتت، احیاء اور جمع کرنا ہے۔اور یہ جملہ ما قبل کے لئے تاکید ہے۔

(وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) عطف ہے۔(فَاسْتَبِقُوْا) ([110]) پر اور (وَحَیْثُ) ظرف لازم الاضافت ہے جملہ کو غالباً۔اور عامل اس میں وہ ہے جو محل جزاء میں ہے شرط عامل نہیں ہے۔پس یہ یہاں فَوَلِّ کے متعلق ہے۔اور فاء تنبیہ کے لئے صلہ ہے۔کہ مابعد ما قبل کے لئے لازم ہے، لزوم الجزاللشرط کی طرح۔کیونکہ حَیْثُ اگرچہ شرطیہ نہیں ہے۔لیکن دلالت کرتا ہے عموم پر اور اس وجہ سے کلمات شرط کے مشابہ ہوا۔تو اس میں شرط کی آمیزش ہے۔اور اس کا تعلق خَرَجتْ کے ساتھ لفظاً جائز نہیں ہے۔اگرچہ اس کے لئے معناًظرف ہے۔تاکہ عدم اضافت لازم نہ ہو۔اور اس کا معنٰی یہ ہے کہ تو جہاں سے بھی نکلے تو اپنے منہ کو اسی مقام سے کعبہ کی طرف پھیر لو۔اور (وَمِنْ) ابتدائیہ ہے کیونکہ فعل ممتد کے لئے اصل خروج ہے۔اور وہ، مشئی، ہے۔اور اسی طرح تولیہ نماز کے وقت استقبال کے لئے اصل ہے جو کہ فعل ممتد ہے۔اور کہا گیا ہے کہ حَیْثُ متعلق ہے فَوَلِّ تک اور فاء زائدہ نہیں ہے۔اور مابعد عمل کرتا ہے ما قبل میں جیسا کہ اس کے محل میں بیان کیا گیا ہے۔مگر یہ کہ واؤ اور فاء کے اجتماع کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔پس وجہ یہ ہے کہ تقدیر اس طرح ہوگی۔اِفْعَلْ مَا اُمِرْتُ بِہِ مِنْ (حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ) تو (فَوَلِّ) عطف ہے مقدر پر۔ اور،وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ بہ معنی اَیْنَمَا کُنْتَ وَتَوَجّہْتَ، تو پھر، فَوَلِّ, اس کے لئے جزا ہوگا کیونکہ یہ شرطیہ ہے۔اور عامل اس میں شرط

---

108۔ سورۃ لقمان:16

109۔ سورۃ النساء:78

110۔ سورۃ البقرۃ:148

ہے۔اور اس میں جو تکلف ہے وہ ڈھکی چھپی نہیں ہے۔اور تخریج کا قول اس میں ضعیف ہے۔امام فراءؒ کے علاوہ کسی نے یہ قول نہیں کیا (111)اور وہ،حَيْثُ کا بغیر فَاء کے شرطیہ ہونے کا ہے۔یہاں تک کہ نحات نے کہاہے۔کہ کلام عرب میں یہ نہیں سنا گیاہے۔پھر منہ پھیرنے کا حکم نماز کے لئے کھڑے ہونے کے ساتھ مقید ہے۔کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے امور میں قبلے کی طرف منہ کرناواجب نہیں ہے۔ ( وَإِنَّهُ ) یعنی استقبال،تولیہ،اور صرف۔اور اَنَّہٗ میں مذکر ضمیر لانا اس اعتبار ہے کہ یہ امور میں سے ایک امر ہے۔اور یا خبر کی تذکیر کی وجہ سے مذکر ضمیر لایا۔اور یااس وجہ سے مذکر ضمیر لایا کہ مصدر تانیث میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔اور یااس ۃ کی وجہ سے جس کو خالی کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے مصدر ہو یا غیر مصدر۔اور ضمیر راجع کرنا پچھلے امر کی وجہ سے ہے۔اور اوامر میں سے ایک امر اپنے قریب ہونے پر بعید ہے ۔ (لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ) یعنی ثابت ہے حکمت کے موافق ۔ (وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ) پس تمھیں اس کی وجہ سے اچھابدلہ دیاجائے گا۔پس یہ وعید ہے مؤمنوں کے لئے۔اوریَعْلَمُوْنَ غائب کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے پھر یہ وعید ہو گا کافروں کے لئے(112)اور جملہ عطف ہے ما قبل پر اور یہ دونوں تاکید کے لئے معترضہ جملے ہیں۔

(وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) یہ مجموعی طور پر اللہ تعالی کے قول (وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ) (113)اور یا (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ) (114)پر عطف قصہ علی القصہ ہے۔اور اللہ تعالی کے قول (وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ) (115)پر عطف نہیں ہے۔جو کہ فاء سببیہ کے تحت داخل ہے اور دلالت کرنے والی ہے اللہ تعالی کی اس قول (وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ) (116)کے ترتب پر کیونکہ اس کی علت اللہ تعالی کا یہ قول (لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ) ہے۔کیونکہ یہ علت ہے،لَوَلَّوْا کے لئے نہ کہ محذوف کے لئے ۔کہ ہم نے تم پر تمہارے قبلہ کو ٹھیک پہچانا۔اور دلیل اس میں یہ ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کہا گیاہے۔مگر ان سے،تَوَلِّ،کا علت ہونا فہم میں آتا ہے۔کیونکہ تولیہ کی حجت کاانقطاع جب امت کے لئے حاصل ہوا تو آپ ﷺ کے لئے اس کا حصول بطریق اولی ثابت ہو گا۔اور اگر خطاب رسول اللہ ﷺ اور امت کو عام ہو تو پھر حد خطابات میں امت کے ساتھ تخصیص لازم نہیں ہو گی۔اور آیت دونوں کے لئے علت ہے۔اور علل کے تعدد کی وجہ اس کو مکرر ذکر فرمایا۔اور (إِلاَّ لِنَعْلَمَ) (117)سے مستفاد حصر اضافی ہے یاادعائی

111 ۔فراء،تفسیر معانی القرآن،سورۃالبقرۃ : 149

112 ۔ابو عمرو الدانی،التیسیر فی القراءات السبع،ص77۔ابن الجزری،النشر فی قراءات العشر،ج2،ص223

113۔سورۃالبقرۃ:148

114۔ایضاً:144

115۔ایضاً:149

116۔ایضاً:148

117 ۔ایضاً:143

ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے لئے تین علت ذکر فرمائے ہیں۔(1)رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کیونکہ آپ ﷺ کی مرضی نہیں تھی۔اور عادۃ الہیہ جاری کیااور وہ یہ کہ ہر امت کے لوگوں کے لئے ایک جہت ہوتی ہے۔(2)تحویل قبلہ مخالفین کے دلائل کی تردید ہے۔(3)اور تحویل کعبہ یہود کے احتجاج کورد کرتا ہے کیونکہ توراۃ میں کعبہ کا قبلہ ہونا ذکر ہے۔نہ کہ صخرہ۔اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ صخرہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔پس یہ نبی موعود نہیں ہو سکتا۔اور یہ کہ حضور ﷺ صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہمارے قبلے کی اتباع کرتا ہے۔اور ان دونوں میں تدافع ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ ہے کہ ہر صاحب شریعت کے لئے قبلہ جاری فرماتا ہے۔اور مشرکین کے احتجاج کا دفاع بھی ہے کہ آپ ﷺ ملۃ ابراہیمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔اور اس کے قبلے کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے تعمیم کے بعد تخصیص کو تیسری جگہ ترک کیا۔اور محض عموم پر اکتفا کیا جو کہ علت سے حاصل ہوتا ہے۔اور زائد کیا ۔ (مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ)اس میں دفع توہم ہے اس مخالفت کا جو حالت سفر اور حضر کے درمیان میں ہے۔کہ حالت سفر پچھلے کی طرح ہوگی۔جیسے کہ نماز میں تھا۔جیسا کہ زائد کیا گیا حضر میں دو رکعت یا کہ اسے اختیار ہو دونوں توجیہ میں۔جس طرح صوم میں ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ تکرار حکم کی شان کے اعتبار کی وجہ سے ہے۔کیونکہ یہ طعن کرنے والوں کے گمان کی وجہ سے ہے۔یا مخالفین کی کثرت کی وجہ سے ہے۔کہ وہ نسخ اور بداء میں فرق نہیں کرتے۔اور کہا گیا ہے۔کہ تکرار نہیں ہے۔کیونکہ یہاں پر احوال تین ہیں۔(1)مسجد میں ہونا(2)مسجد سے باہر ہو لیکن شہر میں ہو(3)شہر سے باہر ہو۔بس اول حالت اول پر اور دوسری حالت دوسری پر اور تیسری حالت تیسری پر محمول ہوگی۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ سے خالی ہے اس پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی ۔

(إِلاَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ)اخراج لوگوں میں سے۔یہ بدل واقع ہوا مختار قول کے موافق اور قائلین کے نزدیک معنٰی یہ کہ نفی سے استثناء مثبت ہوتی ہے۔تاکہ لوگوں میں سے کسی کے لئے دلیل یا حجت نہ ہو۔ (إِلاَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا) مگر جنہوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر ضد کی وجہ سے۔وہ لوگ پھر بھی حجت قائم کرتے ہیں۔ان میں سے یہود ہیں۔جو کہ کہتے ہیں۔کہ کعبہ کی طرف پھیرنا نہیں۔مگر اپنے دین کی طرف مائل ہوتے ہیں۔اور اپنے وطن سے محبت کی وجہ سے اور ان میں سے مشرکین کہتے ہیں۔کہ شروع اسی سے کیا۔پس اپنے آباءواجداد کے قبلہ کی طرف رجوع کیا۔اور قریب ہے کہ وہ ان کی دین کی طرف دوبارہ لوٹے۔اور اس باطل شبہہ کا تسمیہ حجت ہے۔باوجود اس کے کہ یہ مقصود کے لئے مثبت دلیل سے عبارت ہے اس کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے اس اعتبار سے کہ وہ لوگ اس کو ضرورت پڑنے کے وقت پیش کرتے ہیں۔اور اس پر اعتراض ہے۔کہ صدر کلام اگر اس کو شامل ہو جائے۔تو حقیقت اور مجاز کے مابین جمع واقع ہوتی ہے۔اور اگر شامل نہ ہو تو استثنیٰ صحیح نہیں ہوتی۔کیونکہ دلیل اور حجت حقیقت کے ساتھ خاص ہے۔اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ مراد حجت سے متمسک ہے۔چاہے حق ہو یا باطل۔اور جواب دیا گیا ہے کہ ان کے شبہوں کی حجت سے استثناء نہیں ہے۔بلکہ لوگوں کی ذاتوں سے استثناء ہے۔مگر یہ کہ انہوں نے ان کے شبہوں کے تسمیہ کو حجت لازم کیا ہے۔مفہوم مخالف کے اعتبار سے۔پس اس کی صدارت کو

شامل ہونے کی ضرورت نہیں ۔اور آپ کو معلوم ہے۔کہ معترض کی مراد یہ ہے۔کہ استثناء اگرچہ لوگوں سے ہے۔لیکن مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کی نفی ثابت کرتا ہے۔اس بناء پر کہ استثناء نفی سے اثبات پیدا کرتا ہے۔پس اگر صدارت مشتمل اس پر جو مستثنیٰ کے لئے ثابت ہوا ہے۔تو جمع لازم آتا ہے۔اور اگر مستثنیٰ متحقق نہ ہو جو وہ تقاضا کرتا ہے۔تو مستثنیٰ منہ کے لئے ایک شئ ثابت ہوتی ہے۔اور مستثنیٰ کے لئے دوسری شئ۔اور اس سے نجات اور چارہ نہیں مگر یہ کہ حجت سے متمسک مراد لیا جائے۔اور یہ جملہ میں حجت کو متعلق رکھا جائے۔پس اس صورت میں استثناء مقتضیٰ حال کے ساتھ متحقق ہوگا۔کیونکہ اس معنیٰ میں شبہہ حجت ہوگا برہان کی طرح۔اور جمع کی حقیقت اور مجاز کے ساتھ لازم ہونا بھی نہیں ہوگا۔اور تمہارے لئے جائز ہے۔کہ تم حجت کو احتجاج یا منازعت کے معنیٰ میں لو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے (لاَحُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ) ([118])پس استثنیٰ کا امر یہاں واضح ہے۔مگر یہ کہ کلام کو اس طرح بنانا استعمال سے بہت دور ہے۔اس معنیٰ کا ارادہ کرتے ہوئے۔اور کہا گیا ہے۔کہ استثناء منقطع ہے۔اور یہ کسی شئ کی تاکید اس کی ضد سے اور اس کا اثبات اس کی نفی کے ساتھ کی طرح ہے۔اور معنیٰ ہوگا کہ اگر ان کے لئے حجت ہوئی۔تو یہ ظلم ہوگا۔اور ظلم کے لئے ممکن نہیں کہ حجت ہو۔پس ان کی حجت ممکن نہیں ہے۔اصل میں یہ اثبات ہوگا برہان کے اسلوب پر۔جیسا کہ۔

ولا عیب فیہم غیر ان نزیلہم یلام بنسیان الاحبۃ والوطن([119])

ترجمہ:اور ان میں کوئی ملامت کرنے والے عیب نہیں ہیں سوائے اس کے کہ ہم اس سے محبت کے بھلانے اور وطن کے بھلانے کو دور کرے۔یعنی محبت اور وطن کو بھول جانا ہی ان کا عیب ہے۔

اور زید بن علیؓ ([120])نے (إلاَّ) فتحہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔اور یہ ایک ایسا حرف ہے جس کے ساتھ کلام کی ابتداء کی جاتی ہے۔اور (الَّذِینَ) مبتداء ہے اور اس کی خبر اللہ تعالیٰ کا قول (فَلاَ تَخْشَوْھُمْ) ہے۔اور فاء اس میں زائدہ ہے محض تاکید کے لئے۔اور کہا گیا ہے کہ مبتداء متضمن ہے معنی شرط کو۔اور یہ بھی جائز ہے کہ موصول منصوب ہو بوجہ اس شرط کے کہ اس کی تفسیر مابعد کرتی ہے۔اور مشہور یہ ہے کہ خشیت،خوف کے مترادف ہے۔یعنی مشرکوں سے مت ڈرو کیونکہ وہ نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہیں۔اور یہ بھی جائز ہے۔کہ اس میں ضمیر، اَ لنَّاس ُ،کی طرف موعود ہو۔لیکن اس میں بعد ہے ( وَاخْشَوْنِي) یعنی مجھ سے ڈرو اور میرے حکم کی مخالفت مت کرو بے شک میں ہی ہر چیز پر قادر ہوں۔اور بعض اہل سنۃ نے

---

[118] ۔سورۃ الشوریٰ:15

[119] ۔یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے۔جو اصل میں اس طرح ہے،ولا عیب فیکم غیر أن ضیوفکم ... تعاب بنسیان الأحبة والوطن، الحموی،ابو بکر، علی بن عبداللہ،الازراری، خزانۃ الادب وغایۃ الارب،مکتبۃ الہلال،بیروت،1408ھ/1987ء،ج2،ص399

[120] ۔زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب،ابوالحسین 79ھ/698ء کو پیدا ہوئے۔آپ کو زید الشہید بھی کہا جاتا ہے۔خوبصورت اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے بڑے خطیب قابل اور حاظر جواب تھے کوفہ میں مقیم تھے۔معتزلی فکر میں واصل بن عطاء سے متاثر ہوئے تھے۔فقہ زیدی آپ کی طرف منسوب ہے۔122ھ/740ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج3،ص59

اس آیت مبارکہ سے ،تقیہ، کی حرمت پر استدلال کیا ہے جس کا امامیہ شیعہ قائل ہیں۔اوراِن شاءاللہ اس کی تحقیق اپنی جگہ بہت جلد آئیگی۔([121])

(وَ لأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ) اور یہ کہ ہم تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔تا کہ تم ہدایت پاؤ۔لفظاًتو یہ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول (لِئَلاَّ يَكُونَ ) پر عطف ہے۔جیساکہ کہا گیاہے۔( فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ وَ لأُتِمَّ ) پس یہ مذکور کے لئے علت ہے۔یعنی ہم تمہیں اس کا حکم دیتے ہیں۔تا کہ ہم تمہارے لئے دونوں جہانوں کا خیر جمع کریں۔جو دنیا میں ہے۔تو وہ مخالفین پر آپ کی سلطنت کا ظہور ہے۔اور آخرت میں یہ کہ آپ کے لئے پورا ثواب ہوگا۔اور استثناء کے ساتھ فصل نہیں آتا اور نہ مابعد میں۔کیونکہ یہ ،لافصل، کی طرح ہے۔اگر اس کو پہلی علت کے ساتھ متعلق کریں تو ٹھیک ہے۔لیکن مناسبت بعید پر اعتراض ہے۔کہ یہ ہدایت جس کے ذریعے خبر دی جاتی ہو ترجی ہے۔اور یہ تولیہ کے امر کے لئے علت کی صلاحیت رکھتی ہے۔نہ کہ فعل مامور بہ کے لئے جیساکہ معطوف علیہ میں ظاہر ہے۔پس ظاہر معنیٰ کو محذوف کے لئے علت بنایاہے۔یعنی ہم تمہیں منہ پھیرنے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتے ہیں۔اپنی نعمتوں کا اتمام اور تمہیں ہدایت دینی ہے۔اور یہ جملہ معللہ عطف ہے ما قبل جملہ معللہ پر۔اور یا علت مقدرہ پر عطف ہے جیساکہ (وَاخْشَوْنِي ) پر تا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں اور تم پر اپنی نعمتوں کا نزول کریں۔اور بعض نے اس توجیہہ کو ترجیح دی ہے جو امام بخاریؒ نے ،الادب المفرد، میں اور امام ترمذیؒ ([122]) نے ذکر کیا ہے معاذ بن جبلؓ کی روایت سے۔کہ اتمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے۔([123])اور یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔یہ اس پہلے صورت ہے جب کلام کی تاویل فَاعْبُدُوْا،اور صَلُّوْا میں کی جائے۔یعنی نماز پڑھو اس حالت میں کہ تم نے منہ مسجد حرام کی طرف کی ہو۔تو ہم ضرور تم کو جنت میں داخل کر دینگے۔اور حدیث مبارکہ میں اس کی مخالفت نہیں بلکہ مطابقت ہے۔حذو القذة بالقذة، پس بغیر تحقیق کے مرجح ہوگا۔اگر کہا جائے۔کہ آپ ﷺ کی قرب وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ)

---

121 ۔سورۃ آل عمران:28

122 ۔ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسی، بوغی، ترمذی، ابوعیسی، علماء وحفاظِ حدیث میں تھے۔دریائے جیحون کے قریب ترمذ میں رہائش پذیر تھے۔ 209ھ/ 824ء کو پیدا ہوئے۔خراسان، عراق اور حجاز کے سفر کیے۔ترمذ میں 279ھ/892ء کو وفات پائی۔سمعانی، عبدالکریم بن محمد، الانساب، ج1، ص459۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج2، ص433

123 ۔حدثنا محمود بن غيلان حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن الجريري عن أبي الورد عن اللجلاج عن معاذ بن جبل قال سمع النبي صلى الله عليه و سلم رجلا يدعو يقول اللهم إني أسألك تمام النعمة فقال أي شيء تمام النعمة ؟ قال دعوة دعوت بها أرجو بها الخير قال فإن من تمام النعمة دخول الجنة والفوز من النار، ،سنن ترمذی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ ، باب،94، رقم:3527 ۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہاہے۔حوالہ مذکورہ۔

([124])نازل فرمایاتواتمام نعمت اس وقت ہوا۔دوسال پہلے کیوں (وَ لأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ) فرمایا۔توجواب دیاجائے گا۔کہ اتمام نعمت سے مراد ہر وقت کے مطابق اتمام ہے۔پس سوچو۔

[124]۔سورۃالمائدۃ:3

# فصل سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 151 تا 153 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ 151 فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ تَكْفُرُونِ 152 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ 153

**ترجمہ:** جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔151 سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا152 اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے.153۔

(كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ) ماقبل کے ساتھ متصل ہے۔ پس کاف تشبیہ کے لئے ہے۔ اور حالت نصب میں ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں مصدر محذوف کے لئے صفت ہے۔ اور تقدیر اس طرح ہے۔ لِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ فِيْ اَمْرِ الْقِبْلَةِ اَوْ فِيْ الْاٰخِرَةِ اِتْمَاماً مِثْلَ اَتْمَامَ اِرْسَالَ الرُّسُلِ، کہ ہم اپنی نعمتوں کا اتمام کرے تحویل قبلہ میں یا امر قبلہ میں جیسا کہ رسولوں کو بھیجنے کا اتمام۔ اور ارسال کا ذکر کر کے اتمام مراد لینا۔ سبب کو مسبب کے قائمقام کیا ہے (فِيكُمْ) أَرْسَلْنَا کے ساتھ متعلق ہے۔ اور مفعول صریح پر تقدیم خوشی اور سرور کے داخل ہونے پر تعجیل ہے اور صفات میں طول ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مابعد کے ساتھ متعلق ہے۔ اَیْ اُذْكُرُوْنِيْ ذِكْراًمِثْلَ ذِكْرِيْ لَكُمْ بِالْاَرْسَالِ، اور یا ، اُذْكُرُوْنِيْ ، بدل ہے ۔ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً سے۔ پس کاف مقابلہ کے لئے ہے متعلق ہے، اُذْكُرْنِيْ کے ساتھ۔ اور اس سے تشبیہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ متقابلین ایک دوسرے کے مشابہ ہے اور دونوں ایک دوسرے سے بدل بھی ہیں۔ اور متکلم کے صیغے کو غیر کے لئے ثابت کرنا ایک عمدہ اسلوب ہے اور بزرگوں کے طریقے پر چلنا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ارسال ایک بڑی نعمت ہے۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ ایک بڑی نعمت ہے (يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا) یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے صفت ہے اور اس میں نبوت کے اثبات کے لئے اشارہ ہے۔ کیونکہ ایک اُمی کے لئے بلاغت کے اعتبار سے آیات تلاوت کرنا طاقت بشری سے ممکن نہیں۔ اور غیب کے اخبار پر مشتمل ہے۔ اور ان مصالح کے اعتبار پر جن پر معاد اور معاش کے احکام کی نظم ہوتی ہے۔ تو یہ نبوت پر ایک مظبوط دلیل ہے (وَيُزَكِّيكُمْ) تمہیں شرک سے پاک کرتا ہے۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے دوسری صفت ہے۔ اور اس صفت کو تلاوت والے صفت کے بعد ذکر کیا کہ یہ تطہیر پیدا ہے تلاوت سے اور یہ تلاوت معجزہ ہے ان لوگوں کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا توفیق اور قدرت کا۔ (وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ) یہ پچھلی صفت سے صفت ہے۔ اور اس کو مؤخر کیا (الْكِتَابَ) کیونکہ کتاب کی تعلیم اور تفہیم جو حکمت الہیہ، اسرار ربانیہ پر مشتمل ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب اطاعت کی وجہ سے شرک کے میل اور شک کی ناپاکی سے خالی ہو۔ اور اس سے قبل کفر پردہ تھا۔

اور اس آیت میں تزکیہ کو مقدم کیا ہے۔ اور دعوت ابراہیمؑ میں مؤخر کیا ہے۔ دونوں جگہوں میں مقصد کے اختلاف کی وجہ سے اور ہر مقام کی الگ بات ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ تزکیہ قوت عملیہ کے اعتبار سے تکمیل نفس سے عبارت ہے۔ اور متفرع ہے قوت

نظریہ کے اعتبار سے تکمیل نفس پر۔جو تلاوت کے مرتب تعلیم سے حاصل ہو۔مگر یہ کہ حکم کے لئے تلاوت اور مرتب تعلیم کے لئے وسط میں ہے۔اور یہ کہ ہر ایک ان میں سے امور مرتبہ میں سے ہے۔اور بڑی نعمت ہے۔اور شکر کے واجب ہونے کے لئے حیلہ ہے۔اور جو وجود کی ترتیب کی رعایت رکھی گئی ہے۔جیسے کہ ابراہیمؑ کی دعوت میں ہے۔جو فہم کو سبقت کرتی ہے۔وہ ہر ایک کاالگ ہوناہے۔اور کہا گیاہے کہ تزکیہ کوایک جگہ مقدم کیااور دوسری جگہ مؤخر کیونکہ یہ (الْكِتَابَ) کتاب کی تعلیم اور حکمت کے لئے علت غائی ہے۔اور وہ قصد میں مقدم ہےاور وجود اور عمل میں مؤخر ہے۔پس ایک جگہ مقدم کیااور دوسری جگہ مؤخر کیا۔تاکہ ہر ایک کی رعایت ہو۔اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔کہ تعلیم کا غایہ جہل سے پلٹنا ہے۔تزکیہ کی طرف۔نہ کہ خاص رسول اللہ ﷺ کا تزکیہ۔کیونکہ یہ تو یاان کی تعلیم پر ہے۔اور ان کے عمل کی وجہ سے۔تو اس کاان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔اور یہ کہنا ممکن ہے۔کہ تعلیم اس اعتبار سے کہ اس پر شک کا زائل ہونا مرتب ہوتا ہے۔اور تمام رذائل سے ان کے لئے تزکیہ ہے۔تو ایک اعتبار سے غایہ اور ایک اعتبار سے مغیہ ہے۔جیسا کہ رمی اور قتل ان کے قول میں۔رَمَاهُ فَقَتَلَہٗ، کہ اس پر تیر پھینکااور اس نے اس کو قتل کیا۔پس جان لو (وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ) اس چیز کی تعلیم جس کی معرفت کے لئے وحی کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو اور یہ ظاہر ہے (مَّا لَمْ تَكُونُواْ) عطف مفرد ہے مفرد پر۔مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فعل مکرر فرمایا۔کہ یہ جنس آخر ہے۔اور ماقبل کے ساتھ بالکل شریک نہیں ہے۔پس یہ تخصیص بعد التعمیم ہوا۔اور حضور ﷺ کی رسالت کو بیان کرنے والا یاواضح کرنے والا ہے۔کہ یہ بڑی نعمت ہے۔اور اگر یہ نہیں ہوتا۔تو مخلوق اپنے دین کے معاملے میں متحیر ہوتی۔اور نہیں جانتے کہ کیا کریں۔ (فَاذْكُرُونِي) پس مجھے یاد کرو۔طاعت کے ذریعے دل و جان کی۔تو ذکر عام ہے۔زبان سے ہو، قلب سے ہو یاجوارح سے ہو۔او ل کا تعلق حمد، تسبیح، تحمید اور کتاب اللہ کی تلاوت کے ساتھ ہے جیسا کہ ،المنتخب، میں ہے۔ ([125])دوم۔ان دلائل میں فکر جو تکالیف،وعد اور وعید پر دلالت کرتی ہیں۔اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور رازوں کے بارے میں۔سوئم۔یعنی کہ مامور بہا اعمال میں جوارح استعمال کرنااور منہیات سے روکنا۔اور نماز انہی تینوں پر مشتمل ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے ذکر کرتے ہوئے اپنے قول میں مسمّیٰ کیاہے۔(فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِكْرِ اللهِ)([126])اور اہل حقیقیہ کہتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی حقیقت یہ ہے۔کہ اُس کے علاوہ سب چیزوں کو بھول جاؤ۔(أَذْكُرْكُمْ) یعنی میں تم کو ثواب کے ذریعے بدلہ دونگا۔اوا اس سے ذکر کے ساتھ تعبیر کرنامشاکلت کی وجہ سے ہے۔اور صحیحین میں روایت ہے۔،مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِہٖ ذَكَرْتُہٗ فِيْ نَفْسِيْ وَ مَنْ ذَكَرَنِيْ فِی مَلاٍء ذَكَرْتُہٗ فِيْ مَلاَءٍ خَيْرٌ مَنْ مَلاَئِہٖ ۔ : جو مجھے اپنے نفس میں یاد کرے گا۔میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کردوں گا،جو مجھے مجلس میں یاد کرے گا۔میں بھی اسے مجلس میں

[125] ۔تفسیر المنتخب، لجنة من علماء الازہر، دار العلم، بیروت، س۔ن، سورة البقرة :152

[126]۔سورہ الجمعہ :9

یاد کر دوں گا جو اس کی مجلس سے بہتر ہے۔([127])(وَاشْكُرُواْ لِي) اور میری شکر ادا کرو بسبب اس انعام کے جو تم پر کیا ہے۔اور لِیْ نسبتاً زیادہ فصیح ہے۔شکر کے ساتھ اور ذکر کو شکر پر مقدم کیا۔کیونکہ ذکر میں اشتغال اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔اور شکر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں مشعول ہونا ہے۔اور ذات میں مشغول ہونا اولیٰ ہے اس کی نعمت میں مشغول ہونے سے ۔ (وَلاَ تَكْفُرُونِ) اور تم کفرنہ کرو میری نعمتوں کے انکار اور میرے حکم کی نافرمانی سے۔اور یہاں امر کے بعد اس نہی کو ردیف بنا کر عموم زمانہ پر دلالت کرنا مقصود ہے۔اور یائے متکلم محذوف ہے تناسب کی تخفیف کی وجہ سے۔اور رفع نون جوازم کی وجہ سے حذف کیا ہے۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ) ذکر پر، شکر پر اور تمام طاعات پر صوم جہاد اور قبلہ کے بارے میں معاندین کی طعن کو ترک کرنا ۔ (وَالصَّلاَةِ) وہ جو اصل ہے اور کمال تقرب الی اللہ کو ثابت کرنے والا ہے۔ (إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ) معیت خاصہ نصرت اور مدد کے ساتھ۔اور ،مِنَ الْمُصَلِّيْنَ نہیں کہا کیونکہ جب صابرین کے ساتھ ہوگا تو مصلین کے ساتھ تو بطریقہ اولیٰ ہوگا۔کیونکہ نماز صبر پر مشتمل ہوتی ہے۔

---

[127]۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً ، صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ویحذرکم اللہ نفسہ، رقم:7405

# فصل چہارم

## سورۃ البقرۃ آیت 154تا 156کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاء وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ 154 وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ 155 الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ 156

**ترجمہ:** اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے 154 اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوروں اور میووں کے نقصان سے تمہاری ازمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو 155 ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں 156۔

(وَلاَ تَقُولُواْ) یہ عطف ہے (اسْتَعِينُواْ) ([128]) پر۔ اور اس بیان کے لئے لایا گیا ہے۔ کہ مامور بہ کے لئے دھوکہ نہیں ہے۔ اور اکثر صبر شہادت کو حیات ابدی دیتا ہے (لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبيلِ اللّهِ) اس کی طاعت میں اور کلمہ کی بلندی کے لئے اور وہی شہداء ہیں۔ اور لام تعلیل کے لئے ہے۔ نہ کہ تبلیغ کے لئے کیونکہ ان کا قول شہداء کو نہیں پہنچتا۔ (أَمْوَاتٌ) یعنی کہ وہ مردے ہیں (بَلْ أَحْيَاء) بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور جملہ (وَلاَ تَقُولُواْ) پر عطف ہے۔ ماقبل جملے سے اضراب ہے۔ اور عطف مفرد علی المفرد ہے۔ تاکہ حیز (مقام) قول میں ہو جائے۔ تو معنٰی یہ ہو جائے گا۔ بَل قُوْلُوْا اَحْياَءً، کیونکہ مقصود ان کے لئے حیات کی اثبات ہے۔ اور اس کو یہ حکم نہیں دیا کہ ان کی شان میں ،اِنَّہُمْ اَحْيَاءٌ ، کہو۔ اگرچہ ایسا کہنا بھی درست ہے ۔ (وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ) یعنی تم محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے حال چال کا تمہیں علم ہے۔ کیونکہ یہ برزخ کے احوال میں سے ہے۔ جس کی کوئی اطلاع نہیں۔ اور نہ ان کے علم کے لئے وحی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہے۔ اور اس حیات میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور سلف میں سے اکثر کے نزدیک یہ زندگی حقیقی ہے۔ روح اور جسد کے ساتھ۔ لیکن ہم نہیں جانتے اس کے طریقے کو۔ اور انہوں نے سیاق سے استدلال کیا ہے۔ جو کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے (عِنْدَ رَبِّہِمْ يُرْزَقُوْنَ) ([129]) اور یہ بھی اگر روحانی زندگی جسد کے ساتھ نہ ہو۔ تو یہ ان کے خواص میں سے نہیں۔ تو پھر عام مردوں اور شہداء مین کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک یہ روحانی ہے۔ اور ان کا اس طرح ہونا۔ کہ رزق دیا جاتا ہے اس کے منافی نہیں ہے۔ پس حسنؒ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ شہداء اللہ تعالٰی کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور ان ارواح کو رزق پیش کیا جاتا ہے۔ پس ان کو راحت اور خوشی پہنچتی ہے۔ جس طرح آل فرعون کی ارواح کو صبح شام آگ دی جاتی ہے۔ توان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ پس راحت کا پہنچنا روح کو وہ رزق ہے اور امتیاز حیات کو مجرد کرنے کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ضم ہونا اور اللہ تعالٰی کے ساتھ مزید قرب ان کے

---

[128]۔ سورہ البقرۃ: 153

[129]۔ سورۃ آل عمران: 196

اختصاص میں سے ہے۔اور امام بلخیؒ (130) نے تو حیات بالفعل سے مطلقاً نفی کی ہے۔اور یہ کہا ہے۔کہ جملہ اسمیہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔جو کہ تمام زمانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی قتل کے وقت سے لے کر اس وقت تک جس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے۔اور یہ ظاہر ہے۔اور کہا گیا ہے۔ (بَلْ أَحْيَاء) کا معنٰی یہ ہے، کہ قیامت کے دن ان کو زندہ کیا جائے گا۔اور ان کو بہتر بدلہ دیا جائے گا۔پس آیت مبارکہ (اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ) (131) کی طرح ہے۔اور اس اخبار کا فائدہ مشرکین پر رد کرنا ہے۔جو کہ کہتے تھے۔کہ محمد ﷺ کے اصحابؓ اپنے آپ کو قتل کرتے ہیں۔اور اس دنیا سے فائدہ اٹھائے بغیر چلے جاتے ہیں۔اور اپنی عمروں کو ضائع کرتے ہیں۔جیسا کہ کہا گیا۔کہ وہ جیسے گمان کرتے نفس الامر میں ایسا نہیں ہے۔بلکہ زندہ کیا جائے گا ان کو اور نکالے جائیں گے۔بعض نے اس سے شہداء کے لئے حیات حکمی ثابت کی ہے۔بسبب اس کے جو انہوں نے حاصل کیا ہے۔خوبصورت ذکر اور حمد وثناء سے۔جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے۔جمع کیا ہوا مال ہلاک ہوگا۔اور علماء باقی رہیں گے جب تک زمانہ باقی رہے۔ان کے اعیان مفقود ہو جائیں گے۔لیکن ان کے آثار دلوں میں موجود رہیں گے۔اور عاصمؒ سے روایت کی گئی ہے۔کہ موت اور حیات سے مراد گمراہی اور ہدایت ہے۔یعنی کہ تم انہیں مرے ہوئے نہ کہو جو بھٹکے ہو سیدھے راستے سے۔بلکہ وہ زندہ ہیں۔اطاعت کی وجہ سے۔اور قائم ہیں جو کچھ ان کے ساتھ ہیں۔اور اس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔کہ پہلے دو قول کے علاوہ باقی اقوال ضعف کے آخری درجے میں ہیں۔بلکہ باطل ہیں۔اور قول اول کی ترجیح مشہور ہے۔اور اس کی نسبت ابن عباسؓ، قتادہؒ، مجاہدؒ (132)، حسنؒ، عمرو بن عبیدؒ (133)

---

130۔ مقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی، خراسانی، بلخی۔کنیت ابوالحسن تھی۔محدث اور مفسر قرآن تھے۔بلخ میں پیدا ہوئے اور مرو، بغداد اور بصرہ میں سکونت پذیر رہے۔150ھ/767ء کو بصرہ میں وفات پائی۔کچھ عرصہ بیروت میں ان کے قیام کا ذکر ملتا ہے'ان کی زندگی کے حالات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں سوائے اُن چند تفصیلات کے جن سے ایک محدث سے اُن کی قوتِ فیصلہ کا پتا چلتا ہے اُن کی اہلیہ ام ابی عصمۃ نوح ابن ابی مریم کا نام بھی محفوظ ہے۔المزی، ابوالحجاج یوسف بن الزکی، تہذیب الکمال، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، 1400ھ/1980ء، ج28، ص 439۔الزرکلی، الاعلام، ج7، ص281

131۔ سورۃ الانفطار: 13

132۔ مجاہد بن جبر ابوالحجاج المکی، مولی بنی مخزوم، 21ھ/642ء کو پیدا ہوئے۔تابعی اور مفسر ہیں۔شیخ القراء والمفسرین کے لقب سے نوازے گئے۔اہل کتاب سے بعض مسائل میں رجوع کرتے تھے اس لیے سلف اُن کی تفسیر کی کتاب سے خود کو بچاتے تھے۔104ھ/722ء کو وفات پائی۔ذہبی، سیر اَعلام النبلاء، ج4، ص449۔الزرکلی، الاعلام، ج5، ص278

133۔ عمرو بن عبید بن باب التیمی ابو عثمان البصری 80ھ/699ء کو پیدا ہوئے۔معتزلہ کے شیخ اور مفتی تھے۔اپنے زہد اور علم کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔144ھ/761ء کو وفات پائی۔الزرکلی، الاعلام، ج5، ص81

واصل بن عطاءؒ(134)، الجبائیؒ (135) اور الرمانیؒ (136) کی طرف کی گئی ہے۔ اور مفسرین کی ایک جماعت کے مابین بھی جسد کے مراد میں اختلاف کیا ہے۔ پس کہا گیا ہے۔ کہ یہ وہی جسد ہے۔ جو قتل کرنے کی نسبت کے ساتھ ختم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے۔ کہ اس میں حیات کا حلول کرے۔ جو کہ حِسّ اور ادراک کا سبب ہے۔ اگرچہ ہم اس کو زمین میں بوسیدہ اور پھینکے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جو کہ نہ تصرف کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں زندگی کے کچھ علامات دیکھتے ہیں۔ پس حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔ کہ مومن کے لئے قبر حد نگاہ تک فراخ کی جاتی ہے۔ اور انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ دلہن کی طرح سو جاؤ۔ (137) باوجود اس کے کہ ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے مگر صرف برزخ کو۔ دوسرے برزخ ہمارے اذہان اور ادراک سے بالاتر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوسرا جسد پرندے کی شکل میں ہوتا ہے اور روح اس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ اور استدلال کیا ہے عبد الرزاقؒ (138) کی حدیث سے جو انہوں نے عبد اللہ بن کعب بن مالکؓ (139) سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

---

134۔ واصل بن عطاء الغزال، ابو حذیفہ معتزلہ کے امام اور حسن بصری کا شاگرد تھا۔ 80ھ/700ء کو پیدا ہوئے۔ متکلمین کے امام شمار ہوتے ہے۔ جس کا عقیدہ تھا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔ بلکہ ان دونون کے درمیان ایک مرتبہ پر ہے 131ھ/748ء کو وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج8، ص108۔ بغدادی، عبد القاہر بن محمد، الفرق بین الفرق، دار الافاق الجدیدہ، بیروت، 1397ھ/1977ء، ج1، ص15

135۔ ابو علی محمد بن عبد الوہاب' معتزلہ کے مشہور افراد میں ہے۔ خوزستان کے شہر جبا میں 235ھ/849ء کو پیدا ہوئے اور بصرے میں ابو یعقوب یوسف الشحام جو ابو الہذیل کا جانشین تھا اس کے مدرسے میں تعلیم پائی' اور خود الشحام کا جانشین ہوا۔ 303ھ/916ء کو وفات پائی۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص167

136۔ علی بن عیسیٰ بن علی بن عبد اللہ ابو الحسن الرمانی، 296ھ/908ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ عقیدۃً معتزلی تھے۔ اپنے وقت کے بڑے مناظر تھے۔ علم تفسیر، لغت، نحو میں بہت ماہر تھے۔ 384ھ/994ء کو بغداد میں وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص317

137۔حدثنا أبو سلمة يحيى بن خلف البصري أخبرنا بشر بن المفضل،عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن سعيد بن أبى سعيد المقبرى،عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(إذا قبر الميت (أوقال أحدكم) أتاه ملكان أسودان أزرقان يقال لاحدهما المنكر والآخر النكير فيقولان :ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ فيقول ما كان يقول :هو عبد الله ورسوله .أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله فيقولان : قد كنا نعلم أنك تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين ثم ينور له فيه.ثم يقال له:نم فيقول أرجع إلى أهلى فأخبرهم ؟ فيقولان : نم كنومة العروس الذى لا يوقظه إلا أحب أهله إليه،حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك ، سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، رقم:1077۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ السلسلۃ الصحیحۃ، ج3، ص379

138 ۔ عبد الرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی، 126ھ/744ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ تقریباً 17 ہزار احادیث زبانی حفظ تھیں۔ امام اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن محمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام ذہلی جیسے علماءِ حدیث کے استاذ محترم ہیں۔ 211ھ/827ء کو وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج3، ص216۔ الزرکلی، الاعلام، ج3، ص353

139۔ ابو فضالہ عبد اللہ بن کعب بن مالک السلمی الانصاری مشہور صحابی ہے۔ اپنے والد کعب بن مالک جب نابینا ہوئے تو اس کے قائد تھے۔ اپنے والد، علی، عمر او ابو لبابہ رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کرتے تھے۔ 97ھ/717ء کو فوت ہوئے۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، ج8، ص20

شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جو جنت کی قنادیل میں معلق ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن واپس کر دیں گے۔(140)اور امام مالکؒ نے جو روایت کی ہے۔اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے۔اور امام احمدؒ، امام ترمذیؒ، نے اس کو صحیح کہاہے۔اور امام نسائیؒ اور ابن ماجہؒ (141) نے کعب بن مالکؓ (142) سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کے اجواف میں ہونگے اور جنت کے پھلوں کے ساتھ لٹکے ہوتے ہیں۔ یا جنت کے درختوں کے ساتھ(143)اور جو امام مسلمؒ نے اپنے صحیح میں ابن مسعودؓ (144) سے مرفوع نقل کیاہے۔ کہ شہداء کی ارواح اللہ کے ہاں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونگے۔اور جنت کی نہروں میں (چرتے) گھومیں پھریں گی، جہاں بھی چاہے۔اور پھر عرش کے نیچے قنادیل کو آئیں گے۔(145) کیونکہ اجواف یا حواصل میں اس صورت میں جمع ہو سکتے ہیں۔کیونکہ اس کے علاوہ کوئی رائے دکھائی نہیں دیتی۔اور کہا گیاہے۔کہ ان کی دنیاوی بدن کی صورت میں ایک اور جسد ہو گا۔اور اس طرح ہو گا۔کہ اگر دیکھنے

---

140۔عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن عبد الله بن كعب بن مالك قال قال النبي صلى الله عليه و سلم أرواح الشهداء في صور طير خضر معلقة في قناديل الجنة يرجعها الله يوم القيامة، مصنف عبدالرزاق، اور یہ حدیث مرسل ہے۔ عبداللہ بن کعب سے العجلی مدنی کی روایت ہے جو کہ ثقہ ہے۔ ابن حجر۔التہذیب، ج2، ص409

141۔ محمد بن یزید ربعی [بفتح الراء والباء] قزوینی، ابو عبداللہ، ابن ماجہ۔ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ 209ھ/824ء کو پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں بصرہ، بغداد، شام، مصر، حجاز، اور رَی کے اسفارِ بعیدہ وطویلہ اختیار کیے۔ سنن، تفسیر قرآن اور تاریخ قزوین کے مصنف ہیں 273ھ/887ء کو وفات پائی۔ وفیات الاعیان، ج4ص279۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج2، ص636۔ ذہبی، العبر فی خبر من غبر، ج1، ص394

142۔ سیدنا کعب بن مالکؓ بن عمرو بن قیس انصاری، سلّمی، خزرجی جلیل القدر صحابی ہے۔ اکابر شعراء میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کی شعر گوئی کے چرچے تھے قبول اسلام کے بعد شاعر رسول بنے۔ اکثر غزوات میں شریک رہے۔ بڑھاپے میں آنکھوں سے معذور ہوئے۔50ھ/670ء کو وفات پائی۔ آپ سے 80 حدیثیں مروی ہیں۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج3، ص302۔ الزرکلی، الاعلام، ج5، ص228

143۔ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي أَنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي طَائِرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ وَقُرِئَ عَلَى سُفْيَانَ نَسَمَةٌ تَعْلُقُ فِي ثَمَرَةٍ أَوْ شَجَرِ الْجَنَّةِ ، سنن ترمذی، تحقیق: الالبانی، رقم: 1641۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہاہے۔ حوالہ مذکورہ۔

144۔ عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ابو عبدالرحمن ، اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فاضل وعاقل تھے اور رسول اکرم کے زیادہ قریب تھے۔ سابقون اولون میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے حرم مکہ میں جہر سے قرآن سنایا۔ رسول امین کے خادمِ خاص تھے۔ نبی کریم ﷺ کے وفات کے بعد کوفہ تشریف لے گئے جہاں سے سیدنا عثما ن کے دورِ خلافت میں واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ میں 32ھ/653ء کو تقریباً 60 سال کی عمر میں وفات پائی۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج1، ص302۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص137

145۔حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ قَالاَ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَ اللَّهِ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ (وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِى سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ) قَالَ أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ « أَرْوَاحُهُمْ فِى جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِى إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فی بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ وانہم احیاء عند ربہم یرزقون، رقم: 4993

والے دیکھیں گے۔ تو کہیں گے کہ میں نے فلان کو دیکھا ہے۔اور اس کی طرف بعض امامیہ گئے ہیں۔اور انہوں نے ابو جعفرؒ (146) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جو اس نے یونس ابن ظبیانؒ (147) سے سنداً روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں ابو عبد اللہؒ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پس اس نے کہا کہ لوگ مؤمنوں کے روحوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہتے ہیں۔ کہ سبز پرندوں کے پوٹوں (حواصل) میں عرش کے نیچے قندیلوں میں۔ تو ابو عبد اللہؒ نے کہا۔ سبحان اللہ مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت مند ہیں۔ کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیتے ہیں۔ جس سے مومن پہچانے جاتے ہیں۔ جب ان کی روح اللہ تعالیٰ قبض کرتے ہیں۔ تو قالب میں ڈالتے ہیں۔ دنیا کی قالب کی طرح۔ پس وہ کھاتے پیتے ہیں۔ جب پیش ہونے والا ان پر پیش ہوتا ہے۔ تو اس کو دنیاوی صورت سے جانتا ہے۔اور وجہ استدلال اس حدیث سے۔ اگر مومن سے مراد شہداء ہیں۔ تو ظاہر ہے۔اور اگر اس سے سب ایمان والے مراد ہو تو اس سے بھی شہداء کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ ان کی ارواح تو بطریقہ اولیٰ پرندوں کے پوٹوں میں ہونگیں۔اور میرے نزدیک برزخی حیات سب کے لئے ثابت ہے۔ چاہے شہید ہو یا غیر شہید۔اور ارواح اگرچہ جواہر میں سے ہیں۔اور قائم بالذات ہیں۔اور مغائر ہیں اس سے جو بدن سے حسّ میں آتی ہیں۔ لیکن بدن برزخی کے ساتھ اس کے تعلق سے کوئی مانع نہیں ہے۔ جو مغائر ہو اس کمزور بدن سے۔اور یہ تناسخ میں سے نہیں جس پر گمراہ لوگ چلے ہیں۔اور بے شک اگر تم اس جسم کو نہ مانو جس میں پہلے یہ روح تھی۔اور واپس ہونا روح کا جسم کو دوبارہ پیدا ہونے سے ثابت ہے۔ بلکہ اگر ہم کہیں کہ اس کو واپس نہیں ہوا ہے۔ تو لازم آتا ہے ہم پر اس جسم کی طرح روح کا واپس ہونا جو مشابہہ ہو دنیاوی جسم کے ساتھ۔ جو ان اجزاء نطقیہ اصلیہ پر مشتمل ہو۔اور یا مشتمل نہ ہو پھر بھی یہ تناسخ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ انہوں نے حشر اور معاد کا انکار یا نفی کی ہے۔اور ثابت کیا ہے ہمیشہ کے لئے عالم میں فساد کا ہونا۔ بے شک شہداء کی ارواح کے لئے اس تعلق کا ثابت ہونا دوسروں سے فرق کو ثابت کرتا ہے۔اور جو اصل کے ساتھ تعلق ہے۔اور نفس حیات میں تو یہ اس بناء پر ہے کہ یہ مشکک میں سے ہے متواطی میں سے نہیں ہے۔اور یا نفس تعلق میں ہے۔اور خوشی سرور اس کے ساتھ پیوست ہیں۔ان کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔اور وہ جس کو دل زیادہ مائل ہے۔ کہ اُن ابدان کی اِن ابدان کے ساتھ مکمل صورۃ مشابہت ہے۔اور مواد مختلفہ کا ایک دوسرے کے ساتھ تفاوت ہے۔ جب جدا کرے دونوں عالموں کو اور الگ کر دے برزخوں کو۔اور پرندوں والے احادیث کو تازہ گوشت والے ابدان جو تیزی سے حرکت ہو جہاں چاہے سبز پرندوں کے ساتھ مشابہت پر حمل کرنا ممکن ہے۔اور صورت کا اس

146۔ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی اہل تشیع کے شیخ تھے۔امامیہ کے رئیس محمد بن محمد بن النعمان البغدادی سے علم حاصل کیا تھا۔ اپنے زمانے کے ماہر اور متقی عالم تھے۔ قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔اور یہ واقعہ آپ کی کتاب تہذیب الاحکام میں مذکور ہے۔ 460ھ/1067ء کو وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج18، ص334

147 ۔یونس بن ظبیان الکوفی امام جعفر کے شاگردوں میں سے ہے۔ محرف قرآن تھے۔ منکر روایات کثرت سے نقل کرتے ہے۔ الدوری، عبد العزیز، اخبار الدولۃ العباسیہ، دار الطلیعہ للطباعۃ والنشر، بیروت، س۔ن، ج1، ص184

صفت پر حمل کرناایسا ہے۔ جس طرح حدیث میں اس پر حمل کیا ہے۔خُلِقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ، آدمؑ کو رحمان کی صورت میں پیدا کیا گیا۔([148])اور ابو عبداللہؒ کا مقدم استبعاد اس پر محمول ہے جو عام ظاہر لفظ سے سمجھ میں آتا ہے۔اور مزید وضاحت سے جو اس وقت کے عوام کے لئے مناسب ہے۔سے عدول کیا اس عبارت کو جس میں شائبہ بھی نہیں ہے۔جیسا کہ ظاہر حدیث میں دیکھتے ہیں۔اور بعض علماء نے اس وجہ سے حمل کیا ہے ،فِيْ، کو ،عَلٰی، کے معنٰی پر۔ یہ تو یا تجاہل ہے یا جہل ہے۔کیونکہ اگر ذرہ بھر تعلق یا تنگی اگر موجود ہو جس میں ہم ہیں۔تو روح کو کسی شیٔ کا نقصان نہیں۔اور نہ ہی نعمتوں کی نفی ہوتی ہے۔یا یہ گمان کہ اس صورت میں روح کے علاوہ کوئی دوسرا روح ہے۔تو دو روحوں کا تعلق ممکن نہیں۔اور حقیقت ان کے گمان کے مخالف ہے۔اور اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ روح کی تمثیل ذاتی ہے صورت میں۔کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہیں۔اور ان میں تجسّد کی قوت ہوتی ہے۔جس طرح روح الامین کی دحیۃالکلبیؓ([149])کی صورت میں ظاہر ہونا معلوم ہے۔([150])اور یہ قول کہ جسم بوسیدہ کے ساتھ جس کی ساخت منہدم ہو اور اجزاء جدا ہوئے ہوں اور ہیئت جا چکی ہو حیات کا تعلق ہے۔اگرچہ یہ اس ذات کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔جو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔لیکن اس کی اتنی حاجت نہیں ہے۔اور نہ ہی اس میں مزید فضل ہے۔اور نہ کہ بڑا احسان ہے۔بلکہ اس میں کمزور مؤمنوں کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔اور ان کو بلا حاجت ایمان کے ساتھ مکلف بنانا جن لوگوں نے اس کے قائل کو بے وقوفوں میں شمار کیا ہے۔اور وہ جو بعض شہداء کے مشاہدے سے حکایت کی گئی ہے۔جو قتل کئے گئے ہیں اور ان پر سال گزر گئے ہیں۔بے شک وہ آج کے دن تک جب ان کی پٹی کھول دی جائے تو ان کے زخموں سے تازہ خون بہتا ہے۔اور یہ ان میں سے ہے جو روایت کی ہیان بن بیانؒ ([151])نے۔اور یہ خرافات والی حدیث میں سے ہے۔اور ایسا کلام ہے جس کی تصدیق کمزور عقل والے کرتے ہیں۔ یہ پھر مومنوں کو نہی ہے شہداء کو اموات کہنے پر۔یا تو ان وہموں کو دور کرنے کے لئے کہ برزخ میں غیر شہداء کے ساتھ مساوی ہے۔اور یہ ان کی خصوصیت ہے۔اگرچہ نعمتوں میں ان کے ساتھ مشارکت ہے۔اور زائد کیا ہے ان پر بعض اللہ کے مقربین بندوں نے جو کہا گیا ہے ان کے

---

[148]۔ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دارالمعرفۃللطباعۃوالنشر، بیروت، س۔ن، ج17، ص262

[149]۔دِحیہ بن خلیفہ بن فروۃ بن فضالۃ کلبی، صحابی ہیں۔بہت سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔سیدنا جبرئیل ان کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔رسول اللہ نے اُنہیں قیصر کے نام دعوتی خط لکھ کر بھیجا تھا۔جنگ یرموک میں شریک رہے ہیں، جس کے بعد دمشق میں رہائش اختیار کی تھی۔سیدنامعاویہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔45ھ/665ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ ابن الاثیر، اسدالغابۃ، ج 2، ص 2:7474، ترجمہ:1507۔الزرکلی، الاعلام، ج2، ص327

[150]۔حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ قَالَ وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صُورَةِ دِحْيَةَ ، مسندامام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 5857۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[151]۔کافی جستجو اور کوشش کے بعد بھی آپ کی حالات زندگی نہ مل سکی۔

حق میں۔اور ان کی ان باتوں سے بچاؤ کے لئے کہا ہے جو منافقین اور دین کے دشمن ان کے ان عظام کرام کے بارے میں کہتے ہیں۔ جنہوں نے نعمتوں کو اپنے آپ پر حرام کیا ہے۔اور کہا کہ کبھی ان نعمتوں کو نہیں دیکھیں گے۔اور آیت میں اس سے بالکلیہ موت کی نسبت کی، نہی، نہیں ہے۔اس حیثیت سے کہ وہ اس کو بالکل ذرا بھر نہیں چکھیں گے۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ فرماتے۔(وَ لاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبيلِ اللهِ)جو مر گئے ہیں۔پس یہاں عدول کیا ہے۔جب تم اس کو دیکھو گے۔تو سمجھ آتی ہے کہ انہیں ممتاز کیا ہے جب وہ قتل ہوتے ہیں۔اس زندگی کے ساتھ جو ان کے ساتھ مناسب ہے۔اور مانع ہے اس بات سے کہ ان کی شان میں (أَمْوَاتٌ) کہو۔اور اللہ تعالیٰ نے عدول کیا ہے،قُتِلُوْا، سے جس کی تعبیر سورۃ ال عمران ([152]) میں کی ہے۔ (يُقْتَلُ) کی طرف نہی میں مبالغہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔اور فعل کی تاکید اس سورۃ مبارکہ میں اس عدول کا یہاں قائم مقام بنتا ہے۔ جس طرح ہمارے ہم عصر بعض فضلاء دوستوں نے اس کا اقرار کیا ہے۔ جس طرح ابن مندہؒ([153]) نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔([154]) جو کہ انصار میں آٹھ اور مہاجرین میں چھ شمار کئے جاتے ہیں۔ (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ) یہ اللہ تعالیٰ کے قول(اسْتَعِينُواْ) ([155]) پر عطف ہے۔تو یہ عطف مضمون کا مضمون پر ہے۔اور جامع یہ ہے کہ مضمون اول میں صبر کی طلب ہے۔اور مضمون ثانی میں اس کی استقامت کا بیان ہے۔اور مراد یہ ہے کہ ہم ضرور آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے۔جو امتحان کا معاملہ ہو گا۔پس کلام میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔کیونکہ علم حاصل کرنے کے لئے آزمائش حقیقی ہے۔اور یہ لطیف وخبیر ذات سے محال ہے۔اور خطاب عام مسلمانوں کو ہے۔اور کہا گیا ہے کہ صرف صحابہ کو خطاب ہے۔اور کہا گیا ہے کہ خطاب صرف مکہ والوں کو ہے۔(بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ) یعنی خوف اور ڈر اور اس سے کم۔اور یہ قلت اس نسبت سے جو اسکو محفوظ کیا جن پر واقع نہیں ہوا تھا۔اور اللہ تعالیٰ کا ان کو پہلے سے خبردار کرنا استقامت کے لئے ہوتا ہے۔کیونکہ ناگہانی آفت بہت سخت ہوتی ہے۔اور ان کے مشاہدے سے ان کی یقین کو زیادہ کرتی ہے۔جس طرح ان کو خبر دی گئی ہے۔اور ان کو جاننا چاہیے کہ یہ ایک آسان چیز ہے جس کا انجام نیک ہے۔ (وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ) یہ تو یا عطف ہے (بِشَيْءٍ) پر اور تنکیر میں موافقت اس کی تائید کرتی ہے۔اور بیان کا ،كُلْ، کے بعد لانا بھی۔اور یا عطف ہے (الْخَوفْ) پر اور معطوف علیہ کے ساتھ قربت اور (بِشَيْءٍ) کے ساتھ داخل ہونا اس کی تائید کرتی ہے۔اور مراد (الْخَوفْ) سے دشمن سے ڈرنا ہے۔اور (وَالْجُوعِ) سے مراد قحط ہے۔اور مسبب سبب کے قائم

---

[152] ۔سورۃ ال عمران:169

[153] ۔ابو عبداللہ محمد بن مندہ الاصفہانی 310ھ/922ء کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ کثرت اسفار کی وجہ سے آپ کو جوالۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔395ھ/1004ء کو وفات پائی۔ذہبی،تذکرۃ الحفاظ،ج3،ص279

[154] ۔السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین، تفسیر الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، 1414ھ/1993ء، سورۃ البقرہ:154

[155] ۔سورہ البقرۃ:153

مقام ہے۔ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔کہ نقصان سے مراد جانوروں کا ہلاک ہونا ہے۔اور (وَالأنفُسِ) کے نقصان سے مراد دوستوں کا جانا قتل اور موت سے۔اور (وَالثَّمَرَاتِ) کے نقصان سے مراد آفات سے ہلاک ہونا ہے۔اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہ (الأَمَوَالِ) میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔اور امام شافعیؒ([156]) نے فرمایا ہے۔کہ (الْخَوفْ) سے مراد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے ۔ (وَالْجُوعِ) سے مراد رمضان کے روزے ہیں۔اور (الأَمَوَالِ) کے نقصان سے مراد زکوٰۃ اور صدقات ہیں۔اور (وَالأنفُسِ) سے مراد امراض ہیں۔اور (وَالثَّمَرَاتِ) سے مراد اولاد کا مر جانا ہے۔([157])اور ثمرہ کا اطلاق ولد پر مجاز مشہور ہے۔کیونکہ پھل ہر مستفاد کو کہتے ہیں۔اور جو حاصل ہو۔جیسا کہ کہا جاتا ہے ۔کہ علم کا ثمرہ عمل ہے۔اور امام ترمذیؒ نے ابو موسیٰؓ([158]) سے روایت کی ہے اور اسے حسن کہا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سے،جب انسان کا بچہ مر جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔کیا تم نے میرے بندے کے بچے کو قبض کیا تو وہ کہتے ہیں،ہاں، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کیا تم نے اس کی دل کے پھل کو قبض کیا۔تو فرماتے ہیں ،ہاں، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا۔وہ کہتے ہیں۔آپ کی حمد ادا کی اور استرجاع کی۔پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ۔اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔([159])اور امام شافعیؒ کے قول پر اعتراض کیا گیا ہے۔بعد اس کے قول کو تسلیم کرنے کے۔کہ یہ آیت مبارکہ روزے اور زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔اور بے شک مومنوں کے دل اس آیت کے

---

[156]۔محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی،قُرَشی،ابوعبداللہ،150ھ/767ء کو غزہ[فلسطین] میں پیدا ہوئے۔دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔دو دفعہ بغداد گئے۔199ھ/815ء کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات 204ھ/ 820ء تک وہیں رہے۔آپ شعر، لغت،ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔نہایت ذکی، فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔پہلا فتویٰ بیس سال کی عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ذہبی،تذکرۃ الحفاظ،ج1،ص361۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص26

[157]۔بغوی، تفسیر معالم التنزیل،سورۃ البقرۃ: 155

[158] ۔ عبداللہ بن قیس بن سُلیم بن حضَّار، قحطان قبیلہ کی شاخ بنواَشعر سے تعلق رکھتے تھے۔20، 21 قبل ہجری کو زبید[یمن] میں پیدا ہوئے۔ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔حبشہ ہجرت کی۔رسول اللہ نے انہیں زبید، عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔سیدنا عمر نے اُنہیں 17ہجری کو کوفہ وبصرہ کا والی مقرر کیا۔اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔44ھ/665ء کو مکہ میں وفات پائی۔آپ سے 355 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ابن حجر،الاصابۃ،ج2،ص359۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص114

[159]۔حدثنا سويد بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن حماد بن سلمة عن أبي سنان قال Y دفنت ابني سنانا و أبو طلحة الخولاني جالس على شفير القبر فما أردت الخروج أخذ بيدي فقال ألا أبشرك يا أبا سنان ! قلت بلى فقال حدثني الضحاك بن عبد الرحمن بن عرزب عن أبي موسى الأشعري أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال إذا مات ولد العبد قال الله لملائكته قبضتم ولد عبدي ! فيقولن نعم فيقول قبضتم ثمرة فؤاده ! فيقولون نعم فيقول ماذا قال عبدي ؟ فيقولن حمدك واسترجع فيقول الله إبنوا لعبدي بيتا في الجنة وسموه بيت الحمد ،سنن ترمذی، تحقیق: ناصر الدین،کتاب الجنائز،باب فضل المصیبۃ اذا احتسب،رقم:1021۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

نزول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھرے ہوئے تھے۔اور اسی طرح بیماریوں اور بچوں کا مرنا اس سے پہلے موجود تھا۔تو اس میں وعید سے ابتلاء کا کیا معنٰی۔اسی طرح زکٰوۃ سے تعبیر کا کیا معنٰی کہ اس سے نقصان مراد لیا ہے۔جب کہ اس سے مراد نمو اور زیادہ ہونا ہے۔اور جواب دیا گیا ہے۔کہ مومنین کے دل اللہ کے خوف سے اس سے پہلے بھی بھرے ہوئے تھے۔تو اس سے کوئی منافات نہیں ہے۔کہ استقبال میں خوف آخر سے ان کی ابتلاء ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف نزول آیات سے زیادہ ہو جاتا ہے۔اور اسی طرح امراض اور اولاد کا مر جانا امور متجددہ ہیں۔تو کسی بھی زمانے میں آنے سے ابتلاء صحیح ہو جاتی ہے۔اور زکٰوۃ سے نقص کی تعبیر صحیح ہے۔کیونکہ صورۃً تو کمی ہی ہے،اگرچہ معنیً زیادتی ہے۔پس ابتلاء کے وقت نقصان کے ساتھ مسمّٰی کیا اور ادا کرتے وقت زکٰوۃ کے ساتھ مسمّٰی کیا تا کہ ادا کرنا آسان ہو جائے (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔یا ہر بشارت دینے والوں کو۔اور جملہ عطف ہے ما قبل پر،عطف مضمون علی المضمون بغیر نظر کرتے ہوئے خبریہ یا انشائیہ کو۔اور جمع کرنا ظاہر ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔کہ ابتلاء اور بشارت تمہارے لئے حاصل ہیں۔لیکن جو تم میں سے صبر کرے۔اور کہا گیا ہے۔کہ عبارت میں حذف ہے۔کہ،اَنْذِرِ الْجَازِعَيْنَ وَ بَشِّرْ،کہ سرکشوں کو ڈراؤ اور بشارت دو۔صابرین کی صفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ) اس میں اشارہ ہے اجر کی طرف جب وہ مصیبت کے وقت صبر کرے۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔کہ بے شک صبر اول صدمے کے وقت ہوتا ہے۔([160])اور مصیبت عام ہے۔جو بھی انسان کو ناپسندیدہ چیز پہنچتی ہے۔چاہے نفس میں یا مال میں یا اہل و عیال میں سے۔اور چاہے قلیل ہو یا کثیر اور چاہے کانٹے کا چبھنا اور جوتے کا تسمہ تھوڑا سا کٹنا،اور چراغ کا بجھ جانا،اور حضور ﷺ نے اس پر استرجاع کہی ہے۔اور فرمایا ہے۔جو بھی مصیبت مومن کو پہنچتی ہے۔تو اس کے لئے اجر ہے۔([161])اور صبر کرنا محض زبان سے استرجاع نہیں ہے۔یہ کہ دل اس کے لئے حرکت کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے۔جو اللہ کی معرفت اور اپنے نفس کی تکمیل ہے۔اور رجوع کرنے والا ہو اللہ کی طرف اور واپس ہونے والا ہو ہمیشہ کے لئے اسی کی

---

[160]۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لِامْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ تَعْرِفِينَ فُلَانَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي فَقَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي فَإِنَّكَ خِلْوٌ مِنْ مُصِيبَتِي قَالَ فَجَاوَزَهَا وَمَضَى فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَ مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا عَرَفْتُهُ قَالَ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَتْ إِلَى بَابِهِ فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا عَرَفْتُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ ، صحیح بخاری،کتاب الاحکام،باب ماذکر ان النبی ﷺ لم یکن لہ بواب،رقم:7154

[161]۔حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بْنِ أَبِى سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- إِذَا أَصَابَتْ أَحَدَكُمْ مُصِيبَةٌ فَلْيَقُلْ (إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) اللَّهُمَّ عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِى فَآجِرْنِى فِيهَا وَأَبْدِلْ لِى خَيْرًا مِنْهَا ،سنن ابوداود، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،کتاب الجنائز،باب فی الاسترجاع،رقم:3121 ۔حکم حدیث:شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

طرف۔اور رحلت کرنے والا ہو اس فانی دنیا سے۔اور اس کے اعلاء کے لئے اس کو چھوڑنے والا ہو۔اور یہ کہ یاد کرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو اسے دیتے ہیں زیادہ ہیں۔ان سے جو لیا ہے اس سے۔پس اپنے نفس کو سمجھائے اور اس کو تسلیم کرے۔اور صبر انسان کے خواص میں سے ہے۔کیونکہ اس میں عقل اور شہوت میں تعارض ہوتا ہے۔اور اللہ کی طرف رجوع کرنا اس امت کا خاصہ ہے۔پس طبرانیؒ ([162])نے ایک روایت نقل کی ہے۔اور ابن مردویہؒ ([163])نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو مصیبت کے وقت ایک شئ عطاء کی گئی ہے۔جو کسی امت کو نہیں دی گئی۔ جو إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ہے۔([164])اور ایک اور روایت میں ہے۔کہ مصیبت کے وقت میری امت کو ایک ایسی شئ دی گئی ہے۔جو اس سے پہلے انبیاءؑ کو بھی نہیں دی گئی۔اور وہ،إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ،ہے۔استرجاع اگر پہلے انبیاءؑ کو دیا ہوتا تو یعقوبؑ کو دیا ہوتا۔([165])جب کہا،يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ،([166])اور استرجاع کے بعد یہ کہنا سنت ہے۔اے اللہ مجھے اس مصیبت کا بدلہ دے اور اس سے اچھا صلہ دیں۔امام مسلمؒ نے حضرت ام سلمہؓ([167]) سے روایت کی ہے فرماتی ہیں۔کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہیں ہے کوئی بندہ جس کو مصیبت پہنچے۔پس وہ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ کہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کا اجر دیتا ہے اور اس سے بہتر صلہ دیتا ہے۔

---

[162] ۔سلیمان بن احمد اللخمی الشامی، ابوالقاسم، بہت بڑے محدث تھے۔طبریہ[شام ]سے تعلق کی وجہ سے طبری کہلائے۔عکا میں پیدا ہوئے۔حصول علم کے لیے حجاز مقدس، یمن، مصر،عراق، فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔360ھ/971ء کو اصبہان میں وفات پائی۔تہذیب تاریخ دمشق الکبیر،ج6،ص240۔الزرکلی،الاعلام،ج3،ص121

[163] ۔احمد بن موسیٰ بن مَرْدُوْیَہ اصبہانی،ابو بکر323ھ/935ء کو پیدا ہوئے۔اُنہیں ابن مردویہ الکبیر بھی کہا جاتا ہے۔410ھ/1019ء کو وفات پائی۔حافظ حدیث،مفسر اور مؤرخ تھے۔ذہبی،سیر اَعلام النبلاء،ج17،ص308۔الزرکلی،الاعلام،ج1،ص261

[164] ۔ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب،الطبرانی،،مکتبۃ العلوم والحکم،موصل،عراق، 1404ھ/1983ء،رقم:12411

[165] ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ : 156

[166] ۔سورۃ یوسف:84

[167] ۔ہند بنت سہیل المعروف ابوامیہ[حذیفہ یازادالراکب]بن مغیرہ، قرشیہ، مخزومیہ،ام سلمہ،ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔مکہ معظمہ میں28ق ھ/596ء کو پیدا ہوئیں۔قدیم الاسلام اور عقل و کمال کے لحاظ سے مکمل ترین خاتون تھیں۔اپنے سابقہ شوہر سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد بن مغیرہ کی معیت میں حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔سیدنا ابوسلمہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔4ھ/586ء کو رسول اللہ کے نکاح میں آئیں۔صلح حدیبیہ کے دوران اُن کے مشورہ سے رسول اللہ نے اُن کے مشورہ سے قربانی کر کے اِحرام کھولا تھا۔لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔طویل عمر پائی۔اُن سے378اَحادیث مروی ہیں۔62ھ/681ء کو وفات پا گئیں۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج5،ص606،ترجمہ:7475۔الزرکلی،الاعلام،ج8، ص97

فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہؓ ([168]) فوت ہوئے تو میں نے ایسا ہی کیا۔ جس طرح حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اچھا صلہ دیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی صورت میں مجھے بخشا۔([169]) اور (بَشِّرِ) کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی عظیم رحمت اور بڑا احسان۔

---

[168]۔ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال المحزومی ابوسلمہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی ہے۔ سابقون اولون سے ہے قبولیت اسلام میں آپؓ کا نمبر گیارہواں ہے۔ حبشہ اور مدینہ ہجرت کرنے والے اولین لوگوں میں سے تھے۔ 4ھ/586ء کو وفات پائی۔ ابن عبد البر نے 3ھ/585ء بتایا ہے اور ذہبیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ جنازہ آپ ﷺ نے خود پڑھائی اور مدینہ میں دفن کئے گئے۔ المقدسی، المطہر بن الطاہر، البداء والتاریخ، دارالطباعۃ، بیروت، س۔ن، ج1، ص433

[169]۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِى عُمَرُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ سَفِينَةَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِىِّ -صلى الله عليه وسلم- تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أْجُرْنِى فِى مُصِيبَتِى وَأَخْلِفْ لِى خَيْرًا مِنْهَا إِلاَّ أَجَرَهُ اللَّهُ فِى مُصِيبَتِهِ وَأَخْلَفَ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا. قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّىَ أَبُو سَلَمَةَ قُلْتُ كَمَا أَمَرَنِى رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فَأَخْلَفَ اللَّهُ لِى خَيْرًا مِنْهُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم ، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبۃ، رقم:2166

# فصل پنجم

## تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن قرطبیؒ اور تفسیر مظہری کے فقہی احکام میں تقابلی جائزہ

قرآن کریم لاتعداد علوم اور حکمتوں کاایسا بے کنار سمندر ہے جس میں غوطہ زنی کرنے والوں کو نئے نئے گوہر ابدار حاصل ہوتے ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ سے براہ راست فیض پانے والے صحابہ کرام عہد مبارک سے تاحال قرآن پاک کی ان گنت تفاسیر لکھی جاچکی ہیں۔اور یہ سلسلہ خیر تاحال جاری ہے۔اس بات سے ایمان اور یقین پختہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کس قدر اسرار و حکم کا حامل ہے۔ ہر مفسر نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن حکیم کے اسرار ورموز کو بیان کیا ہے۔ تفاسیر کے اس بیش بہاذ خیرے میں سب سے زیادہ اہمیت فقہی تفاسیر کو حاصل ہوئی۔ یہ تفاسیر فقہائے کرام کی علمی عظمت کی عظیم مثال ہیں۔دوسری صدی ہجری کے ابتدائی دور سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک کا زمانہ علم فقہ کے عروج کا زمانہ کہلاتا ہے۔اس زمانے میں مختلف فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے۔ جن میں زیادہ شہرت حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مکاتب فکر کو ہوئی۔ان سب نے استنباط احکام کے لئے اصول و قواعد منضبط کئے۔ یہی اصول و قواعد عام فقہی اصطلاح میں اصول فقہ کہلاتے ہیں۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ کا شمار چوتھی صدی ہجری کے بلند پایہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ان کا تعلق حنفی مکتب فکر سے ہے جو امام ابو حنیفہؒ ([170]) کی طرف منسوب ہے۔ آپؒ عراقی علماء (اہل الرائے) کے امام سمجھے جاتے ہیں۔امام ابو عبداللہ قرطبیؒ کا تعلق مالکی مکتب فکر سے تھا جو امام مالکؒ ([171]) کی طرف منسوب ہے۔ آپؒ اہل حجاز اور مدینہ منورہ کے بلند پایہ فقیہ تھے۔

زیر نظر فصل میں ان ہی دونوں مفسرین (علامہ جصاصؒ کی احکام القرآن اور امام قرطبیؒ کی الجامع لاحکام القرآن) کا علامہ آلوسیؒ کی تفسیر سے تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔اور بغیر کسی جانبداری کے تینوں تفسیروں کے درمیان اسلوب اور احکام و مسائل کے لحاظ سے اس انداز سے موازنہ کیا گیا ہے کہ قاری کو تینوں نکتہ ہائے نظر معلوم ہو سکے۔ لہذا جن موضوعات کو تینوں مفسرین زیر بحث لائے ہیں ان کے تقابل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ یہ تینوں تفسیر جو اپنے اپنے مکتبہ ہائے فکر میں مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان کے تقابلی مطالعے کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ مصنفین کا اسلوب نگارش کیا ہے اور یہ معلوم کیا جائے کہ اُس دور میں مسائل کے استنباط واستخراج کے لئے مختلف مسالک میں کون کون سے رائج تھے۔ تاکہ ان اصولوں سے اگاہی حاصل کر کے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔

---

[170]۔ نعمان بن ثابت، تیمی، کوفہ میں 80ھ/699ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک جب کوفہ تشریف لائے تو آن کی زیارت ودید کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرا م میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔150ھ/767ء کو وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج6، ص390۔ الزرکلی، الاعلام، ج8، ص36

[171]۔ امام مالک بن آنس بن مالک، اصبحی، حمیری ابو عبداللہ، امام دار الہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔93ھ/712ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں۔179ھ/795ء کو وفات پائی۔ دینی امور میں متصلب اور امراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج4، ص135۔ الزرکلی، الاعلام، ج5، ص257

یہ تینوں مفسرین اگرچہ مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مسائل کے استنباط واستخراج میں ان تینوں کے ہاں اکثر و بیشتر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں تھوڑا بہت اختلاف نظر آتا ہے۔ تاہم وجہ اختلاف تینوں کے ہاں انتہائی معقول ہوتا ہے۔

زیر نظر فصل میں مسائل کی ترتیب آیات قرآنی کی ترتیب کے تحت دی گئی ہے۔

ہر آیت سے متعلق تینوں مفسرین کے بیان کردہ جملہ احکامات کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

وہ مسائل جن کے بارے میں تینوں مفسرین متفق الرائے ہیں وہاں پر علامہ آلوسیؒ کی رائے بیان کی گئی ہے اور ان کے ساتھ امام قرطبیؒ اور علامہ جصاصؒ کے متفق الرائے ہونے کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جن مسائل میں تینوں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کو بیان کرنے کے بعد نہایت مختصر محاکمہ پیش کیا گیا ہے جن میں ان تینوں کے طرز استدلال پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور بعض مسائل میں ان تینوں حضرات کے بیان کردہ اختلافی مسائل میں ترجیح بھی قائم کی گئی ہے

تینوں مصنفین کے تعارف کے سلسلے میں نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

تعارف ابو بکر جصاص: آپ کا نام احمد بن علی الرازی الحنفی، کنیت ابو بکر اور لقب جصاص ہے۔([172]) جبکہ بعض مصنفین نے آپ کا نام احمد بن علی بن حسین بن شہریار الرازی، کنیت ابو بکر اور لقب الجصاص لکھا ہے۔([173]) بعض اہل لغت کے نزدیک یہ لفظ جص ہے الجص نہیں۔ اور جص عربی کی بجائے عجمی لفظ ہے۔ اہل حجاز کی لغت میں، رجل جصاص، چونا بنانے والے اور چونا کرنے کو کہتے ہیں۔([174]) یہ نسبت عام طور پر ان لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ جو دیواروں اور احاطوں کو سیمنٹ یا اس قسم کی دوسری چیزوں کے ساتھ روشن کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ الجصاص کا کیا مفہوم ہے۔([175])

ولادت وجائے ولادت: تمام مؤرخین نے آپ کی سن پیدائش 305ھ بیان کیا ہے۔([176]) تاہم جائے پیدائش کے بارے میں دو قسم کے اقوال ہیں ایک یہ کی آپ فارس کے شہر، رے، میں پیدا ہوئے۔ بعض علماء نے آپ کی جائے پیدائش بغداد بتائی ہے

---

[172]۔ الزرکلی، الاعلام، ج1، ص165

[173]۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج3، ص8

[174]۔ ابن منظور، لسان العرب، ج7، ص10

[175]۔ سمعانی، الانسان، ج2، ص63

[176]۔ لکھنوی، عبدالحئ، الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ، ص27

لیکن اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جصاص بغداد میں 324ھ میں تشریف لائے۔[177] آپ کو رازی اس لئے کہتے ہے کہ آپ ،رے، میں پیدا ہوئے ہے۔[178] اور بعض نے آپ کا جائے پیدائش نیسابور قرار دیا ہے۔[179]

تعلیمی سفر کا آغاز: علامہ ابو بکر جصاص نے نے تعلیمی سفر کا آغاز اپنے وطن ،رے، سے کیا۔ آپ ی علمی نشوونما میں ،رے، کا بڑا دخل ہے۔ آپ نے زندگی کے ابتدائی بیس سال اپنے شہر کے علماء وفقہاء سے کسب فیض کیا۔ بغداد اس وقت فقہ، حدیث اور دیگر علوم عربیہ کا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی علمی تشنگی دور کرنے کے لئے 328ھ میں بغداد کا قصد کیا اور ابوالحسن کرخی ؒ[180] سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اس کے بعد اپنے استاذ کے مشورے سے نیسابور چلے گئے۔ نیسابور میں اپنے استاذ ابوالحسن کرخیؒ کی وفات کی خبر سنی تو 344ھ کو بغداد واپس آگئے اور اپنے شیخ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔[181] آپ نے علم حدیث کی سماعت ودرایت ابو حاتم رازیؒ[182] سے حاصل کیا ان کی محبت نے آپ کے اندر علم حدیث میں کمال پیدا کیا۔ اور محدثین کے حلقہ میں محدث نیسابور کے معزز لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ آپ نے فقہ کی تعلیم امام ابوالحسن کرخیؒ سے حاصل کی۔ تلامذہ میں ابو بکر الخوارزمیؒ[183] خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

وفات: آپؒ کا انتقال پینسٹھ سال کی عمر میں مقام طبران میں 7 ذی الحج 370ھ کو اتوار کے دن ہوا۔ نماز جنازہ آپؒ کے شاگرد ابو بکر خوارزمی نے پڑھائی۔[184]

تعارف امام قرطبیؒ: آپ کا پورا نام محمد بن احمد بن ابی بکر الاندلسی القرطبی المالکی ہے۔ اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔[185]

---

177۔ کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، ج2، ص7

178 ۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، تاریخ بغداد، ج4، ص314

179۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج3، ص8

180۔ ابوالحسن عبداللہ بن حسین البغدادی الحنفی، عراق میں پیدا ہوئے۔ بڑے زاہد عابد تھے۔ دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے اور ذکاوت کی وجہ سے شیخ الحنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ 80 سال کی عمر میں 340ھ کو عراق میں وفات پائی۔ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج2، ص358

181۔ لکھنوی، عبدالحئ، الفوائد البھیہ، ص28

182۔ ابو حاتم، عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم القزوینی، قزوین میں پیدا ہوئے تھے۔ علم، زہد وتقوی میں اپنے مثال آپ تھے۔ اپنے زمانے میں تصوف میں اعلی مقام رکھتے تھے۔ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج3، ص273

183۔ محمد بن موسی بن محمد ابو بکر الخوارزمی، خوارزم میں پیدا ہوئے تھے۔ تقویٰ، زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے خلفاء اور ملوک کے ہاں بہت قدر ومنزلت رکھتے تھے۔ 403ھ کو وفات پائی۔ الصفدی، الوافی بالوفیات، ج2، ص122۔ ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج3، ص170

184۔ ابوالفلاح، عبدالحئ بن العماد، شذرات الذہب فی اخبار من الذہب، ج3، ص71

185۔ کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، ج7، ص23

ولادت ووفات: امام قرطبیؒ کے سن ولادت کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ البتہ وفات کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ نے ماہ شوال 671ھ میں وفات پائی۔ ([186])

اساتذہ وشیوخ: آپ نے مشہور محدث ابوالحسن علی بن محمد ([187]) سے درس حدیث حاصل کیا۔ ([188])

امام قرطبیؒ کے بارے میں علماء کی آراء: امام قرطبیؒ بہت بڑے عالم، متقی اور پرہیز گار تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ معمولی لباس زیب تن کرتے تھے۔ تمام وقت اللہ کی عبادت اور تصنیف وتالیف مین مشغول رہتے تھے۔ امام قرطبیؒ کے علمی مقام ومرتبہ جاننے کے لئے ذیل میں علماء کی چند آراء نقل کی جاتی ہے۔

امام ذہبیؒ ([189]) فرماتے ہیں۔ امام صاحب اپنے علم میں پختہ کار ماہر اور وسیع تر علم والے تھے۔ ([190])

حافظ عبدالکریم ([191]) امام قرطبیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ بے شک وہ اللہ کے صالحین میں سے تھے۔ متقی اور پرہیز گار عالم تھے۔ دنیا سے زہد اختیار کرنے والوں میں سے تھے۔ ([192])

تذکرۃ المفسرین میں امام قرطبیؒ کے متعلق مذکور ہے۔

محمد بن محمد بن ابی بکر قرطبہ کے عظیم مفسر تھے۔ قرآن کریم سے دلی لگاؤ بلکہ عشق تھا۔ دیگر علوم میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ مفسر نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ([193])

---

[186]۔ سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین، ص28

[187]۔ علی بن محمد بن حسین بن عبدالکریم، ابوالحسن، بزدوی۔ 400ھ/1010ء۔ کو پیدا ہوئے۔ سمرقند کے رہائشی اور اکابرینِ احناف میں سے تھے۔ نسف کے قریب ایک قلعہ بزدہ کی نسبت سے بزدوی کہلائے۔ 482ھ/1089ء۔ کو وفات پائی۔ لکھنوی، الفوائد البھیہ، ص209۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص328

[188] ۔ المقری۔ احمد بن محمد، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، مکتبہ عیسیٰ البابی، مصر، 1355ھ/1936ء، ج7، ص221

[189]۔ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، شمس الدین، ابو عبداللہ، حافظ، علامہ، محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں۔ 673ھ/1274ء۔ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ مزّی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں۔ 748ھ/1348ء کو وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج5، ص326

[190]۔ سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین، ص28

[191]۔ عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی مروزی، ابوسعد، مرو میں 506ھ/1113ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ اُن کی نسبت سمعان کی طرف ہے جو بنو تمیم میں ایک شاخ ہے۔ بہت سے علماء اور محدثین سے اخذ علم کیا۔ بکثرت سفر کیے۔ مرو میں 562ھ/1167ء کو وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج3، ص209۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص55

[192]۔ المقری، احمد بن محمد، نفح الطیب، ج7، ص222

[193] ۔ قاضی، محمد بن زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، ص، 124

علامہ آلوسیؒ کا تعارف ابتداء میں ہو چکی ہے۔

آیت 142۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کی اس بات پر تمام مسلمان متفق ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی تھی۔ اور اس بات پر بطور دلیل چند احادیث پیش کی ہے۔ اور یہ بات تفصیلاً ذکر فرمائی ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے کیا بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ضروری تھا۔ اور اس کے علاوہ کی طرف جائز نہ تھا۔ یا اختیار حاصل تھی کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا بھی جائز اور اس کے علاوہ کی طرف بھی۔ ([194]) اس کے بعد، سفہاء، کا مصداق بیان کیا ہے۔ اور ایت کی شان نزول بھی ذکر فرمائی ہے۔ اور آیت مبارکہ سے اس مسئلے کا استدلال کیا ہے کہ جس طرح تحویل قبلہ میں پہلے رکعتوں پر نماز کی بناء درست ہے۔ اسی طرح متیمم کے لئے پانی ملنے پر بناء درست ہے۔ اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ شریعت میں ناسخ اور منسوخ نہیں ہے۔ اور اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہے۔ وهذا يبطل قول من يقول ليس في شريعة النبي ناسخ ولا منسوخ، ([195]) اور روایت سے استدلال ذکر کیا ہے کہ اول نسخ قرآن میں قبلہ کے بارے میں تھا۔ ([196]) اور ساتھ ساتھ آیت سے خبر واحد کی قبولیت کا استدلال کیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں گیارہ مسائل ذکر فرمائیں ہیں۔

سفہاء کا مصداق۔

---

194 ۔أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق المزكي ثنا أبو الحسن أحمد بن محمد بن عبدوس الطرائفي حدثنا عثمان بن سعيد الدارمي ثنا عبد الله بن صالح عن معاوية بن صالح عن علي بن أبي طلحة قال قال بن عباس أن أول ما نسخ من القرآن القبلة وذلك : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم لما هاجر إلى المدينة وكان أكثر أهلها اليهود أمره الله أن يستقبل بيت المقدس ففرحت اليهود فاستقبلها رسول الله صلى الله عليه و سلم بضعة عشر شهرا وكأن رسول الله صلى الله عليه و سلم يحب قبلة إبراهيم عليه السلام فكان يدعوا الله وينظر إلى السماء فأنزل الله عز و جل قد نرى تقلب وجهك في السماء إلى قوله فولوا وجوهكم شطره يعني نحوه فارتاب من ذلك اليهود وقالوا ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها فأنزل الله تعالى { قل لله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله } { وما جعلنا القبلة التي كنت عليها إلا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبيه } قال بن عباس وليميز أهل اليقين من أهل الشك والريبة، بیہقی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی البیہقی، سنن الکبریٰ، کتاب الطہارۃ، باب استبان الخطاء بعد الاجتہاد، مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمہ، 1414ھ/1994ء، رقم: 2080

195 ۔جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1405ھ/1985ء، سورۃ البقرۃ: 142

196 ۔حدثنا محمد بن عمرو بن خالد ثنا أبي ثنا يونس بن راشد عن عطاء الخراساني عن عكرمة عن ابن عباس قال أول ما نسخ من القرآن شأن القبلة ( ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله ) فاستقبل رسول الله صلى الله عليه و سلم فصلى نحو بيت المقدس وترك البيت العتيق ثم صرفه الله إلى البيت العتيق قال ( ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ) الطبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب، مسند الشامیین، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1405ھ/1984ء، رقم: 2412

آیت مبارکہ کے نزول کے وقت کی کیفیت۔

آپ ﷺ کا مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد تحویل قبلہ کے وقت میں اختلاف کہ آپ ﷺ کی ہجرت کے کتنے مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم آیا تھا۔

تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں اختلاف کہ آیا صرف اس کی طرف رخ کرنا لازم تھا یا اختیار تھا بیت المقدس میں اور دوسرے طرف میں۔

جب پہلی بار نماز فرض ہوئی تو آیا یہ بیت المقدس کی طرف تھا یا مکہ کی طرف یہ اختلاف تفصیلاً ذکر فرمائی ہے۔

اللہ تعالٰی کے احکام میں نزول قرآن کے وقت ناسخ اور منسوخ کا احتمال ہوتا تھا۔

کتاب اللہ کے ذریعے سنت رسول کی نسخ جائز ہے۔

خبر واحد کی قبولیت پر بحث کی ہے۔([197])

جس کو نسخ نہ پہنچا ہو وہ پہلے والے حکم کا پابند رہے گا اس آیت مبارکہ سے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے۔([198])

---

197 ۔ وفيها دليل على جواز القطع بخبر الواحد ، وذلك أن استقبال بيت المقدس كان مقطوعا به من الشريعة عندهم ، ثم أن أهل قباء لما أتاهم الآتي وأخبرهم أن القبلة قد حولت إلى المسجد الحرام قبلوا قوله واستداروا نحو الكعبة ، فتركوا المتواتر بخبر الواحد وهو مظنون.
وقد اختلف العلماء في جوازه عقلا ووقوعه ، فقال أبو حاتم : والمختار جواز ذلك عقلا لو تعبدالشرع به ، ووقوعا في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم بدليل قصة قباء ، وبدليل أنه كان عليه السلام ينفذ آحاد الولاة إلى الأطراف وكانوا يبلغون الناسخ والمنسوخ جميعا. ولكن ذلك ممنوع بعد وفاته صلى الله عليه وسلم ، بدليل الإجماع من الصحابة على أن القرآن والمتواتر المعلوم لا يرفع بخبر الواحد ، فلا ذاهب إلى تجويزه من السلف والخلف. احتج من منع ذلك بأنه يفضي إلى المحال وهو رفع المقطوع بالمظنون.قرطبؔی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر الخزرجی القرطبؔی،الجامع لاحکام القرآن،دار عالم الکتب،الریاض،1423ھ/2002ء،سورۃ البقرۃ :142

198۔ وفيها دليل على أن من لم يبلغه الناسخ إنه متعبد بالحكم الأول ، خلافا لمن قال : إن الحكم الأول يرتفع بوجود الناسخ لا بالعلم به ، والأول أصح ، لأن أهل قباء لم يزالوا يصلون إلى بيت المقدس إلى أن أتاهم الآتي فأخبرهم بالناسخ فمالوا نحو الكعبة. فالناسخ إذا حصل في الوجود فهو رافع لا محالة لكن بشرط العلم به ،لأن الناسخ خطاب،ولا يكون خطابا في حق من لم يبلغه،قرطبؔی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ 142:

اوراس پر چند فقہی جزئیات کی تطبیق مثالوں کے ساتھ تفصیلاً ذکر فرمائی ہیں۔([199])

خبر واحد کے ذریعے شریعت کے حکم کو تبدیل کرنا جائز ہے۔

قرآن رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی طرف سے ضرورت کے مطابق تھوڑا تھورا نازل ہوتا تھا۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی یہی مسائل بالترتیب ذکر فرمائی ہیں۔

علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں مختصر بحث کی ہے۔علامہ جصاصؒ اور تفسیر مظہری میں نہایت یکسانیت پائی جاتی ہے۔مگر فرق صرف اتنا ہے کہ کہ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے تفسیر میں زیادہ زور تحقیق نحوی پر دی ہے۔

تینوں مفسرین نے آیت میں مذکورہ مسائل نہایت احسن طریقے سے بیان کی ہے۔

آیت 143۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت کے نیچے بعض الفاظ کی لغوی تحقیق کی ہے۔

امت محمدی ﷺ کی گواہی کی کیفیت بیان کی ہے۔([200])

---

[199]۔ وعليه تنبني مسألة الوكيل في تصرفه بعد عزل موكله أو موته وقبل علمه بذلك على قولين. وكذلك المقارض ،والحاكم إذا مات من ولاه أو عزل. والصحيح أن ما فعله كل واحد من هؤلاء ينفذ فعله ولا يرد حكمه. قال القاضي عياض : ولم يختلف المذهب في أحكام من أعتق ولم يعلم بعتقه أنها أحكام حر فيما بينه وبين الناس ،وأما بينه وبين الله تعالى فجائزة. ولم يختلفوا في المعتقة أنها لا تعيد ما صلت بعد عتقها وقبل علمها بغير ستر ،وإنما اختلفوا فيمن يطرأ عليه موجب بغير حكم عبادته وهو فيها ، قياسا على مسألة قباء ، فمن صلى على حال ثم تغيرت به حاله تلك قبل أن يتم صلاته إنه يتمها ولا يقطعها ويجزيه ما مضى. وكذلك كمن صلى عريانا ثم وجد ثوبا في الصلاة ، أو ابتدأ صلاته صحيحا فمرض ، أو مريضا فصح ، أو قاعدا ثم قدر على القيام ،أو أمة عتقت وهي في الصلاة إنها تأخذ قناعها وتبني
قلت : وكمن دخل في الصلاة بالتيمم فطرأ عليه الماء إنه لا يقطع ، كما يقوله مالك والشافعي رحمهما الله وغيرهما. وقيل :يقطع ،وهوقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وسيأتي.،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:142

[200] ۔ فيشهدون على الناس بأعمالهم في الدنيا والآخرة ويشهدون للأنبياء عليهم السلام على أممهم بالتكذيب لإخبار الله تعالى إياهم بذلك وهم مع ذلك حجة على من جاء بعدهم في نقل الشريعة وفيما حكموا به واعتقدوه من أحكام الله تعالى،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :143

آیت سے امت محمدی ﷺ کی اجماع کے صحت کا استدلال کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔([201])اور ساتھ ساتھ فرق باطلہ خوارج([202])اور روافض([203])کے اجماع کی تردید کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔([204])

امام قرطبیؒ نے آیت کے ذیل میں چار مسائل ذکر کی ہے۔

بعض الفاظ کی لغوی تحقیق اور اس کی تائید میں چند اشعار سے دلیل پیش کیا ہے۔

---

[201]۔ في هذه الآية دلالة على صحة إجماع الأمة من وجهين أحدهما وصفه إياها بالعدالة وأنها خيار وذلك يقتضي تصديقها والحكم بصحة قولها وناف لإجماعها على الضلال والوجه الآخر قوله لتكونوا شهداء على الناس بمعنى الحجة عليهم كما أن الرسول لما كان حجة عليهم وصفه بأنه شهيد عليهم ولما جعلهم الله تعالى شهداء على غيرهم فقد حكم لهم بالعدالة وقبول القول لأن شهداء الله تعالى لا يكونون كفارا ولا ضلالا فاقتضت الآية أن يكونوا شهداء في الآخرة على من شاهدوا في كل عصر بأعمالهم دون من مات قبل زمنهم كما جعل النبي ص - شهيدا على من كان في عصره هذا إذا أريد بالشهادة عليهم بأعمالهم في الآخرة فأما إذا أريد بالشهادة الحجة فذلك حجة على من شاهدوهم من أهل العصر الثاني وعلى من جاء بعدهم إلى يوم القيامة كما كان النبي ص - حجة على جميع الأمة أولها وآخرها ولأن حجة الله إذا ثبتت في وقت فهي ثابتة أبدا ويدلك على فرق ما بين الشهادة على الأعمال في الآخرة والشهادة التي هي الحجة قوله تعالى فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا،جصاص،احکام القرآن،سورہ البقرۃ :143

[202]۔ خوارج: خارجی کی جمع ہے۔یہ ایک باطل و گمراہ فرقہ ہے۔یہ آپس میں 20 فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سارے کے سارے دو باتوں پر متفق ہیں: 1۔ان کا ماننا ہے کہ سیدنا علی،سیدنا عثمان،جنگ جمل میں شریک سارے صحابہ اور فیصلہ کرنے والے دو صحابہ،اور جو اُن کے فیصلے پر راضی ہوئے ہیں۔وہ سب کے سب کافر ہیں۔(خوارج نے صحابہ کو کافر کہا۔معاذاللہ) 2۔رسول اللہ کی اُمت میں جو بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا،وہ کافر اور ابدی جہنمی ہے۔ان کے نزد ظالم بادشاہ سے بغاوت کرنا جائز ہے۔الاسفرائینی،طاہر بن محمد،التبصیر فی الدین وتمیز الفرقۃ الناجیۃ عن الفرق الھالکین،عالم الکتب،بیروت،1403ھ/1983ء،ص45

[203]۔ روافض،رافضی کی جمع ہے۔رفض سے نکلاہے،جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔کوفی شیعوں کے ایک گروہ کا نام ہے،ان لوگوں نے زید بن علی کے سامنے صحابہ کرام کو برا بھلا کہا،جس پر اُنہوں نے ناراضگی کا اِظہار کیا،اس پر یہ لوگ اُن کے درپے ہوئے کہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اعلان کریں،مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ وہ میرے نانا کے وزیر اور ساتھی ہیں،اس لیے انہوں نے زید بن علی سے الگ ہو جانے کا اعلان کیا،اس لیے روافض کہلائے۔امام شعبیؒ فرماتے ہیں: روافض یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں اس لیے کہ جب اُن سے پوچھا جائے کہ تمہارے ہاں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟تو اُن کا جواب ہوتا ہے: اصحابِ سیدنا موسیٰ اور اصحاب عیسیٰ علیہما السلام اور جب روافض سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے نزدیک بدترین لوگ کون ہیں؟تو اُن کا جواب ہوتا ہے کہ: رسول اللہ کے صحابہ ،الاسفرائینی،التبصیر فی الدین،ص41

[204]۔ وفي الآية دلالة على أن من ظهر كفره نحو المشبهة ومن صرح بالجبر وعرف ذلك منه لا يعتد به في الإجماع وكذلك من ظهر فسقه لا يعتد به في الإجماع من نحو الخوارج والروافض وسواء من فسق من طريق الفعل أو من طريق الإعتقاد لأن الله تعالى إنما جعل الشهداء من وصفهم بالعدالة والخير وهذه الصفة لا تلحق الكفار ولا الفساق ولا يختلف في ذلك حكم من فسق أو كفر بالتأويل أو برد النص إذ الجميع شملهم صفة الذم ولا يلحقهم صفة العدالة بحال والله أعلم ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:143

امت محمدی ﷺ کی گواہی کی کیفیت۔
امت محمدی ﷺ کی فضیلت۔([205])
امت محمدی ﷺ کی اجماع کی صحت کا ثبوت۔
علامہ آلوسیؒ اور قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے بھی انہی مسائل کو تفصیل اور ترتیب سے ذکر کیا ہے۔
آیت 144۔علامہ جصاصؒ آیت کے ذیل میں بعض الفاظ کی لغوی وضاحت بیان کی ہے۔اور اس سے فقہی مسائل اور جزئیات کا استنباط کیا ہے جیسا کہ بیان فرماتے ہیں۔([206])
آیت مبارکہ سے اجتہاد کی اثبات پر دلیل قائم کیا ہے۔([207])
امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں بعض الفاظ کی لغوی وضاحت بیان فرمائی ہے۔اس کے بعد آیت میں چند مسائل بیان رمائے ہیں۔،المسجد الحرام،سے مراد کعبہ ہے۔

[205]۔ وروى أبان وليث عن شهر بن حوشب عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : أعطيت أمتي ثلاثا لم تعط إلا الأنبياء كان الله إذا بعث نبيا قال له ادعني استجب لك وقال لهذه الأمة {ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} وكان الله إذا بعث النبي قال له ما جعل عليك في الدين من حرج وقال لهذه الأمة {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} وكان الله إذا بعث النبي جعله شهيدا على قومه وجعل هذه الأمة شهداء على الناس،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :143

[206]۔ فإن أهل اللغة قد قالوا إن الشطر اسم مشترك يقع على معنيين أحدهما النصف يقال شطرت الشيء أي جعلته نصفين ويقولون في مثل لهم أحلب حلبا لك شطره أي نصفه والثاني نحوه وتلقاؤه ولا خلاف أن مراد الآية هو المعنى الثاني قاله ابن عباس وأبو العالية ومجاهد والربيع بن أنس ولا يجوز أن يكون المراد المعنى الأول إذ ليس من قول أحد أن عليه استقبال نصف المسجد الحرام واتفق المسلمون لو أنه صلى إلى جانب منه أجزأه وفيه دلالة على أنه لو أتى ناحية من البيت فتوجه إليها في صلاته أجزأه لأنه متوجه شطره،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:144

[207]۔ وهذا أحد الأصول الدالة على تجويز الاجتهاد في أحكام الحوادث وأن كل واحد من المجتهدين فإنما كلف ما يؤديه إليه اجتهاده ويستولي على ظنه ويدل أيضا على أن للمشتبه من الحوادث حقيقة مطلوبة كما أن القبلة حقيقة مطلوبة بالاجتهاد والتحري ولذلك صح تكليف الاجتهاد في طلبها كما صح تكليف طلب القبلة بالاجتهاد لأن لها حقيقة لو لم يكن هناك قبلة رأسا لما صح تكليفنا طلبها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:144

اور اس میں بعض لوگوں کے اقوال ذکر کئے ہیں لیکن اپنے قول کی تائید کے لئے ابن عباس کی حدیث نقل کی ہے۔([208])آیت کے نیچے ایک فقہی مسئلہ کا ذکر کیا ہے، کہ دوران نماز نمازی سامنے کی طرف دیکھے یا موضع سجدہ کو دیکھے۔اس مسئلہ میں مسلک مالکی کو ترجیح دے کر بیان فرماتے ہیں۔([209])

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ضمن میں بعض الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تراکیب خوب بیان فرمائی۔اور اس سے اپنی مدعا کو ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

آیت 145۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت مبارکہ کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دی ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ضمن میں بعض الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق کرتے ہوئے امام فراءاور سیبویہ کے اقوال لکھے ہیں۔

آیت کے مخاطبین کی تعین کی ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو تعظیماً ہے اور مراد اس سے امت ہے۔

علامہ آلوسیؒ اور قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے بھی اس آیت میں صرفی، نحوی اور لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔اور ساتھ ساتھ اعرابی حیثیت واضح کر کے ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آیت 147،146،145۔ان آیات کو علامہ جصاصؒ نے اپنی تفسیر میں شامل نہیں کیا۔ جبکہ امام قرطبیؒ، قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ان کا مفہوم مختصر بیان کیا ہے۔ لیکن قاضی صاحب نے آیت مبارکہ سے صوفیاء کرام کے ساتھ تعلق کا اثبات کیا ہے۔اور اس کی طرف ترغیب دی ہے۔

---

208۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ يعني الكعبة ، ولا خلاف في هذا. قيل حيال البيت كله ، عن ابن عباس. وقال ابن عمر : حيال الميزاب من الكعبة ، قال ابن عطية. والميزاب هو قبلة المدينة وأهل الشام ، وهناك قبلة أهل الأندلس.قلت : قد روى ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : البيت قبلة لأهل المسجد والمسجد قبلة لأهل الحرم والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :144

209۔ في هذه الآية حجة واضحة لما ذهب إليه مالك ومن وافقه في أن المصلي حكمه أن ينظر أمامه لا إلى موضع سجوده. وقال الثوري وأبو حنيفة والشافعي والحسن بن حي. يستحب أن يكون نظره إلى موضع سجوده. وقال شريك القاضي : ينظر في القيام إلى موضع السجود ، وفي الركوع إلى موضع قدميه ، وفي السجود إلى موضع أنفه ، وفي القعود إلى حجره. قال ابن العربي : إنما ينظر أمامه إن حنى رأسه ذهب بعض القيام المفترض عليه في الرأس وهو أشرف الأعضاء ، وإن أقام رأسه وتكلف النظر ببصره إلى الأرض فتلك مشقة عظيمة وحرج. وما جعل علينا في الدين من حرج ، أما إن ذلك أفضل لمن قدر عليه.،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:144

آیت 148۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت میں ،وجھۃ، کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے مختلف تابعین کے اقوال پیش کی ہیں۔ کہ وجھۃ ،سے مراد طریقہ، اسلام، ملت اور نبی ہے۔ اور بیان فرماتے ہیں کہ ،فاستبقوا، میں امر وجوب کے لئے ہے۔ اور اس پر چند فقہی مسئلے بھی متفرع کئے ہیں کہ تعجیل نماز کی طرح باقی عبادات زکوۃ، حج اور صوم وغیرہ میں بھی تعجیل کا حکم ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت بعض کلمات کی صرفی، لغوی تحقیق کرکے اس کی اعرابی حیثیت خوب واضح کی ہے۔ فاستبقوا الخیرات، کی تشریح کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد، نماز کو پہلے وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور ساتھ ساتھ نماز کو پہلے وقت میں ادا کرنے کی فضیلت کے بارے میں چند احادیث بیان فرمائے ہیں۔ ([210])

علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ اور قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر میں متفق ہے۔

آیت 149۔ علامہ جصاصؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کو جگہ نہیں دی ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت میں تکرار کے وجوہ ذکر کرکے درست وجہ کی نشاندہی کی تائید میں حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں۔ ([211]) اور اس کے ساتھ مختلف احادیث کی تطبیق بھی کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اور قاضی ثناءاللہ صاحب نے اس آیت میں مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوتے صرفی اور نحوی تحقیق کرتے ہوئے آیت کی ترکیب اچھی طرح واضح کی ہے۔

آیت 150۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت میں بہت اختصار سے کام لیا ہے صرف استثنیٰ کی وضاحت کی ہے۔ اور مختلف اقوال ذکر کرکے ایک کی تائید میں شعر سے استدلال پیش کرتے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں استثنیٰ کی بحث پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور مختلف ائمہ نحات کے اقوال ذکر کرتے ہوئے امام زجاج ([212]) کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور لفظ ،نعمت، کی تفسیر میں مختلف ائمہ کے اقوال تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے بھی آیت میں تفسیر سے صرف نظر اختیار کیا ہے۔

---

[210]۔ وروي أيضا عن إبراهيم بن عبدالملك عن أبي محذورة عن أبيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أول الوقت رضوان الله ووسط الوقت رحمة الله
وروى الدارقطني أيضا عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : خير الأعمال الصلاة في أول وقتها،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ : 148

[211]۔ وقد روى الدارقطني عن أنس بن مالك قال : كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان في سفر فأراد أن يصلي على راحلته استقبل القبلة وكبر ثم صلى حيث توجهت به،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرہ:150

[212]۔ ابراہیم بن سری بن سہل ابو اسحاق، زجاج 241ھ/855ء۔ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ نحو اور لغت کے ماہر عالم تھے۔ شیشہ گری کا کام کرنے کی وجہ سے زَجّاج کہلائے۔ مبرد سے علم نحو سیکھا۔ بغداد میں 311ھ/923ء کو وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج1، ص49۔ الزرکلی،الاعلام، ج1ص40

علامہ آلوسیؒ نے آیت کی تفسیر میں قدرے اختصار سے کام لیا ہے۔اور لفظ، نعمت، کی تعین میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں اور بعض کی تائید میں احادیث بھی بیان فرمائی ہے۔

آیت 151۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت سے صرفِ نظر کیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے اور علامہ آلوسیؒ نے اس آیت میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ صرف نحوی تحقیق کرتے ہوئے آیت کی ترکیب خوب واضح کی ہے۔البتہ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے آیت مبارکہ میں صوفیاء کے ساتھ تعلق کے فوائد بیان کئے ہیں۔اور بات بیان فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ تعلق میں نئے نئے علوم اور اسرار انسان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

آیت 153،152۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نحوی ترکیب کرکے آیت کے معنی کی تعین کی ہے۔اور ،ذکر، کے تعین میں مختلف اقوال بیان فرمائے ہیں ۔ اور ساتھ ساتھ فضیلت ذکر کے حوالے سے مختلف احادیث بیان فرمائے ہیں۔([213])ایک اعتراض اور اس کا جواب اچھی طرح بیان فرمایا ہے۔اور بیان فرمایا ہے کہ ذکر سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کے قدرت کے نشانات میں غور وفکر کرنا ہے اور اس تائید میں چند احادیث بیان فرمائے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں شکر کی لغوی، لغوی اور صرفی تحقیق بیان فرمائی ہے۔اور ذکر کی فضیلت میں امام جصاصؒ کی طرح چند آحادیث ذکر کی ہے۔اور علماء کے اقوال بیان فرمائے ہیں۔اور آیت 153 کی تفسیر سے صرفِ نظر کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اور قاضی صاحب نے اس آیتوں میں اختصار سے کام لیا ہے۔ذکر کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔اور ساتھ ساتھ صرفی اور نحوی تحقیق کرکے آیت کی ترکیب اچھی طرح واضح کی ہے۔ لیکن قاضی صاحب نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں ذکر قلبی، لسانی اور جہری کا بیان فرمایا ہے۔

آیت 154۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت کی تفسیر میں شہداء کے لئے حیات کا اثبات کیا ہے۔اور ساتھ ساتھ آیت مبارکہ سے عذاب قبر کا استدلال بھی کیا ہے۔شہداء کے فضائل میں چند آحادیث بیان فرمائے ہیں۔([214])

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔اور فرماتے ہیں کہ اس کی تفصیل آئندہ سورتوں([215]) میں ان شاءاللہ آئے گی۔اور صرف ترکیبی حیثیت واضح کی ہے اور آیت سے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے۔

---

[213] ۔ حدثنا عبدالملك بن محمد قال حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى عن أسامة بن زيد عن محمد عن عبدالرحمن عن سعد بن مالك عن النبي أنه قال خير الذكر الخفي وخير الرزق ما يكفي،
جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:152

[214]۔ أخبرنا معمر عن الزهري عن كعب بن مالك أن النبي قال نسمة المسلم طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعها إلى جسده،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :154

[215]۔سورۃ آل عمران:169

قاضی ثناءاللہ صاحب نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں اختصار سے کام لیاہے۔ صرف یہ مسئلہ تفصیلاً ذکر کیاہے کہ اولیاء کرام اپنے دوستوں کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔اور دشمنوں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے س آیت کی تفسیر میں قدرے تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ شہداء کے لئے حیات کا اثبات کیاہے۔ شہداء کے فضائل کے حوالے سے چند آحادیث نقل کی ہیں اگرچہ ان بعض کی اسنادی حیثیت ضعیف ہے۔اور ساتھ ساتھ روح اور جسد کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔

آیت 155،156۔علامہ جصاصؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔کہ اس آیت کے مخاطبین مہاجرین صحابہ کرام ہیں۔ جن پر ہجرت کے بعد مختلف تکالیف آئے تھے۔اور امتحان کی دو تشریح کی ہیں۔اور کلمہ استرجاع کی تشریح مختصر کی ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نحوی ترکیب خوب واضح کی ہے۔اور آیت میں مختلف کلمات کی تشریح مختلف صحابہ کرام کے اقوال سے بیان فرمائی ہیں۔اور صابرین کی تعین میں مختلف صوفیاء کرام کے اقوال ذکر کئے ہیں۔([216])اور صبر کے فضائل میں آحادیث بیان فرمائے ہیں۔([217])مصیبت کی لغوی تحقیق کی ہے اور معنی کا استدلال حدیث سے کی ہے۔([218])اور کلمہ استرجاع کے فضیلت میں آحادیث ذکر کئے ہیں۔([219])

---

[216]۔ وقال سهل بن عبدالله التستري : لما قال تعالى : {وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ} صار الصبر عيشا. والصبر صبران : صبر عن معصية الله ، فهذا مجاهد ، وصبر على طاعة الله ، فهذا عابد. فإذا صبر عن معصية الله وصبر على طاعة الله أورثه الله الرضا بقضائه ، وعلامة الرضا سكون القلب بما ورد على النفس من المكروهات والمحبوبات. وقال الخواص : الصبر الثبات على أحكام الكتاب والسنة. وقال رويم : الصبر ترك الشكوى. وقال ذو النون المصري : الصبر هو الاستعانة بالله تعالى. وقال الأستاذ أبو علي : الصبر حدة ألا تعترض على التقدير ، فأما إظهار البلوى على غير وجه الشكوى فلا ينافي الصبر،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:155

[217]۔ كما روى البخاري عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : إنما الصبر عند الصدمة الأولى، قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:155

[218]۔ عن عكرمة أن مصباح رسول الله صلى الله عليه وسلم انطفأ ذات ليلة فقال:إنا لله وإنا إليه راجعون فقيل:أمصيبة هي يا رسول الله قال:نعم كل ما آذى المؤمن فهو مصيبة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:156

[219]۔عن هشام ابن زياد عن أمه عن فاطمة بنت الحسين عن أبيها قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ،من أصيب بمصيبة فذكر مصيبته فأحدث استرجاعا وإن تقادم عهدها كتب الله له من الأجر مثله يوم أصيب،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:156

وروى مسلم عن أم سلمة قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما أمره الله عز وجل إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم أجرني في مصيبتي وأخلف لي خيرا منها إلا أخلف الله له خيرا منها، ایضاً

قاضی صاحبؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نحوی ترکیب خوب واضح کی ہے۔اور آیت میں مختلف کلمات کی تشریح مختلف صحابہ کرام کے اقوال سے بیان فرمائی ہیں۔اور صبر کے فضائل میں چند آحادیث بیان فرمائے ہیں۔اور کلمہ استرجاع کے فضیلت میں چند آحادیث بیان فرمائے ہیں۔

# باب دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 157 تا 168 کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

# فصل اول

## سورۃ البقرۃ آیت 157 تا 160 کا اُردو ترجمہ،
## تخریج اور تحقیق

أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ 157 إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ 158 إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَـئِكَ يَلعَنُهُمُ اللّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللاَّعِنُونَ 159 إِلاَّ الَّذِينَ تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ وَبَيَّنُواْ فَأُوْلَـئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ 160

ترجمہ: یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے، اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔157 بیشک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ قدر شناس اور دانا ہے۔158 جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد) سے چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم نے ان لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔159 ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکام الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں۔ تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا اور رحم والا ہوں 160۔

اور اس پر دلیل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول (أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ) اور صلوۃ اصل میں وہی ہے جس پر اکثر علماء لغت ہے یعنی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد ثناء، تعظیم اور مغفرت ہے۔ اور امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ شان کے موافق ہے۔ اور معنی وہی ہے جو مناسب ہو چاہے حقیقی ہو یا مجازی یعنی ثناء یا مغفرت۔ کیونکہ رحمت کا ارادہ کے ساتھ تکرار لازم ہے۔ اور اس میں مخالفت ہے اس روایت سے جو روایت کی گئی ہے۔ کہ صابرین کے لئے دو اچھے بدلے صلوۃ اور رحمت ہیں ([220]) ۔ اور جمع کی صیغہ کی مناسبت کی وجہ سے اس کو تعظیم اور مناسب شان پر حمل کیا ہے۔ پھر جب ہم دو معنوں کو جائز کرے تو عموم مشترک کا جواز آتا ہے۔ یا حقیقت اور مجاز کا جمع اور دونوں مجازی معنوں کا تو دونوں مذکور معنوں کا ارادہ کرنا ممکن ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو مراد ایک ہو گا۔ اور رحمت کا معنیٰ مقدم ہے۔ اور لفظ ،علیٰ، کے ساتھ لے آنا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ یقیناً اس میں داخل ہوئے ہیں اور اس نے ڈھانپے ہیں۔ تو یہ ،علیٰ، لام سے ابلغ ہے۔

اور صلوات کا جمع لے آنا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بہت اقسام پر مشتمل ہے۔ صفات کی اختلاف کے ساتھ وہ جس سے حمد و ثناء ہوتے ہیں اور گناہ جس کا تعلق مغفرت کے ساتھ ہے۔ اور کہا گیا کہ ایذان کے لئے ہے۔ کہ صلاۃ بعد صلاۃ سے مراد تثنیہ ہے جیسا کہ ،لَبَّيكَ اور سَعْدَيْكَ میں ہے۔ اور اس میں یہ قول کہ جمع کا لے آنا مجرد تکرار کے لئے تو اس کا نظیر کلام عرب میں نہیں ملتا

---

[220] الصَّبْرِ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نِعْمَ الْعِدْلَانِ وَنِعْمَ الْعِلَاوَةُ {الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمْ الْمُهْتَدُونَ} وَقَوْلُهُ تَعَالَى {وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ} ، صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصدمۃ الاولی، اصل میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جو امام بخاریؒ نے حدیث رقم: 1302 سے پہلے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

ہے۔اور تنوین اس میں تفخیم اور تعرض کے لئے ہے۔اور یہ عطف ربوبیت کی عنوان مزید عنایت کے اظہار کے لئے ہے۔اور،مِنْ ابتدائیہ ہے اور کہا گیاہے کہ تبعیضیہ ہے۔توپھر مضاف محذوف ہے۔ای، من صلوٰت ربہم،اور جملہ اسمیہ کا لانااس طرف اشارہ ہے کہ یہ نزول ان پر دنیا وآخرت دونوں میں ہے۔ابن ابی حاتمؒ، طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔جس نے استرجاع کیا مصیبت کے وقت تواللہ تعالیٰ ان کے مصیبت کا ازالہ کرے گااور آخری انجام کو بہتر کرے گا۔اور اس کو اچھا بدلہ دیگا جس پر وہ راضی ہو گا۔ (221)

(أُولَـئِكَ) یہ اشارہ ہے سابق صابرین کو جس کی صفت کی گئی ہے۔اور یہ تکرار ان پر کمال عنایت کے اظہار کے لئے ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اشارہ ان کے مقام کے اعتبار کی وجہ سے ہے۔جو کہ صلاۃ اور رحمت سے مذکور ہے۔توپہلے قول کے اعتبار سے اہتداء سے مراد جو اللہ تعالیٰ کی قول (هُمُ الْمُهْتَدُونَ) میں حق اور صواب کی طرف ہدایت ہے۔اور جملہ ماقبل کے لئے تاکید ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔کہ یہی لوگ ہر حق وصواب کے لئے ہدایت کے ساتھ خاص کئے گئے ہیں۔اور اس وجہ سے وہ استرجاع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔اور دوسرے قول کے مطابق وہ ہدایت پانااور اپنے مقاصد کو کامیابی سے حاصل کرنا ہے۔مطلب یہ کہ اپنے دینی اور دنیاوی مطالب میں کامیاب ہونا ہے۔پس جس نے اللہ تعالیٰ کا تزکیہ اور رحمت حاصل کی توان کا مقصد فوت نہیں ہوا۔

تفسیر اشاری۔(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ) اورایمان سے مراد ایمان عیانی ہے۔(اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ) تم مدد طلب کرو صبر کے ساتھ اور میری تجلیات کی عظمت اور میرے کبریائی کے غلبے کے ساتھ۔ (وَالصَّلاَةِ) یعنی شہود حقیقی سے (إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ) (222)جو میری تجلیات کے انوارات کی طاقت رکھتے ہو۔ (وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ) اور تم نہ کہو ان کو جو ختم ہوئے اور قتل ہوئے توحید کے راستے میں۔ (أَمْوَاتٌ) عاجز اور ناتواں،بَلْ، بلکہ وہ (أَحْيَاء) زندہ ہیں حیات حقیقی دائمی سرمدی کے ساتھ۔اللہ تعالیٰ کے لئے شہید ہوئے اور وہ اس حیات پر قادر ہیں۔ (وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ) (223)،لیکن تم شعور نہیں رکھتے تمہاری بصیرت کے اندھا ہونے کی وجہ سے اور نور سے محرومی کی وجہ سے جس سے دل عالم قدس اور ارواح کے حقائق

---

221 ۔ حدثنا بكر ثنا عبد الله حدثني معاوية عن علي بن أبي طلحة عن بن عباس في قوله { الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون أولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون } قال أخبرنا عز وجل أن المؤمن إذا سلم لأمر الله ورجع فاسترجع عند المصيبة كتب ثلاث خصال من الخير الصلاة والرحمة وتحقيق سبيل الهدى وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استرجع عند المصيبة جبر الله مصيبته وأحسن عقباه وجعل له خلفا صالحا يرضاه ،الطبرانی،ابوالقاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی،المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، 1404ھ/1983ء، رقم: 13027۔ابن ابی حاتم، ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم،المکتبۃ العصریہ، بیروت، س۔ن، سورۃ البقرۃ: 157۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

222۔ سورۃ البقرۃ:153

223۔ سورۃ البقرۃ:154

دیکھتے ہیں۔ (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍمِّنَ الْخَوفْ) وہ خوف جو نفس کی انکساری اور شکست کا موجب ہو۔(وَالْجُوعِ ) اور بھوک جو بدن کو ٹکڑے کرے۔([224])اور قوت کو کمزور کرے۔اور ان کے موجب ہو جو خواہشات کے پردے کو رفع کرے ۔اور یہ بھوک شیطان کو دل میں داخل ہونے سے روکنے کا موجب ہو۔ ( وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ ) وہ جو کہ نفس کی سرکشی کو زیادہ کرنے اور مظبوط کرنے کے لئے مواد اور وسائل ہو۔ (وَالأنفُسِ) جو کہ غالب ہونے والے ہیں دلوں پر ان کے صفات۔یااپنے احباب کے نفوس جن کے پاس تم پناہ لیتے تھے۔ (وَالثَّمَرَاتِ ) یعنی نفسانی لذتیں جو مزے لیتے ہیں معارف قلبیہ اور روحانی مشاہدات کے وقت اپنے دلوں کو ریاضت کی آگ سے تازہ کرنا۔ (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ) اور صابرین کو میری معیت اور میری محبت کی لذت کی بشارت دو۔ (الَّذِينَ إِذَاأَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ) میرے تصرفات ان میں سے اور میرے قدرت کے آثار جو اس نے دیکھے۔بلکہ میرے تجلیات کے انوارات،اور انہوں نے یقین اور تسلیم کیا کہ وہ میری ملکیت ہے۔میں اس میں اپنے تجلیات سے تصرف کرتا ہوں اور مجھ میں پناہ ہو گئے ہیں اور مجھ میں اپنی ہلاکت کے مشاہدہ کیا ہے۔ (فَقَالُواْإِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ)(أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ) اس کی وجود کی وجہ سے جو پہلی بار فنا ہونے کے بعد اسے ہبہ کیا گیا ہے۔میری صفات سے جس پر میرے انوار پھیلے ہوئے ہیں۔ (وَرَحْمَةٌ) یعنی ہدایت جس پر میری مخلوق ہدایت پاتی ہے۔اور جو میری طرف ارادہ کرے۔ (وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ) جو بڑا گناہ سے نجات پانے کے بعد مجھ کو پہنچنے والے ہیں۔ (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّهِ)جب اشارہ کیااللہ تعالیٰ نے پہلی آیتوں میں جہاد کواور اس کے بعد افعال حج کو بیان کیا جیسا کہ حج اور غزوات کو جمع کیا۔کیونکہ ان دونوں میں نفس کی دشواری اور مال کا خرچ ہونا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ صبر کے ذکر کرنے کے بعد حج کا بحث ذکر کیا۔کیونکہ اس میں ایسے امور ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہیں۔اور ،الصفا،اصل میں نرم اور چمکدار پتھر ہے۔جو کہ ،صفایصفوا ،سے ماخوذ ہے۔جب خالص ہو۔اور اس کی واحد،صفاۃ ہے۔جیسا کہ حصیٰ کی حصاۃاور نویٰ کی نوۃ۔اور کہا گیا ہے کہ صفاواحد ہے۔اور امام مبردؒ ([225])فرماتے ہیں۔کہ یہ ہر وہ پتھر ہے جو کہ مٹی اور تراب کی ملاوٹ سے پاک ہو۔اور اصل اس کی واو سے ہے۔کیونکہ اس کی تثنیہ صفوان ہے۔اور اس میں امالہ جائز نہیں ہے۔اور المرٰوی اصل میں سفید نرم پتھر ہے۔اور ایک لغت اس میں المرو ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ جمع جیسا کہ تمر و تمرۃ پھر یہ دونوں عرف میں مکہ میں دو معروف جگہوں کے اسماء بن گئے یعنی علمیت اس میں غالب ہو گئی۔اور لام دونوں میں لازم ہے۔اور کہا گیا ہے کہ اس کو صفا پر اس لئے مسمیٰ کیا کیونکہ اس پر حضرت آدمؑ بیٹھے تھے اور المروۃ کو مروۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر حضرت آدمؑ کی بیوی

---

224 ۔ابن العربی،ابو بکر محمد بن عبداللہ، تفسیر احکام القرآن،دارالعلم،بیروت،س۔ن،سورۃالبقرۃ : 155

225۔ محمد بن یزید بن عبدالاکبر الثمالی الازدی ابوالعباس المعروف بالمبرد۔اپنے زمانے میں بغداد کے امام عربیت تھے۔ادیب اور اخباری تھے۔210ھ/726ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔کئی مفید کتابیں لکھیں۔286ھ/899ء کو بغداد میں وفات پائی۔ابن خلکان، وفیات الاعیان،ج 4،ص313،ترجمہ،636۔الزرکلی،الاعلام،ج7،ص144

حواؑ بیٹھی تھی۔اور شعائر جمع ہے شعیرۃ کی یا شعارۃ کی جس کا معنیٰ علامت اور نشان ہے۔اور ان دونوں سے حج کے جدا جدا عبادات مراد ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان طواف کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کی علامت ہے۔یہ وہ دونوں جگہیں ہیں جہاں پر دین قائم ہوا تھا۔اور یا ان علامات میں سے ہے جس کے درمیان سعی کی عبادت کی جاتی ہے۔اور یہ جاہلیت کے علامات میں سے نہیں ہے۔ (فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ) حج لغت میں مطلق قصد یا قصدا عظم کو کہتے ہیں۔اور بعض نے اس کو مقید کیا تکرار کی وجہ سے۔اور عمرۃ کا معنی ہے زیارت اور یہ عمارت سے لیا گیا ہے۔جیسا کہ زیارت کرنے والا اپنی زیارت سے مکان تعمیر کرتا ہے۔ان دونوں (بیت اللہ اور اس کی زیارت) پس دونوں نے شرعاً اس مقصد پر جو بیت کے ساتھ متعلق ہے غلبہ کیا ہے۔اور گھر مفہوم سے خارج ہے۔اس میں نسبت ماخوذ ہے۔پس اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔پس رد نہیں کیا جا سکتا کہ بیت دونوں (حج، عمرہ) کے مفہوم میں ماخوذ ہے۔پس صرف حج یا عمرہ کافی ہے۔اور اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ اسموں کے مفہوم سے ماخوذ ہیں اور فعلین کے مفہوم سے خارج ہیں۔اور تجرید کا اعتبار کرتے ہوئے ان دونوں کے مفہوم کو مقدر ماناہے۔ تاکہ بیت اللہ کی شرافت ظاہر ہو۔

(فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا) یعنی ان کے طواف میں گناہ نہیں ہے۔اور جناح اصل میں مائل ہونے کو کہتے ہیں۔ اور اسی سے (وَاِنْ جَنَحُوْ لِلسَّلْمِ) ([226]) ہے اور جناح کو اسم اس لئے مسمیٰ کیا کہ یہ جناح حق سے باطل کی طرف مائل ہونا ہے۔اور یطوّف اصل میں یتطوف تھا پس، تا، کو، طا، میں مدغم کیا اور اس کا شان نزول وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح روایت میں ہے کہ صفا پر آدمی کی صورت میں ایک بت تھا جس کو اساف کہتے تھے۔اور مروۃ پر عورت کی شکل میں ایک بت تھا جس کو نائلہ پکارتے تھے۔اہل کتاب ان کے بارے میں گمان کرتے کہ ان دونوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنائے۔پس ان دونوں کو صفا اور مروہ پر عبرت کے لئے رکھا۔جب زمانہ گزرتا گیا تو اللہ کے سوا ان دونوں کی عبادت کی گئی اہل جاہلیت ان دونوں بتوں کے درمیان طواف کرتے تو ان کو مسح کرتے تھے۔اور جب اسلام آیا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمان ان کے درمیان طواف کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔([227]) اور اس سے وہ اعتراض دفع ہوا جو کہتے ہیں کہ نفی جناح میں اثبات کے بعد کوئی فائدہ نہیں ہے۔کہ یہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہیں بلکہ اکثر وہ ملازمہ نہیں کرتے کہ ادنی درجہ ندب اور غایہ درجہ اباحت ہے۔اور حج اور عمرہ میں ان دونوں کے درمیان طواف کی مشروعیت پر اجماع واقع ہوا ہے۔بوجہ دلالت نفی گناہ کی قطعاً۔ لیکن پھر اس کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے امام احمدؒ سے

---

[226]۔سورۃ الانفال: 61

[227]۔الواحدی، ابوالحسین علی بن احمد الواحدی، اسباب النزول، مکتبۃ دار العلم، بیروت، س۔ن، ص42

روایت کی گئی ہے کہ یہ طواف سنت ہے۔اور یہ حضرت انسؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ (228) کی بھی رائے ہے۔ کیونکہ گناہ کی نفی جواز پر دلالت کرتی ہے۔اور اس سے عدم لزوم ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّتَرَاجَعَا) (229)اور مباح بھی نہیں ہے بالاتفاق اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے (مِن شَعَآئِرِ اللهِ) پس مندوب ہوگا۔اور یہ قول کہ جناح کی نفی جواز پر دلالت کرتی ہے اور ذہن میں عدم لزوم آتا ہے تو یہ قول ضعیف ہے۔ مگر یہ کہ وجوب کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے پس کوئی دفع نہیں اس کے وجوب پر اور نہ ہی نفی ہے اور یہی مقصود ہے۔اور شائد یہاں ایک اور دلیل جو اس کی وجوب پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ) (230) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔اور شائد یہ تمہارے اس قول کی طرح ہو۔ کہ جس پر نماز ظہر لازم ہو اور وہ گمان کرے کہ یہ غروب شمس کے وقت جائز نہیں ہے۔ پس پوچھا اس کے بارے میں، کہ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اس کو اسی وقت پڑھو۔ پس جواب صحیح ہوگا۔اور یہ نفی ظہر کی نماز کے وجوب کا تقاضا نہیں کرتی۔اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ یہ رکن ہے اور ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔اور انہوں نے استدلال کیا ہے اس روایت سے جو امام طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا پس فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے پس سعی کرو۔(231)

اور ہمارے امام صاحب ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ یہ واجب ہے۔اور اس کا جبیرہ دم ہے۔ کیونکہ آیت مبارکہ دلالت نہیں کرتی مگر گناہ کی نفی پر جو جواز کو مستلزم ہے۔اور رکن ہونا ثابت نہیں ہوتا مگر دلیل قطعی سے اور وہ نہیں پائی جاتی ہے۔اور حدیث حصول حکم کا فائدہ دیتا ہے بطور علت اور ذہن میں ثابت کرنے کے اعتبار سے۔اور دلالت نہیں کرتا غایہ وجوب تک پہنچنے پر کیونکہ اس کے فوت ہونے کے ساتھ اس کا جواز فوت ہو جاتا ہے۔اس کی رکنیت متحقق ہونے کی وجہ سے اور یہ ظنی السند ہے۔ اگر قطعی

---

228 ۔عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما،قرشی،اسدی،ابو بکر، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے مولود ہیں۔1ھ/622ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔سیدنا عثمان ذی النورین ص کے دورِ خلافت میں فتح افریقہ میں شریک تھے۔64ھ/685ء کو یزید کی موت کے بعد ان کے لیے خلافت کی بیعت لی گئی۔ مصر، حجاز، یمن، خراسان، عراق اور شام پر حکومت کی۔آپ کی مدتِ خلافت نو سال ہے۔آپ کے عہد خلافت میں گول سکّوں کا اجراء ہوا۔آپ سے 33 احادیث مروی ہیں۔73ھ/692ء کو شہید کردیے گئے۔ابن حجر،الاصابہ،ج2،ص 309۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص87

229 ۔سورۃ البقرۃ:230

230 ۔سورۃ النساء:101

231 ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ وَاصِلٍ مَوْلَى أَبِي عُيَيْنَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ أَنَّ امْرَأَةً أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا سَمِعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَقُولُ كُتِبَ عَلَيْكُمْ السَّعْيُ فَاسْعَوْا مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم:27467 ۔حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

الدلالت فرض کیاجائے تو پھر فرضیت پر دلالت نہیں کرے گا۔اور امام مسلمؒ نے عائشہ ؓ[232] سے روایت کیا ہے جو انہوں عمرے کے بارے میں فرمایا تھا کہ جو صفا اور مروی کے درمیان سعی نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کے حج و عمرہ کو تمام نہیں کرتا[233]۔اسی طرح اس میں بھی فرضیت کی دلیل ہم تسلیم نہیں کرتے لیکن ان کا مذہب ہے اور مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ پس اس سے لازم نہیں آتا کہ یہ اس سے متعارض ہو جیسا کہ روایت کیا ہے شعبیؒ[234] نے عروۃ بن مضرس الطائیؓ سے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں مزدلفہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں جبل طیٔ سے آیا ہوں میں نے ایسا پہاڑ نہیں چھوڑا جس پر میں نے وقوف نہیں کیا تو کیا میرا حج ہو گیا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز ادا کیا اور اس جگہ پر ہمارے ساتھ وقوف کیا۔ اس رات یا دن سے پہلے پس اس نے عرفہ پایا اور اس کا حج بھی مکمل ہو گیا۔[235] پس رسول اللہ ﷺ نے حج پورا ہونے کی خبر دے دی ہے اور اس میں ان دونوں کے درمیان سعی نہیں ہے اگر فرائض میں سے ہوتا تو سائل کے لئے مسئلے کی وضاحت بیان کرتے اور ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی قراءت (اَنْ لاَ یطَوَّف) ہے[236]۔ اور یہ

---

232 ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابو بکر صدیق، ام المؤمنین 9 قبل ہجری 613ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم وادب اور علوم دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ اسے ان کی شادی ہو گئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض (میراث) کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ 58ھ/678ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں۔ آپ سے 2210 احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج5، ص 494، ترجمہ، 7096

233 ۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ قُلْتُ لَهَا إِنِّى لأَظُنُّ رَجُلاً لَوْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَا ضَرَّهُ. قَالَتْ لِمَ قُلْتُ لأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ) إِلَى آخِرِ الآيَةِ. فَقَالَتْ مَا أَتَمَّ اللَّهُ حَجَّ امْرِئٍ وَلاَ عُمْرَتَهُ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَوْ كَانَ كَمَا تَقُولُ لَكَانَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین فی الطواف، رقم: 3138

234 ۔ عامر بن شَراحیل بن عبد ذی کبار، شعبی، حمیری، ہمدان کے قبیلہ شعب سے نسبت سے شعبی کہلائے۔ کوفہ میں 19ھ/640ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور وہیں 103ھ/721ء کو وفات ہوئے۔ فقید المثال حافظ کے مالک تھے۔ عبد الملک بن مروان کے مشیر وندیم اور شاہ روم کے لیے اُن کے سفیر اور قاصد تھے، ثقہ رجال حدیث میں سے تھے۔ فقیہ اور شاعر تھے۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان ج3، ص12 ۔ الزرکلی، الاعلام، ج3، ص251

235 ۔حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي السَّفَرِ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسِ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ لَامٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِجَمْعٍ فَقُلْتُ لَهُ هَلْ لِي مِنْ حَجٍّ فَقَالَ مَنْ صَلَّى مَعَنَا هَذِهِ الصَّلَاةَ فِي هَذَا الْمَكَانِ ثُمَّ وَقَفَ مَعَنَا هَذَا الْمَوْقِفَ حَتَّى يُفِيضَ الْإِمَامُ أَفَاضَ قَبْلَ ذَلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضَى تَفَثَهُ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 18301۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

236۔ الفیومی، القراءت الشاذہ، ص، 11۔ ابن جنی، المحتسب، ج1، ص115

صلاحیت اس میں نہیں کہ قول اول کے لئے مددگار ثابت ہو جائے۔ کیونکہ یہ قول شاذہ میں سے ہے۔اس پر معارضت کے ساتھ عمل نہیں کیا جاتا۔اور اس کا کوئی احتمال نہیں کہ ،لا ،زائدہ ہے جیسا کہ سیاق اس کا تقاضا کرتا ہے۔

(وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا) مطلب یہ کہ فرمان برداری اور تابع داری سے خیر اور بھلائی سے فرض ہو کہ نفل ہو۔اور یہ ( فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ )،پر عطف ہے اور حج عمرہ اور طواف کے لئے تاکید حکم کلی ہے جزی کے لئے۔اور یا تبرعاً ہے کہ اضافی نیکی یا خیر حاصل کرنا حج، عمرہ اور طواف سیاق قرینہ سے۔اور اس قول پر یہ جملہ نفل کے شرعی فائدے کے لئے امور ثلاثہ (حج، عمرہ اور طواف) پر لایا گیا ہے۔اور (خَيْرًا) کا فائدہ دو وجہوں پر ہے۔ تطوع کے ساتھ یہ نہیں ہے مگر تنصیص عموم حکم سے کہ جس نے خیر کا کام کیا اسے ثواب ملے گا۔ یا خیر زائد ہو جو کہ سعی ہے اسی بناء پر کہ یہ سنت ہے۔ پھر یہ جملہ اس دفع توہم کے لئے جو کہتے ہیں کہ یہ اباحت سے نفی جناح کے لئے ہے کی تکمیل ہو گا۔اور طواف کا خیریت سے مقید کرنا مسلمانوں کی تکلیف کو دفع کرنا ہے۔اور ابن مسعودؓ کے قراءت میں (وَمَن تَطَوَّعَ بِخَيْرٍ ) ہے۔([237])اور حمزہ ؒکسائیؒ اور یعقوبؒ ([238])کی قراءت میں، يَطَّوَعْ،صیغہ مضارع مجزوم سے ہے([239])۔کیونکہ ،مَنْ، متضمن ہے معنی شرط کو۔اور اس کا اصل ،يَتَطَوَّعَ، ہے پھر ادغام کیا گیا ۔ (فَإِنَّ اللهَ شَاكِرٌ ) کہ طاعت پر ثواب دینے والا ہے۔اور اس تعبیر سے انسانوں کے ساتھ احسان میں مبالغہ ہے۔ ( عَلِيمٌ) اشیاء پر علم میں مبالغہ ہے۔ پس اس کے اعمال کی تقدیرات اور کیفیات جاننا ہے۔ پس ان کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے گا۔اور اسی سے اس صفت کی مؤخر ذکر کرنا ما قبل سے بھی ظاہر ہوا۔اور جو کہا کہ یہاں پر دو صفتیں لائی ہے۔ کیونکہ تطوع بالخیر متضمن ہے فعل اور قصد کو اور شکر کا ذکر باعتبار فعل ہے۔اور علم کا ذکر باعتبار قصد ہے۔اور صفت علم کو مؤخر کیا اگر چہ شکر پر مقدم ہے۔ جیسا کہ نیت متقدم ہوتی ہے فعل پر۔رؤوس ایات کی موافقت کے لئے مقدم کیا اور کسی چیز کے لئے نہیں۔اور یہ جملہ علت ہے جواب شرط محذوف قائمقام کے لئے۔ گویا کہ کہا گیا ہے۔ کہ جس نے نیکی کی اللہ تعالیٰ اس کو ثواب دیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ شاکر اور جاننے والا ہے۔

---

[237]۔ ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 158

[238] ۔ابو محمد یعقوب بن اسحاق الحضرمی البصری، 117ھ/735ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ قراء عشرہ میں سے ہیں۔ علم نحو، قراءت اور ادب میں ماہر تھے۔ قراءت میں آپ کی قراءت مشہور ہے۔ 205ھ/821ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج8، ص195

[239]۔ ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص، 77۔ ابن جوزی، النشر فی قراءات العشر، ج2، ص223

(240) سعد بن معاذؓ، معاذ بن جبلؓ۔ کہ ایک جماعت نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ( إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ )
اور خارجہ بن زیدؓ (241) نے یہود کے علماء میں سے ایک شخص سے پوچھا بعض ان چیزوں کے بارے میں جو تورات میں ہیں۔ پس ان کو انہوں نے چھپایا اور اس کے خبر دینے سے انکار کیا (242) ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل کی ۔اور قتادہؒ سے روایت ہے کہ یہ آیت یہود، اور نصاریٰ کے کاتمین کے بارے میں نازل ہوئی ہے (243) اور کہا گیا ہے۔ کہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں جو احکام دین میں سے کچھ چھپاتا ہو نازل ہوئی ہے۔ کل کی عموم حکم کی وجہ سے۔ بخاریؒ اور ابن ماجہؒ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ (244) سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی۔ تو میں کبھی بھی تمھیں حدیث میں سے کچھ نہ بتاتا (245)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ابو یعلیٰؒ (246) اور طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس سے علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اسے چھپایا۔

---

[240] ۔ سعد بن معاذ بن نعمان بن امرء القیس اوسی انصاری قبیلہ اوس کے سردار اور غزوہ بدر میں ان کے علم بردار تھے۔ جلیل القدر صحابی ہیں، جنگ خندق میں تیر لگنے سے زخمی ہوئے۔ 5ھ/626ء کو وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج2، ص272

[241] ۔ خارجہ بن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امرء القیس انصاری، بنو خزرج سے تعلق تھا۔ اور بنی الاغر سے مشہور تھے۔ کبار صحابہ کرام سے تھا۔ ابو بکر صدیق کے سسر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ اور ابو بکر صدیق کے درمیان مواخات قائم کیا تھا۔ غزوہ بدر میں شرکت کی اور غزوہ احد میں 3ھ/624ء کو شہید ہوئے تھے اور اپنے چچازاد بھائی سعد بن ربیع کے ساتھ ایک قبر میں دفن کئے گئے تھے۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج3، ص140

[242] ۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:159

[243] ۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:159

[244] ۔ سیدنا ابوہریرہؓ مشہور صحابی ہے آپ کے نام کے سلسلے میں محدثین و مؤرخین کے مابین اختلاف ہے جمہور مؤرخین کے نزدیک آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔ 21ق ھ/602ء کو پیدا ہوئے۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ 7ھ/630ء کو ایمان لے آیا۔ آپ کی مرویات کی تعداد 5374 ہیں سینکڑوں شاگرد آپ سے علم حدیث حاصل کرتے تھے۔ 59ھ/679ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ج2، ص70

[245] ۔ وحدثنا زهير بن حرب حدثنا يعقوب بن إبراهيم حدثنا أبي عن صالح قال ابن شهاب ولكن عروة يحدث عن حمران أنه قال فلما توضأ عثمان قال والله لأحدثنكم حديثا والله لولا آية في كتاب الله ما حدثتكموه إني سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول لا يتوضأ رجل فيحسن وضوءه ثم يصلي الصلاة إلا غفر له ما بينه وبين الصلاة التي تليها قال عروة الآية { إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى }، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ، رقم:227

[246] ۔ احمد بن علی بن المُثَنَّى التَّمِيمِي الموصلي، ابو يَعلىٰ، علماءِ حدیث میں سے تھے۔ حافظ تھے۔ حافظ ذہبی نے انہیں محدث موصل کہا ہے۔ ثقہ اور مشہور تھے۔ 97 سال کی طویل عمر پائی۔ اُن کے پاس ہر وقت مستفیدین کا تانتا بندھا رہتا۔ 307ھ/919ء کو موصل (عراق) میں وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج14، ص174، ترجمہ:100۔ الزرکلی، الاعلام، ج1، ص171

تو قیامت میں آگ کے انگاروں کے ساتھ آئے گا([247])۔اور زیادہ قریب یہ ہے کہ یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اور حکم عام ہے جیسا کہ بہت سی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔اور یہود کے بارے میں اس کا نازل ہونا خاص نہیں ہے۔ کیونکہ اعتبار الفاظ کے عموم کو ہوتا ہے خصوص سبب کو نہیں ہوتا۔اور موصول استغراقی ہے اور یہ مذکورہ تمام اس میں داخل ہیں۔اور کتمان کسی چیز کے ظاہر کرنے کو قصداً ترک کرنا ہے اس کی طرف حاجت کا ہوتے ہوئے بھی ۔اور اس کے ذکر کرنے کا داعی بھی موجود ہو۔اور یہ کبھی صرف چھپانے سے بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کے زائل کرنے سے بھی اور ایک چیز کو دوسری چیز۔اور یہود اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے اس دونوں کاموں کا ارتکاب کرتے تھے۔ (مَا أَنزَلْنَا) انبیاء پر (مِنَ الْبَيِّنَاتِ) یعنی واضح آیات جو حق پر دلالت کرتی ہیں۔اور وہ بھی جو ہم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں نازل کئیں۔ (وَالْهُدَى) عطف ہے (اَلْبَيِّنَاتْ) پر اور مراد اس سے جو مطلق سیدھے راستے کی طرف اور حضور ﷺ کی تابعداری اور اس پر ایمان کی ہدایت کرتا ہو۔اور یہ آیات نبی کریم ﷺ کی صداقت پر گواہی دینے والے ہیں۔اور یہ عطف مفہوم میں تغائر کے اعتبار سے ہے ہے جیسا کہ ،جَآ ءَنِی الْأٰكِلُ فَالشّارِبُ،ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ ( مَا أَنزَلْنَا) پر اول سے مراد دلائل نقلیہ ہیں اور دوسرے سے مراد عقلیہ ہیں۔ یا اول سے مراد نازل کرنا ہے۔اور دوسرے سے مراد اس کے فوائد ہیں۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ تکلف ہے۔اور معطوف علیہ کا قریب ہونا اس کا انکار کرتا ہے۔اور کمال وضوح پر دلالت کرنے والی بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول میں۔ (مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ) مطلب یہ کہ ہم نے کھول دیا ہے اور واضح کیا ہے۔ اور ظرف ،یکتمون،کے ساتھ متعلق ہے۔اور ،الناس،الف لام میں صلہ ہے (بَيَّنَّا) کا۔اور یا لام اجلیہ ہے اور مراد اس سے جنس یا استغراق ہے۔اور کتمان کو ظرف کے ساتھ مقید کرنا اشارہ ہے اس کی بدحالی کا کیونکہ وہ ایسا چیز چھپاتے ہیں جو لوگوں کو واضح ہے۔اور بڑے گناہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو چھپاتے ہیں جس میں عام فائدہ ہو۔ (فِي الْكِتَابِ ) متعلق ہے (بَيَّنَّاهُ) تک۔اور دو جاروں کا ایک فعل کے ساتھ متعلق ہونا اختلاف معنی کے وقت اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔اور یا متعلق ہے محذوف کے ساتھ جو کہ اس کے مفعول سے حال واقع ہے۔اور اس سے مراد جنس ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مراد اس سے تورات ہے۔اور کہا گیا ہے کہ تورات اور انجیل دونوں مراد ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے۔

اور ،الناس،سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔اور( مِنَ النَّاسِ) حمل ہے البینات پر جیسا کہ قرآن میں ہے۔اور من بعد کو ،انزلنا ،کے ساتھ متعلق کرنا اور الکتاب کی تفسیر تورات سے،اور کتمان سے مراد اس کے حق نہ ہونے کا اعتراف کرنا ہے۔ شائد

---

[247] ـحَدَّثَنَا زُهَيْرٌ،حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ ،حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ،عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى،عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ،قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم :مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ،وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ مَا يَعْلَمْ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ،ابی یعلی،احمد بن علی بن المثنی،مسند ابی یعلی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی،مکتبۃ الرشد ،الریاض،1430ھ/2009ء،رقم:2585 ۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

جس کی طرف ہم گئے ہیں وہ ان تمام سے اولیٰ ہو۔ (أُولَـئِكَ يَلعَنُهُمُ اللهُ) مطلب یہ کہ اللہ کی رحمت سے دور کرے گا۔اور ان کو دردناک عذاب چھکائیں گا۔اور غیبت کی طرف التفات اور اسم ذات کے اظہار خوف وڈر کی تربیت اور اس بات کی خبر کے لئے کہ صدور لعن کا مبداء صفت جلال ہے۔جو کہ مبداء انزال اور تبیین کے مغائر ہیں۔جو صفت جمال میں سے ہے۔اور اس جملے میں،فاء، نہیں لایا جو کہ موصول کی خبر ہے جیسا کہ بعد کے قول (فَأُوْلَـئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ) ([248])میں لایا گیا ہے۔مع اس کے کہ موصول متضمن ہے معنی شرط کو اور دونوں جگہ سببیت کا ارادہ کیا گیا ہے۔اس لئے اسم اشارہ ذکر کیا جس پر تعلیق حکم ہے۔جیسا کہ اس کی تعلیق مشتق پر کیا گیا ہے۔تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ ان پر یہ لعنت اس سبب کی بناء پر ہے۔کہ ،فاء سببی اصل میں ،فاء تعقیبی ہے۔جو کہ یہ فائدہ دیتا ہے کہ سبب کے بعد حصول مسبب بغیر تاخیر کے ہو۔اور اس سے معونت مقام کا بھی ارادہ کیا جاتا ہے جیسا کہ بعد کی آیت میں آیا ہے۔اور یہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اسباب کثیرہ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اسم اشارہ،فاء، سے مستغنی نہیں۔کیونکہ یہ سببیت کی خبر دیتا ہے۔اور تعقیب کی خبر نہیں جو موہم ہو انحصار کی امتناع توارد کی وجہ سے۔ (وَيَلْعَنُهُمُ اللاَّعِنُونَ) ان میں سے جو ان پر لعن کرتا ہے ملائکہ اور جنات سے، پس لاعنون سے مراد اس کا معنی حقیقی ہے۔اور اس تعریف پر نہیں، جو، من قتل قتیلاً، مشہور ہے([249])۔اور استغراق عرفی ہے یعنی کہ ہر ایک فرد جس کو مفہوم عرفی کے اعتبار سے یہ لفظ شامل ہو۔اور حقیقی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ دنیا میں ہر ایک لاعن ان پر لعنت نہیں بھیجتا ہے۔اور تخصیص کا محتاج ہے۔اور فعل کا اعادہ کیا گیا کیونکہ لاعنین کی لعنت ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری کے لئے بددعا ہے۔اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں لاعنین کی تفسیر مجاہدؒ سے روئے زمین کے جانور یہاں تک کہ بچھو اور خنافس (گبریلہ)۔([250])اور شائد یہاں پر جمع اللہ تعالیٰ کے اس قول،(وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ)([251])کی طرح ہو۔اور اس آیت سے استدلال

---

[248] ۔سورۃ البقرۃ:160

[249] ۔وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ وَاللَّفْظُ لَهُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِى مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِى قَتَادَةَ عَنْ أَبِى قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ. قَالَ فَرَأَيْتُ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلاَ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَدَرْتُ إِلَيْهِ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ فَضَرَبْتُهُ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ وَأَقْبَلَ عَلَىَّ فَضَمَّنِى ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِى فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ مَا لِلنَّاسِ فَقُلْتُ أَمْرُ اللَّهِ. ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-.فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ ، صحیح مسلم،کتاب الجہاد والسیر،باب استحقاق القاتل سلب القتیل،رقم:4667

[250] ۔ أخبرنا أبو عبد الله الحافظ و محمد بن موسى قالا أنا أبو العباس الأصم نا هارون بن سليمان نا عبد الرحمن بن مهدي عن سفيان عن منصور عن مجاهد ۔{ أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون } قال : دواب الأرض الخنافس و العقارب يقولون منعنا القطر بخطايا بني آدم، البیہقی، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،شعب الایمان، رقم:3317 ۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[251] ۔سورۃ یوسف:4

کیا ہے علم شریعت کے اظہار پر۔اور کتمان کی حرمت پر۔لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ عالم کو اپنے نفس کا خوف نہ ہو۔اور یہ کہ متعین ہو۔اگر ایسا نہیں تو اس پر کتمان حرام نہیں۔لیکن جب اس سے پوچھا جائے گا تو جواب دینا اس پر لازم ہے۔کہا ہے جب اس کے نقصان اور گناہ اس کے فائدہ سے بڑا نہ ہو۔اور اس میں خبر واحد کی قبولیت کی بھی دلیل ہے۔کیونکہ اس پر بیان واجب نہیں سوائے وجوب قبول قول کے۔اور اس سے استدلال کیا ہے عورتوں کے عدم وجوب پر اس بناء پر کہ عورتیں خطاب رجال میں داخل نہیں ہیں۔ (إِلاَّ الَّذِينَ تَابُواْ) مطلب وہ جنہوں نے کتمان سے رجوع کیا۔یا ان تمام چیزوں سے جن سے رجوع کیا جاتا ہے۔اسی بناء پر کہ حذف معمول عموم کا فائدہ دیتا ہے۔اور اس میں اشارہ ہے کہ صرف کتمان سے توبہ کرنے سے لعن نہیں پھیرتا جب تک کہ تمام سے توبہ نہ کیا ہو کیونکہ اس کے لعن کے لئے اسباب کثیرہ ہیں۔(وَأَصْلَحُواْ) تدارک کے ذریعے فسادات کا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہو۔اور ضلالت کے بعد اسلام کی طرف دعوت دی۔اور یہ کلام محرف کو زائل کرے اور اس کی جگہ وہ کچھ لکھیں۔جس کا انہوں نے تحریف کے وقت ازالہ کیا ہو۔(وَبَيَّنُواْ) اور ظاہر کیا اس کو جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا تھا۔اور ان دونوں کاموں سے توبہ تام ہوتا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ظاہر کرو توبہ سے جو بیان کیا ہے۔تاکہ کفر کی علامت اپنے نفس سے مٹادے۔اور لوگ اس کی پیروی کرے کیونکہ مقتدیٰ کی توبہ کے لئے اظہار شرط یہ ہے۔جس کی طرف بعض آثار اشارہ کرتے ہیں۔اور اس میں صحیح یہ ہے کہ اظہار توبہ معصیت کی متابعت کے دفع کے لئے ہے۔کیونکہ وہ (وَأَصْلَحُواْ) میں داخل ہے۔(فَأُوْلَـئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ) قبول کے ساتھ اور مغفرت اور رحمت کی افاضت (وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ) ماقبل پر عطف ہے اور اس کے لئے تذییل ہے۔اور تکلم کی طرف التفات عمدگی کے لئے ہے۔مع اس کے کہ اس میں اشارہ ہے مبداء اختلاف فعلین کے جو سابق اور لاحق ہے۔

# فصل دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 161 تا 163 کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ 161 خَالِدِينَ فِيهَا لاَ يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلاَ هُمْ يُنظَرُونَ 162 وَإِلَـهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ163

**ترجمہ:** جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کیا اور لوگوں کی سب کی لعنت۔161 وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے ان سے تو نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں (کچھ) مہلت ملے گی۔162 اور لوگوں تمہارا معبود اللہ واحد ہے۔اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔163

(إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ) موصول عہدی ہے جیسا کہ اصل ہے۔اور مراد اس سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چھپایا۔اور کتمان سے تعبیر کفر کے ساتھ کیا۔اور اس پر عطف نہیں کیا اس میں ان دونوں فرقوں کے کمال تباین کی طرف اشارہ ہے۔اور آیت جمع اور تفریق پر مشتمل ہے۔کاتمین کو ایک حکم میں جمع کیا۔اور وہ یہ کہ ان پر لعنت کی گئی ہے۔پھر تفریق کیا اور فرمایا۔جن لوگوں نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان پر رجوع کیا اور ان سے لعنت کی سزا ہٹائی۔اور جو لوگ کتمان ہی پر مر گئے اور اس سے توبہ نہیں کیا تو ان پر ہمیشہ کے لئے لعنت مستقل قرار پائی۔اور پہلے جملے میں کلمہ استثناء لے آیا ہے لیکن اخراج کے لئے نہیں بلکہ ،لکن، کے معنی پر ہے۔اس دلالت کے لئے کہ توبہ ان کی لعنت کا کفارہ بن گئی۔گویا کہ انہوں نے یہ گناہ نہیں کیا اور نہ اس میں داخل ہیں۔بعض محققین نے کہا ہے کہ اس استثناء میں خلاف ظاہر ہو گیا ہے۔اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ جملہ مستثنیٰ منہ سے دوام لعن اور استمرار کی بیان مراد ہے۔اور اس میں استثناء متصل ہے۔اور (إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا) جملہ مستانفہ ہے۔اور ان لوگوں پر لعن کی بقاء کی اثبات کے لئے ہے جو استثناء کے علاوہ ہے۔اور تاکید اور استمرار کے لئے ان لوگوں پر جو توبہ نہ کرے۔اور صلہ میں ذکر کفر پر اقتصار کرنا عدم توبہ اور اصلاح سے تعرض کی وجہ سے۔ اور بیان اس بات پر مبنی ہے۔کہ وجود کفر مستلزم توبہ کے عدم پر جیسا کہ اس کا وجود مستلزم ہے ایمان کے لئے جو عدم کفر کا موجب ہے۔اور اسی وجہ سے ایمان میں تائبین کی صفات پر تصریح نہیں کی۔اور دونوں دو جملوں میں فرق یہ ہے کہ اول تجددی اور دوسرا ثبوتی ہے۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ توجیہ ظاہر اللفظ کے زیادہ موافق ہے۔اور بعض محققین نے جو کہا ہے کہ یہ استثناء کے خلاف ظاہر تو یہ معنی اور معیار کے اعتبار سے عمدہ اور عمیق ہے۔اور کہا گیا ہے کہ موصول عام ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کتمان کیا اور ان کے لئے جو اس سے غیر ہیں جیسا کہ ظاہر الصلۃ اس کا تقاضا کرتا ہے۔اور آیت تذییل کے باب سے ہے تو اس میں وہ کاتمین دخول اولی سے داخل ہیں جو مر چکے ہیں۔اور اعتراض کیا گیا ہے کہ وعید کو عدم تخفیف کے ساتھ مقید کرنا اس بات کی مضبوط شاہد ہے کہ یہ آیت ان کاتمین کے بارے میں ہے جو اسی حالت میں مر چکے ہیں۔کیونکہ وہ شدید اور خبیث کفر میں ہیں۔کیونکہ کفار کے بارے میں صرف آگ میں دخول ہے۔اور تمہیں پتہ ہے یہ مقام منع ہے۔اور کوئی جہنمی کافر نہیں مگر اس کا حال قیامت کے دن اس آیت کے موافق ہوگا۔اور میں تم پر اس بات پر شک کے بارے میں گمان نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے اس قول (اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ

جَہَنَّمَ خَالِدُوْنَ۔ لَا يُفَتَّرُ عَنْہُمْ وَہُمْ فِيْہِ مُبْلِسُوْنَ ) ([252]) کے سننے کے بعد اس قول کے عمدہ اور حسین ہونے میں کوئی بعد نہیں ہے۔اور اسی قول کی طرف امامؒ ([253]) گئے ہے۔اور طیبیؒ ([254]) کا کلام اس کی عمدگی اور حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔پس غور کرو۔

( أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ) اس سے مراد دوام اور استمرار ہے۔اور یہ حکم ما قبل سے الگ ہے۔کیونکہ اس میں لعنت اور ان پر اس کے وقوع کا حدوث ہے۔ ملائکہ اور الناس کی ذکر سے مقصود تخصیص نہیں ہے جو عموم سابق کا منافی ہو اور نہ عموم مقصود ہے جس سے ان لوگوں کا لعنت بھی ان پر وارد ہو جائے جو اس کے ذوات پر علم نہیں رکھتے ہیں کیونکہ بہت سے متقی لوگ ہیں جو کسی پر بھی لعنت نہیں بھیجتے بلکہ اس سے مقصود یہ کہ مخلوق خدا سے یہی لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں اور ( أَجْمَعِينَ ) تاکید ہے نسبت کلی کی نہ کہ صرف الناس کی۔اور اس سے مراد مومن ہے کیونکہ وہ تجاوز کرنے والے تھے۔اور کفار جانوروں جیسے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ اپنے عموم پر ہے۔اور کفار قیامت کے دن ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔اور یا جملہ اس خبر کے لئے لایا گیا ہے اس لعن عموم کے مستحق ہونے کے لئے نہ کہ وقوع بالفعل کے لئے اور یہاں پر لعنت کو مکرر نہیں لایا گیا جیسا کہ ما قبل میں فعل کو مکرر لایا گیا اس پر اکتفاء کی وجہ سے اور نظم قرآن میں تفنن کی وجہ سے جس سے تاکید فہم میں آتا ہے۔اور حسنؒ نے ( وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعُوْنَ ) کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔([255]) اور اس کی کئی وجوہ بیان کی ہیں۔پس کہا گیا ہے کہ یہ عطف ہے (لَعْنَةُ) پر۔لعنۃ اللہ اور لعنۃ الملائک کی تقدیر سے تو دوسرے سے مضاف حذف کیا گیا اور مضاف الیہ اس کا قائم مقام ہوا۔اور کہا گیا ہے کہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔یعنی وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ يَلْعَنُوْنَہُمْ۔یا فعل محذوف کے لئے فاعل ہے۔یعنی،يَلْعَنُہُمْ،اور کہا گیا ہے کہ (لَعْنَةُ) مصدر مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف اور مرفوع اپنے محل پر عطف ہے۔اور عرب مصدر کا فاعل اپنے محل پر رفع کے ساتھ عطف کرتے ہیں۔جیسا کہ یہ قول،مشی الهلوک علیہا الخیعل (الفضل)([256]) الفضل کے رفع کے ساتھ اور یہ ہلوک کا صفت ہے اپنے موضع میں۔اور یہ جب صفت میں ثابت ہوا تو عطف میں بھی جائز ہوا کیونکہ اس کے درمیان کوئی فرق نہیں۔اور ابو حیانؒ نے عدم جواز کا دعوی کیا ہے۔کیونکہ عطف علی الموضع کے لئے یہ شرط ہے کہ وہاں پر ایک ایسا طالب اور محافظ ہو ایسی جگہ کے لئے جس میں تبدیلی نہیں

---

[252] ۔سورۃ الزخرف:74

[253] ۔فخر الدین رازی،ابو عبداللہ محمد بن عمر، تفسیر مفاتیح الغیب،المعروف بتفسیر کبیر،دار العلم،بیروت،س۔ن،سورۃ البقرہ:161

[254]۔حسین بن محمد بن عبداللہ ، شرف الدین، طیبی، حدیث، تفسیر اور بیان کے بہت بڑے عالم تھے۔عراقِ عجم کے توریز سے تعلق تھا۔قرآن وسنت کے دقیق فوائد کے استخراج کے بہت بڑے ماہر عالم تھے۔743ھ/1342ء کو وفات پائی۔ابن حجر،الدرر الکامنہ،ج2،ص28

[255] ۔الفیومی،القراءت الشاذہ،ص11 ۔ابن جنی،المحتسب،ج1،ص116

[256] ۔ابن قتیبہ،ابو محمد عبداللہ بن مسلم،الشعر والشعراء،مؤسسۃ الاعلمی،بیروت،س۔ن،ج2،ص625۔یہ منتخل الہذلی کا شعر ہے۔اور اس کا پہلا حصہ یہ ہے۔السالک الثغر الیقظان کالنہا۔

آتی ہو۔اور اسی طرح اگر(لَعْنَۃُ) کی مصدریت تسلیم کی جائے تو وہ تب عمل کرے گا جب وہ،اَنْ اور فعل کے تحت داخل ہو اور یہاں پر مقصود ثبوت ہو گا تو اس کا ان دونوں کے تحت لانا درست نہیں ہے۔اور اس کے لئے دوسروں نے یہ بات تسلیم کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ سیبویہؒ کا مذہب ہے۔([257])

(خَالِدِينَ فِيهَا) یعنی لعنت میں اور یہ وہ تاکید پیدا کرتا ہے جو جملہ اسمیہ کے ثبات کے لئے ہو۔اور ضمیر ،النار، کو راجع کرنا جائز ہے۔اور اضمار قبل الذکر اس کے حضور ذہنی پر دلالت کرتا ہے۔جو مشعر ہے اعتناء کے ساتھ جو تحویل اور تفخیم کی طرف مفضی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ لعن اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رحمت سے بُعد کا استقرار آگ میں داخل ہونے کے لئے لازم ہے ذہنی ہو یا خارجی ہو۔اور کفر پر موت اگرچہ مستلزم ہے آگ کو خارجاً لیکن ذہنی طور پر مستلزم نہیں ہے تو اس پر دلالت نہیں کرتا۔ (خَالِدِينَ) اس کے مرجع کے بناء بر ہر دو تقدیر یہ حال مقارن ہے استقرار لعنت کے لئے۔ایسا نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ بناء بر تقدیر ثانی حال مقدرہ ہے۔ (لاَ يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ) یا تو جملہ مستانفہ ہے۔ان کی کثرت عذاب کی بیان کے لئے، کم، اور کیف، کی حیثیت سے۔اور یا حال ہے ضمیر (عَلَيْهِمْ) ([258])سے اور یا (خَالِدِينَ) کی ضمیر سے حال ہے۔ (وَلاَ هُمْ يُنظَرُونَ) ما قبل پر عطف ہے اور وہی احکام و قواعد اس میں جاری ہوتے ہیں جو ما قبل میں جاری تھے اور جملہ اسمیہ کا لانا دوام نفی اور استمرار کے فائدے کے لئے ہے۔اور فعل یا تو،انظار، سے بمعنی تاخیر کے ہے مطلب یہ کہ عذاب سے مہلت نہیں ملے گی اور نہ ان سے عذاب ایک ساعت کے لئے مؤخر ہو گا۔اور یا نظر سے ہے بمعنی انتظار مطلب یہ کہ ان کو انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ عذر اور بہانہ پیش کرے۔اور یا نظر سے ہے بمعنی رؤیت یعنی دیکھنا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔اور نظر اس معنی میں متعدی بنفسہ ہے جیسا کہ ،اساس، نامی کتاب میں ہے۔([259])

(وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار قریش نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہمارے سامنے اپنے رب کی صفات بیان کریں([260]) جیسا کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے۔اور خطاب عام ہے ان تمام کو جن میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے۔شان نزول کے ساتھ مختص نہیں ہے۔اور جملہ معطوف ہے۔(إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ)([261])پر عطف القصۃ علی القصۃ کے قبیل سے۔اور جامع یہ ہے کہ پہلی آیت کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کی اثبات کے لئے لایا گیا ہے۔اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات کے لئے ہے۔اور بعض نے کہا کہ خطاب چھپانے والوں کو ہے۔اور اس میں انتقال اس زجر سے جو رسول

---

[257] ۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 161

[258] ۔سورۃ البقرۃ:161

[259] ۔زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، مطبعۃ المدنی، القاہرہ، 1411ھ/1991ء مادہ، نظر

[260] ۔ابن جوزی، ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن القرشی البغدادی، زاد المسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، 1407ھ/1987ء، سورۃ البقرہ: 163

[261] ۔سورۃ البقرۃ:159

اللہ ﷺ کے معاملے میں ان کے لئے تھی اس زجر کی طرف جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت کو چھپاتے تھے۔اور یہ کہتے تھے کہ عزیرؑ اور عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔اور اس میں اگرچہ حسن نظم ہے مگر شان نزول سے خروج ہے۔اور یہ باطل ہے۔اور الہ کی اضافت مخاطبین کی ضمیر کو استحقاق کے اعتبار سے ہے۔نہ کہ وقوع کے اعتبار سے کیونکہ الھۃ غیر مستحقہ بہت سارے ہیں۔اور لفظ الہ کو دوبارہ وحدت صفت کے ساتھ ذکر کرنا اس فائدے کے لئے ہے کہ الوہیت میں صرف وحدت اور استحقاق عبادت ہی معتبر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صرف (وَ إِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ) کافی ہوتا۔پس ان کی صفت کو لانا بمنزلہ رجل کے ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ایک سردار اور عالم آدمی۔اور ابوالبقاءؒ فرماتے ہیں۔کہ یہ ،الٰہٌ، خبر ہے مبتداء کا۔اور واحد اس کے لئے صفت ہے۔اور عرض اور مقصود یہاں پر صفت ہی ہے۔اس لئے اگر فرماتے (وَ إِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ) تو یہی مقصود ہوتا۔مگر اس کے ذکر کرنے میں تاکید زیادہ ہے۔اور یہ مشابہ ہے حال موافقہ کا جیسا کہ خبر کے متعلق آپ کا قول،مررت بزید رجلا صالحا،اور آپ کا یہ قول خبر میں،زید شخص صالح،([262])اور شائد اول قول زیادہ عمدہ ہے۔اور اکثر لوگ فرماتے ہیں کہ واحد یہاں پر اس معنٰی پر ہے۔کہ کوئی بھی اس کی ذات وصفات اور افعال میں مشابہ نہیں ہے۔اور کہا گیا ہے کہ واحد سے مراد یہ ہے کہ اس کی نہ بعض نہ تقسیم اور نہ اجزاء ہو سکتے ہو۔اور یہاں اس سے عدد کی ابتداء مراد نہیں ہے۔اور عقول سلیمہ افراد کے نزدیک اصح قول یہ ہے۔کہ مراد اس سے یہ ہے کہ نہ کوئی اس کا شبیہ ہے نہ نظیر اور نہ بندگی کے لائق ہے۔اور یہ ہر ایسے کمال کو مستلزم ہے جو خالی ہر اس چیز سے جس میں ادنی سا خلل اور عار ہو۔

(لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ) یہ مبتداء کی خبر ثانی ہے یا خبر کے لئے صفت ثانی یا جملہ معترضہ ہے۔کہ جس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ اور کسی بھی تقدیر پر یہ وحدانیت ثابت کرنے والا ہے۔اور ختم کرنے والا ہو ہر اس وہم کو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کوئی متوہم یہ وہم نہ کرے کہ وجود میں کوئی دوسرا،الہ، بھی ہے جو عبادت کے لائق نہیں۔اور ضمیر مرفوع صحیح قول کے مطابق بدل ہے اس ضمیر سے جو خبر محذوف میں ہے۔تو یہ بدل مرفوع ہے ضمیر مرفوع سے۔اور منفی میں اختلاف ہے کہ کیا معبود برحق یا معبود باطل مراد ہے۔محمد الشیشنیؒ ([263])نے فرمایا ہے۔نفی واقع ہے اس الہ ناحق پر جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ان کو عدم کے قائمقام بنا کر۔

---

[262] ۔ابوالبقاء عبدالرحمٰن بن حسین العکبری،املاء ما من بہ الرحمٰن من وجوہ الاعراب والقراءات فی جمیع القرآن،دار الکتب العلمیہ،بیروت، 1399ھ/1979ء،سورۃ البقرۃ : 163

[263] ۔محمد بن عمر بن محمد بن وجیہ القاہری الشافعی القطب ابوالبرکات 363ھ/973ء کو شیش الکوم (اعمال محلہ) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی عمر میں قرآن حفظ کیا۔تفسیر،حدیث علم فقہ او علم میراث میں ماہر تھے۔ابوحیانؒ سے روایت کرتے تھے 455ھ/1063ء کو وفات پائی۔سخاوی،محمد بن عبدالرحمٰن،الضوء اللامع لاہل القرن التاسع،دار احیاء التراث العربی،بیروت،س۔ن،ج1،ص233

اور عبداللہ الھبطیؒ (264) فرماتے ہے۔ کہ نفی واقع ہے ان الہ پر جن کی عبادت بر حق کی جاتی ہے۔اور ہر ایک کے لئے بعض حامی ہیں۔اور ملویؒ (265) نے فرمایاہے۔ کہ دوسرا قول درست ہے۔اس لئے کہ معبود باطل کا خارج میں وجود ہے۔ مومن کے ذہن میں بھی اس کا وجود ہے اس کے باطل ہونے کی صفت کے ساتھ ۔اور کافر کے ذہن میں بھی اس کے سچے اور حق ہونے کے ساتھ۔ پس خارج میں اپنے وجود کی حیثیت سے فی نفسہ اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔اس لئے کہ ذات کی نفی نہیں ہوسکتی۔اور اس طرح اس حیثیت سے بھی نفی نہیں کی جاسکتی کہ وہ معبود باطل ہے۔ کیونکہ اس کا معبود باطل ہونا سچی بات ہے۔اور اس کی نفی کرنا جھوٹ ہو گی۔البتہ اس کی نفی کی جاسکتی ہے کافر کے ذہن میں اس کے حق معبود ہونے کی صفت کے ساتھ۔ پس معبود ان باطلہ کی نفی نہیں ہوسکتی مگر اس حیثیت سے کہ وہ معبود بر حق ہے۔ پس اس کلمہ میں نفی نہیں ہے مگر اس معبود بر حق کی جو اللہ تعالیٰ کے سواہے۔اور ان شاءاللہ اس مسئلہ کی تحقیق اپنی جگہ پر عن قریب آئے گی۔

(الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ) یہ ایک خبر کے بعد اور دو خبریں ہیں۔اویہ خبر ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول (إِلٰـهُكُمْ) کے لئے۔ یا خبر ہے مبتداء محذوف کے لئے اور جملہ معترضہ ہے۔ یا یہ دونوں بدل ہے۔اور ان دونوں کو اس ذات کی تمیز کے لئے لایا ہے جو موصوف ہے وحدت کے ساتھ۔ان سے جو غیر ہے اس ذات سے۔تاکہ جواب سوال کے موافق ہو جائے۔اور اس میں اشارہ ہے وحدانیت کی دلیل کی طرف۔اس لئے کہ دنیاواخرت میں تمام نعمتوں کا مولی ہے۔اور اس کے سوایا تو خیر محض، خیر غالب، نعمت یا منعم علیہ ہیں۔جو اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام کامل اور برابر ہونے میں اللہ تعالیٰ کو محتاج ہیں۔

264 ۔ محمد جمال الدین احمد بن عثمان، العثمانی، الدیباجی، ولی الدین ابو عبداللہ الملوی( قریۃ بصعید مصر)فقیہ، مفسر، اور نحو وصرف کے ماہر عالم تھے۔713ھ/1313ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق اور روم کے سفر کیے۔ مصر واپس آکر درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ مصر ہی میں 774ھ/1372 کو وفات پائی۔ اسماعیل باشا البغدادی، ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین واثار المصنفین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1372ھ/1955ء ج2، ص166

265 ۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد الھبطی، بڑے عالم اور زاہد تھے۔ اصل میں صنہاجہ طنج سے تعلق رکھتے تھے۔ علم تفسیر حدیث اور کلام میں ماہر تھے ۔الاشادہ بمعرفۃ کلمۃ الشہادہ، اجوبہ فی مسائل عن التوحید اور فقہ مالکی میں منظوم کتاب قابل قدر تصانیف ہیں۔ آپ 963ھ/1556ء کو وفات ہوئے۔الزرکلی، الاعلام، ج4، ص128

# فصل سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 164 تا 166 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاء مِن مَّاء فَأَحْيَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاء وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ 164 وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبًّا لِّلّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّهِ جَمِيعاً وَأَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ 165 إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُواْ مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُواْ وَرَأَوُاْ الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُ 166

**ترجمہ:** بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں۔ اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد (یعنی خشک ہونے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقل مندوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ 164 اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک (اللہ) بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کی سب سے زیادہ دوست دار ہیں۔ اور اے کاش ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ 165 اس دن (کفر کے) پیشواں اپنے پیرووں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ 166

(إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ) بیہقیؒ نے ابو الضحیٰؒ سے ایک معضل روایت نقل کی ہے۔ کہ مشرکین کی کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ جب انہوں نے یہ آیت سنی تو تعجب میں پڑ گئے اور کہنے لگے۔ اگر آپ سچے ہیں تو کوئی ایسی نشانی لے آؤ جس سے ہم آپ کے صدق کو پہچان سکیں۔ ([266]) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ان کی شدت جہل کی وجہ سے ان کے لئے وہ دو وصف کافی نہیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ سمٰوٰت کو جمع لے آیا اور الارض، کو مفرد لے آیا اس لئے کہ زمین اسمان کے تمام اجزاء سے منتفع ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس میں ستاروں وغیرہ کی روشنی ہے۔ نہ کہ زمین کیونکہ وہ منتفع ان احاد میں سے کسی ایک سے جو ہم دیکھتے ہیں۔ ابو حیانؒ فرماتے ہیں کہ ،الارض، کی جمع اس لئے نہیں لائی گئی کیونکہ وہ ثقیل ہے۔ ([267]) اور قیاس کے مخالف ہے۔ اور بہت سے مفرد ایسے ہیں کہ قرآن میں اس کی جمع نہیں آئی اس کی جمع ثقیل ہونے سے یا مفرد کی خفیف ہونے سے۔ اور قرآن میں بہت سے جمع ایسے ہیں کہ ان کی مفرد نہیں ہے۔ جیسا کہ ،الباب،۔ اور المثل السائر، نامی کتاب میں اس طرح

---

[266] ـأخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس الأصم ثنا أحمد بن الفضل الصائغ ثنا آدم ثنا أبو جعفر الرازي ثنا سعيد بن مسروق عن أبي الضحى{ و إلهكم إله واحد } لما نزلت هذه الآية عجب المشركون و قالوا أن محمدا يقول:و إلهكم إله واحد فليأتنا بآية إن كان من الصادقين فأنزل الله عز و جل:{ إن في خلق السماوات و الأرض و اختلاف الليل و النهار ،البیہقی، شعب الایمان، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم: 104 ـ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[267] ـ ابو حیان، تفسیر بحر محیط، سورۃ البقرۃ: 164

ہے۔(268) بعض محققین نے فرمایا کہ ،السموات، کو جمع اس لئے لے آیا کہ وہ بہت سے طبقات ہیں۔اور ہر ایک دوسرے سے اپنے ذات کی بناء پر ممتاز ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔(فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سموات) (269)چاہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہو جیسا کہ حکماء کی رائے ہے۔یا متصل نہیں جیسا کہ آثار میں آیا ہے کہ دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔(270)اور مختلف حقیقت والے ہیں۔کیونکہ آثار میں اختلاف کا اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ قول (وأوحٰی فِی كُلّ سَمَآء أَمْرَهَا) (271)اس پر دلالت کرتا ہے۔اور ،الارض، کی جمع اس لئے نہیں لائی گئی کہ اس کے طبقات اس صفات پر متصف نہیں ہے۔چاہے وہ ایک دوسرے سے بااعتبار ذات کے فاصلے پر ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔کہ ہر دو زمین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے۔جتنا فاصلہ ہر دو اسمانوں کے درمیان ہے۔(272) یا ایک دوسرے سے فاصلے پر نہیں ہے جیسا کہ حکماء

---

268۔ابن الاثیر،ابوالفتح ضیاءالدین بن محمد الموصلی،المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر،المکتبۃ المصریہ،بیروت۔1416ھ/1995ء،ج1،ص 286

269 ۔سورۃ البقرۃ:29

270 ، حَدَّثَنَا سُرَيْجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذْ مَرَّتْ سَحَابَةٌ فَقَالَ: هَلَ تَدْرُونَ مَا هَذِهِ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الْعَنَانُ وَرَوَايَا الأَرْضِ يَسُوقُهُ اللَّهُ إِلَى مَنْ لاَ يَشْكُرُهُ مِنْ عِبَادِهِ وَلاَ يَدْعُونَهُ، أَتَدْرُونَ مَا هَذِهِ فَوْقَكُمْ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الرَّقِيعُ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ وَسَقْفٌ مَحْفُوظٌ، أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الَّتِى فَوْقَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: سَمَاءٌ أُخْرَى أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ، ثُمَّ قَالَ: هَلَ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذَلِكَ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الْعَرْشُ قَالَ: أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ، ثُمَّ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا هَذَا تَحْتَكُمْ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَرْضٌ أَتَدْرُونَ مَا تَحْتَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَرْضٌ أُخْرَى أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَهما؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ سبع مِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ أَرَضِينَ، ثُمَّ قَالَ: وَأَيْمُ اللَّهِ لَوْ دَلَّيْتُمْ [أَحَدَكُمْ] بِحَبْلٍ [إِلَى الأَرْضِ السُّفْلَى السَّابِعَةِ] لَهَبَطَ، ثُمَّ قَرَأَ:{هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ} مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 8828۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

271 ۔سورۃ فصلت:12

272 ۔حَدَّثَنَا سُرَيْجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذْ مَرَّتْ سَحَابَةٌ فَقَالَ: هَلَ تَدْرُونَ مَا هَذِهِ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الْعَنَانُ وَرَوَايَا الأَرْضِ يَسُوقُهُ اللَّهُ إِلَى مَنْ لاَ يَشْكُرُهُ مِنْ عِبَادِهِ وَلاَ يَدْعُونَهُ، أَتَدْرُونَ مَا هَذِهِ فَوْقَكُمْ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الرَّقِيعُ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ وَسَقْفٌ مَحْفُوظٌ، أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الَّتِى فَوْقَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: سَمَاءٌ أُخْرَى أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ، ثُمَّ قَالَ: هَلَ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذَلِكَ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: الْعَرْشُ قَالَ: أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ، ثُمَّ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا هَذَا تَحْتَكُمْ؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَرْضٌ أَتَدْرُونَ مَا تَحْتَهَا؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَرْضٌ أُخْرَى أَتَدْرُونَ كَمْ بَيْنَهما؟ قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: مَسِيرَةُ سبع مِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ أَرَضِينَ، ثُمَّ قَالَ: وَأَيْمُ اللَّهِ لَوْ دَلَّيْتُمْ [أَحَدَكُمْ] بِحَبْلٍ [إِلَى

کی رائے ہے۔اور اتفاقی طور پر مختلف الحقیقت ہیں۔(وَ اخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ) یعنی دونوں کاایک دوسرے کے پیچھے آنا اوران میں سے ہر ایک کادوسرے کے خلف ہونا۔ یاان میں سے ہر ایک کااپنی ذات میں کمی اور زیادتی کے اعتبار سے۔ یااندھیرے اور روشنی کے اعتبار سے۔اور لیل کو مقدم کیااس کی خلقت میں سبقت کی وجہ سے یااشرف ہونے کی وجہ سے۔

(وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ ) عطف ہے(خَلْقِ السَّمَاوَاتِ)نہ کہ (السَّمَاوَاتِ)پراور یاعطف ہے(اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ) پراور(وَالْفُلْكِ)ان الفاظ میں سے ہے جو مفرد اور جمع استعمال ہوتا ہے۔اوران کے درمیان تغائر اعتباری فرض کیا گیا ہے۔اگراس کے ضمہ کااصلی ہونے کااعتبار کیاجائے جیساکہ قُفْلٌ کاضمہ توپھر مفرد ہے۔اوراگراس کاضمہ عارضی ہو جیساکہ اُسُدٌ میں توپھر جمع ہے۔اوراول سے اللہ تعالیٰ کایہ قول(فِى الفُلكِ المَشحُونِ) ([273])ہے۔اور دوسرے سے یہ(اذا كنتم فى الفلک و جرين بہم) ([274])قول ہے۔اور کہا گیاہے کہ یہ جمع ہے۔فلک کی فاء کے فتحہ اور لام کے سکون سے۔اور کہا گیاہے کہ یہ اسم جمع ہے۔اور بعض نے یہ گمان کیاکہ یہ(فُلُک) ضمتین کے ساتھ ہے([275])۔اور یہ بعض کے نزدیک مفرد ہے اور کچھ نہیں۔اور الکواشیؒ نے فرمایاہے۔کہ ،الفلک،و الفلک، بضمتین دولغت ہیں۔اور واحد اور جمع لفظ میں برابر ہے۔اور اس کی پہچان ان کے فعل کے جمع اور مفرد ہونے سے ہے۔ (بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ) یہ ،ما، یاتومصدریہ ہے۔مطلب یہ کہ اسکے نفع سے۔اور یاموصولہ ہے۔مطلب یہ کہ اس چیز سے جوان کو نفع دے۔بناء براول ضمیر فاعلی یاتو فلک کوراجع ہے کیونکہ یہ لفظاً مذکراور معنیً مؤنث ہے۔جیساکہ کہا گیاہے۔یاضمیر جری کایابحر کوراجع ہے۔اوراس کاموصوفہ ہونے کااحتمال مقام استدلال کے مناسب نہیں ہے۔ (وَمَا أَنزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاء مِن مَّاءٍ ) عطف ہے(الْفُلْكِ) پر کہا گیاہے۔اوراس کو فلک کے بعد ذکر کرنااگرچہ نفع میں اس سے اعم ہے۔لیکن اس میں مزید تفصیل ہے۔اور کہا گیاہے کہ اول سے مقصود بحر اوراس کے احوال سے استدلال کرناہے۔نہ کہ فلک جواس میں چلتی ہے۔اس لئے اس سے استدلال یاتواس کی کاریگری سے ایسے طریقے پر کہ وہ پانی میں چلتی ہے۔یاتواس کو چلانے کی کیفیت کی علم سے، یاتوہوااور سمندر کو مسخر کرنے سے، یاتواس کے وسیلے ہونے کی وجہ سے اس چیز کی طرف جولوگوں کو نفع پہنچائے۔اوران میں سے کوئی چیز اس کے احوال میں سے نہیں ہے۔اس لئے کہ سمندر میں چلنے والی کشتی سے استدلال کرناایساہے جیساکہ استدلال کیاہو سمندر کے احوال پر۔بخلاف اس کے اگر بحر سے اوراس کے تمام احوال سے استدلال کیاجائے تو یہ عام ہے اوراس مقام کازیادہ لائق ہے۔مگر یہ کہ فلک کوذکر کے ساتھ خاص کیاباوجوداس کے کہ کہاجائے

---

الأَرْضِ السُّفْلَى السَّابِعَةِ] لَهَبَطَ، ثُمَّ قَرَأَ: {هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ}،مسنداما احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:8828۔ حکم حدیث:شعیب الارنوؤط نے اسے ضعیف کہاہے۔حوالہ مذکورہ۔

[273] ۔سورۃ یٰس:41

[274] ۔سورۃ یونس:22

[275] ۔الفیومی،القراءت الشاذہ،ص،11

کہ وہ عجائبات جو سمندر میں ہیں۔اس لئے کہ یہ سبب ہے اس کے احوال اور عجائب ہونے پر۔ پس اس کا ذکر کرنا اس کے جمیع احوال کا ذکر ہو گیا۔اور یہ ایک طریقہ ہو گا اس کے علم کی طرف۔اور اسی وجہ سے مقدم کیا گیا بارش اور بادل کے ذکر پر کیونکہ ان دونوں کا منشاء غالباً سمندر ہوتا ہے۔ ورنہ مناسب اختلاف لیل اور نہار کے ذکر کے بعد جو بلند تر نشانیوں میں سے ہے بادل اور بارش کا ذکر کرنا تھا۔ جو کہ کائنات کے موسم اور فلک کے درمیان میں عدم نظم کی وجہ سے کیونکہ یہ نچلی نشانیوں میں سے ہے۔اور میرے نزدیک یہ ظاہر کے بہت خلاف ہے۔اگرچہ اس کا قائل بلند مرتبہ ہے۔اس لئے کہ معنی موؤل ہوتی ہے اس بحر کی طرف جس میں کشتیاں چلتی ہیں جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہے۔اور یہ تاویل نظم قرآن کی تبدیلی ہے بغیر کسی داعی کے اور اس تاویل پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اور کون سی چیز مانع نہیں استدلال کرنے سے اس بات پر کہ کشتی اور اس کے آنے جانے سے اس طریقے کے مطابق جن کو مقادیر الٰہی حرکت دیتی ہے۔اور اس کشتی سے استدلال کرنا جو بوجھ اٹھاتی ہوئے سمندر میں آتی جاتی ہے اور اضطراب کے باوجود چلتی ہے۔اور یہ بات درست نہیں کہ کسی چیز کا فی نفسہ اس میں سے ہونا اس کے لئے حال نہیں ہے۔اور میرے خیال میں وجہ ترتیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول نمبر پر دو چیزوں اوپر اور نیچے کی خلقت کا ذکر کیا۔اور دو چیزوں کے اختلاف کو جو زمین اور اسمان کی دخل اندازی کی وجہ سے ہے اس کو ذکر کیا۔ دوسرے نمبر پر لیل و نہار کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا،ان کا زیادتی اور کمی، روشنی اور اندھیرے کے اعتبار سے بدلنا یہ سب فلکیاتی حرکت اور زمین کے مادے کی دو مخصوص کیفیتوں کے حائل ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر اس کے بعد اس چیز کا ذکر کیا جو لیل و نہار کی نشانی ہو جو کہ تیرنے والے ہیں ان میں ہر ایک آسمان کے مداروں میں جو آنے جانے کے لئے مسخر کئے گئے ہیں۔ جو لوگوں کے معاش اور ان کے انتظام کے معاملے میں ہے۔اور یہ وہ کشتیاں ہیں جو سمندر کے درمیان چلتی ہیں۔اور ان کا چلنا مشرق و مغرب میں مختلف ہوتا ہے۔ مقادیر الٰہیہ ان کو راستوں پر ڈالتی ہے اور راستوں کی انکشاف کے اعتبار سے۔ پس آیت اس وقت اللہ تعالیٰ کے قول(وَآيَةٌ لَّهُمْ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ، وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ، وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ، لاَ الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلاَ اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ، وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ)([276]) کے بیان کے مطابق۔ مگر دونوں آیتوں میں فرق صرف اتنا ہے۔ کہ دوسرے میں دونوں نشانیاں درمیان میں صراحۃً کشتی اور رات اور دن کے بارے میں ہے۔اور پہلے میں مقدم ہے وہ جو ان دونوں کی خبر دیتا ہے اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد لایا گیا ہے وہ جس میں عالم سفلی اور عالم علوی مشترک ہے۔اور اس کا بحر کے ساتھ مناسبت ہے بلکہ ان کشتیوں کے ذکر کے ساتھ جو لوگوں کے فائدے کے واسطے اس میں چلتی ہے۔اور وہ اسمان سے پانی اتارنا ہے۔اور اسے زمین میں پھیلانا ہے۔ان اشیاء کو زندہ کرنے کے لئے جو زمین میں دفن ہیں۔اور اس میں نفع تام اور فضل عام ہے۔اور یہاں پر اول ،مِنْ ابتدائیہ ہے اور دوسرا،مِنْ

---

[276] ۔سورۃ یٰس:37

بیانیہ ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا، مِنْ، تبعیضیہ ہواور اول سے بدل ہو۔اور سماء سے مراد طرف علوی ہے اور اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

(فَأَحْيَا بِهِ الأَرْضَ) یعنی ان کی قوت نامیہ کے ذریعے ان اشیاء کو اگانا جو ان میں رکھی گئی ہیں۔پودوں پھولوں اور درختوں کے انواع میں سے۔(بَعْدَمَوْتِهَا) یعنی زمین میں اس کی خشکی غالب ہونے کی وجہ سے اس کا ظاہر نہ ہونا۔جس طرح کہ اس کی طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہے۔(وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ) عطف ہے یا تو(أَنزَلَ) پر۔اور جامع یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مستقل نشانی ہے۔اور اسی عرض کے لئے کلام کو لایا گیا ہے فاعل میں مشترک ہونے کے ساتھ۔اور(اَحْيَاء)۔اول کے تتمہ میں سے ہے۔گویا کہ انزال سے استدلال کرنا جو مسبب عنہ ہے احیاء کا۔پس اس کے ذریعے فصل کرنا عطف کے لئے مانع نہیں ہے۔([277])اور یا عطف(اَحْيَاء) پر پس داخل ہو جائے گا،فاء سببی کے تحت۔اور پانی کے اتارنے کا سبب پھیلانے کے لئے ہے اس اعتبار سے کہ پانی چلنے والوں اور جانوروں کی زندگی کا سبب ہے۔اور پھیلانا حیات کا فرع ہے۔اور ربط کے لئے ضمیر کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ ،فاء سببیہ اس کو مستغنی کر دیتا ہے اور یہ مشہور قول ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ضرورت ہے تقدیر ،ب، کو یعنی بالماء،تاکہ مستقل طور اس کا انزال کے ساتھ ربط پر مخبر ہو۔جیسا کہ احیاء ہے۔اور فاء سببیہ اس میں کافی نہیں۔اس لئے یہ جائز ہے کہ سبب ان دونوں کا مجموعہ ہو۔اور یہ بات اگر موصول مجرور ہو تو مجرور کو حذف کیا جاتا ہے۔تو یہ قاعدہ اکثری ہے نہ کہ کلی۔اور ( مِنْ ) بیانیہ ہے اول تقدیر پر صحیح قول کے مطابق۔اور(كُلِّ دَآبَّةٍ) سے ہر قسم کے جانور مراد ہیں۔اور، بثہا، کا معنی ہے۔نسل بڑھنے اور پیدا کرنے کے ذریعے کثرت ہونا۔پس دلالت کرتی ہے ہر نوع کی کثرت پر جو زمین پر چلتے ہیں اور بعض میں منحصر نہیں ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تبعیضیہ ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض افراد کو پھیلایا ہے۔اور بعض کو نہیں پھیلایا اس نسبت سے جو اس کی قدرت میں ہے۔جیسا کہ زمخشریؒ نے جانوروں کو اسمان میں ثابت کیا ([278]) (حٰم ،عسق )([279])ہے۔اور اس میں یہ ہے کہ جانوروں کے ہر قسم کا زمین پر پھیلانا منافی نہیں ہے اس کے بعض افراد کو مقدر ماننا زمین واسمان میں۔اسی قاعدہ کی بناء پر کہ تبعیضیہ کا مدلول اس کے مدخول کا جزء ہوتا ہے نہ فرد

---

[277] ۔الحلبی،احمد بن یوسف السمین،الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون،دار القلم،دمشق،1422ھ/2001ء،سورۃ البقرۃ:164

[278] ۔ جار اللہ زمخشری ، محمود بن عمر۔الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الا قاویل فی وجوہ التاویل ، مکتبۃ العبیکان، الریاض 1418ھ/1908ء،سورۃ البقرۃ:164

[279] ۔سورۃ الشوریٰ:1۔2

۔اور تقدیر ثانی پر زائد ہے۔اس کے مبیّن نہ ہونے کی وجہ سے مقدم میں اور تبعیض کے عدم صحت کی وجہ سے۔اور یہ اثبات میں ایک ایسی زیادتی ہے جس کو امام اخفشؒ (280) کے سوائے کوئی جائز قرار نہیں دیتا۔(281)

(وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ) یعنی اللہ تعالیٰ کا ہواؤں کو پلٹنا جنوباً شمالاً، مشرقاً مغرباً گرم، ٹھنڈی تیز اور آہستہ بارش برسانی والی اور بغیر بارش والی، اور کبھی رحمت کے ساتھ اور کبھی عذاب کے ساتھ۔اور حمزہؒ اور کسائیؒ نے (الریح) کو مفرد پڑھا ہے (282)۔او جنس مراد لیا ہے۔اور ابن عباس سے مروی ہے کہ ،الریاح، رحمت کے لئے ہے اور ،الریح، عذاب کے لئے ہے۔اور روایت کی گئی ہے حضور ﷺ سے جب ہوا چلتی تھی تو فرماتے، اے اللہ اس ہوا کو ہمارے لئے ریاح بنانا نہ کہ ریح۔(283) اور شائد کہ ارادہ کیا آپ ﷺ نے اول سے (وَمِنْ ایاته أَن يُرْسِلَ الرياح مبشرات ) (284) اور ثانی سے (وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الريح العقيم) (285) اور ذکر کیا بارش سے زمین کا زندہ ہونا اور اس میں ہر جانور کو پھیلایا ہواؤں کے پھیرنے کے ساتھ اس لئے کہ اس میں نباتات کی بڑھوتری ہے۔اور حیوانات کی زندگی ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو ایک گھڑی اور لمحہ کے لئے روک دے تو زمین اور اسمان پر سب کچھ بدبودار اور گلے سڑے ہو جائیں گے۔جس طرح بعض آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

(وَالسَّحَابِ) یہ ما قبل پر عطف ہے اور اسم جنس ہے۔اس کا واحد سحابہ ہے۔بوجہ اس کا داخل ہونا موسموں میں یا بوجہ ہوا کا چلنا اس کے واسطے۔( الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاء وَالأَرْضِ) یہ سحاب کے لئے باعتبار لفظ صفت ہے۔اور بعض اوقات معنیٰ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔تو اس کی صفت جمع کے ساتھ تو لائی جاتی ہے۔جیسا کہ (سَحَاباً ثقالاً) (286) اور (بَيْنَ) ظرف لغو ہے جو مسخر کے ساتھ متعلق ہے۔اور تسخیر کا معنی یہ ہے کہ یہ نہ نازل ہوتا ہے اور نہ زائل ہوتا ہے باوجود اس کے کہ اس کی طبیعت چڑھنے کا تقاضا کرتی ہے اگر وہ لطیف ہو اور اترنے کا اگر کثیف ہو۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظرف مستقر مسخر کے ضمیر سے حال ہے۔اور اس کا متعلق محذوف ہے۔یعنی تابع کرنے والا ہواوں کا اس طور پر کہ ان کا پلٹنا اللہ تعالیٰ کے مشیئت سے ہے۔اور تصریف الریاح کو سحاب کے بعد لایا گیا کیونکہ وہ ریاح کے لئے معلول کی مانند ہے۔جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

---

280 ۔ اخفش کبیر، عبدالحمید بن عبدالمجید، ابوالخطاب، قیس بن ثعلبہ کے مولیٰ [آزاد کردہ غلام] تھے۔عربیت، لغت اور نحو کے چوٹی کے عالم تھے۔کئی اَعراب سے ملے اور اُن سے عربیت حاصل کی۔177ھ/793ء کو وفات پائی۔ابو الحسن علی بن یوسف قفطی، انباء الرواۃ علی انباء النحاۃ، دار الجیل، بیروت، 1414ھ/1993ء، ج2، ص175

281 ۔اخفش ابوالخطاب عبدالحمید بن عبدالحمید، معانی القرآن، المکتبۃ المصریہ، بیروت، س۔ن، سورۃ البقرۃ: 164

282 ۔ابو عمرو الدوانی، التیسیر فی القراءت السبع، ص18۔ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص223

283 ۔الشافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس، مسند الشافعی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س۔ن، ج1، ص175

284 ۔سورۃ الروم:46

285 ۔سورۃ الذاریات:41

286 ۔سورۃ الاعراف:57

اشارہ کیا گیا ہے۔( الله الذی یُرْسِلُ الریاح فَتُثِیرُ سَحَاباً)([287])اور اس کو معطوفات کے آخر میں جملے کی رعایت کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔اس لئے کہ یہ ارضی اور سماوی ہے۔ سو کلام کی ابتداء اور انتہا کا شامل ہونا اس پر ہے۔اور جو ہم نے ذکر کیا اس سے آیت کی ترتیب کا پتہ چلتا ہے۔اور بعض فضلاء نے کہا ہے کہ شائد ہوا کا پلٹنا اور بادل کا مسخر ہونا کشتیوں کے چلنے اور اور پانی کے نازل ہونے ، ترتیب خارجی کے انعکاس کے باوجود مؤخر ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر ایک مستقل طور پر ایک نشانی ہے۔اور اگر ترتیب خارجی کی رعایت کی جائے تو بعض اوقات ان امور میں جو ایک دوسرے پر عطف ہو جائے یہ توہم ہوتا ہے کہ یہ تمام بمنزلہ واحد کے ہیں۔اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس توہم کا دور ہونا ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (لآیَاتٍ) یہ اسم ہے اِنَّ کا۔اپنے خبر سے مؤخر ہونے کی وجہ سے اس پر لام داخل کیا۔اور تنکیر تفخیم کے لئے ہے کماً اور کیفاًیعنی آیات عظیمہ کثیرہ جو دلالت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ، حکمت اور وسیع رحمت پر جو الوہیت پر اپ کے ساتھ خاص کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ (لآیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَعْقِلُونَ ) یعنی جو غور و فکر کرے۔ عقل مجاز ہے فکر سے جو کہ اسی عقل کا ثمرہ ہے۔ابن ابی الدنیاؒ ([288])اور ابن مردویہؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ہلاکت ہے اس آدمی کے لئے جو اس کو پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے۔([289])اور اس میں تعریض ہے مشرکین کے اس سوال پر کہ آپ ﷺ ایک ایسی نشانی لے آئے جو آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرے۔اور اس میں کفار کی عقلوں کی کمزوری واضح کی گئی ہے۔ورنہ وہ آدمی جو ان آیات میں غور و فکر کرے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت پر بہت سے دلائل پائے گا۔اور تمام صفات کمالیہ جو واجب کرتی ہے اس بات کو کہ عبادت اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ

---

[287] ۔سورۃ الروم:48

[288] ۔ عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان،ابن ابی الدنیا،القرشی،الاموی،البغدادی،ابو بکر 208ھ/823ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔حافظ حدیث ہیں۔بکثرت کتابیں لکھیں۔خلیفہ معتضد باللہ عباسی اور اُن کے بعد اُن کے فرزند مکتفی باللہ کے اتالیق اور مؤدب رہے ہیں۔281ھ/894ء کو بغداد میں وفات پائی۔ذہبی،تذکرۃ الحفاظ،ج2،ص277،ترجمہ،399۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص118

[289] ۔أخبرنا عمران بن موسى بن مجاشع حدثنا عثمان بن أبي شيبة حدثنا يحيى بن زكريا عن إبراهيم بن سويد النخعي حدثنا عبد الملك بن أبي سليمان عن عطاء قال دخلت أنا وعبيد بن عمير على عائشة فقالت لعبيد بن عمير قد آن لك أن تزورنا فقال أقول يا أمه كما قال الأول زر غبا تزدد حبا قال فقالت دعونا من رطانتكم هذه قال بن عمير أخبرينا بأعجب شيء رأيته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فسكتت ثم قالت لما كان ليلة من الليالي قال يا عائشة ذريني أتعبد الليلة لربي قلت والله إني لأحب قربك وأحب ما سرك قالت فقام فتطهر ثم قام يصلي قالت فلم يزل يبكي حتى بل حجره قالت ثم بكى فلم يزل يبكي حتى بل لحيته قالت ثم بكى فلم يزل يبكي حتى بل الأرض فجاء بلال يؤذنه بالصلاة فلما رآه يبكي قال يا رسول الله لم تبكي وقد غفر الله لك ما تقدم وما تأخر قال أفلا أكون عبدا شكورا لقد نزلت علي الليلة آية ويل لمن قرأها ولم يتفكر فيها إن في خلق السماوات والأرض الآية كلها،الدارمی،ابو حاتم محمد بن حبان، صحیح ابن حبان،موسسۃ الرسالہ،بیروت،1414ھ/1993ء،رقم:620۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔السلسلۃ الصحیحۃ،ج3،ص212

کے غیر کے لئے نہیں ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔اور مختصر قول یہ ہے کہ بے شک ان چند امور میں سے ہر ایک خاص اور ممکن طریقے سے سوائے متضاد کے آثار معینہ اور احکام مخصوصہ کی تلاش کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔ سوائے اس کے جو اس کا وجود تقاضا کرتا ہے۔ بالفرض اگر ان کا وجود انسان کے وجود کے طریقہ پر ہو تو پھر اس کے لئے موجد کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی وجود بغیر موجد کے نہیں پایا جاتا۔ پھر معاذاللہ اللہ کے لئے کوئی موجد ماننا پڑے گا اور یہ الوہیت کے منافی ہے۔اور وہ قادر ہے ہر چیز پر اگر چاہے تو اس کو وجود گا اور اگر نہیں تو وجود نہ دے گا۔ وہ حکمت والا ہے اور تمام چیزوں کی حقیقتوں سے واقف ہے۔اور وہ ہر چیز کی اچھائی اور برائی کو جانتا ہے۔اور اس میں کیا حکمت ہے اس کا بھی علم رکھتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور شریک سے پاک ہے۔ بالفرض اگر اس طرح کوئی دوسری ذات ہوتی تو وہ بھی قادر ہوتی ان تمام چیزوں پر جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اگر یہ دونوں کسی چیز کو وجود دینے میں متفق ہو جائے تو پھر اس چیز کے وجود میں ہر ایک کا دخل ہو گا۔ تو اس سے ایک فعل میں دو فاعلوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔اور یہ مستلزم ہے دو علتوں کو اور یہ باطل ہے۔اور اگر یہ فعل ایک فاعل کے لئے ہو تو ایک کے لئے ترجیح بلا مرجح ہو گی۔ کیونکہ دونوں ارادہ میں مستقل بالذات ہیں۔اور اگر دونوں کے ارادے مختلف ہو کہ ایک کسی چیز کا وجود ایک نہج پر چاہتا ہو اور دوسرا دوسرے نہج پر تو تمانع لازم آئے گا۔ تو دونوں کا عجز لازم آئے گا۔اور یہ عجز الوہیت کا منافی ہے۔اور اس آیت میں اس بات کا اثبات ہے کہ کسی مسئلہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنا جائز ہے۔اور اس آیت سے علماء متکلمین اور علم کلام کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔اور بسا اوقات اس آیت سے علم فلکیات کی فضیلت بھی ثابت کرتے ہیں۔

(وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللهِ أَندَاداً) توحید کے دلائل کے بعد یہاں سے مشرکین کے حال کا بیان ہے۔اور ( مِن دُونِ اللهِ) حال ہے۔ ( يَتَّخِذُ) کے ضمیر سے۔اور الانداد سے مراد امثال ہیں۔اور یہاں بت مراد ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں کثرت سے آیا ہے۔ قتادہؒ مجاہدؒ اور اکثر مفسرین سے یہی مروی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ انداد سے مراد وہ سردار ہیں جن کی لوگ اطاعت کرتے تھے۔ سدیؒ سے یہی منقول ہے اور صادقؒ کی طرف بھی یہی معنی منسوب ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مراد اس سے عام ہے اور اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا ذریعہ بن جائے۔اور معنی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ ایک معبود سے جس سے بڑے بڑے امور میں مدد مانگتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معبودوں سے بھی مدد مانگتے تھے۔اور اپنی اطاعت کو ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے معبودوں کو بھی اس اطاعت میں شریک کرتے تھے۔اور اسم جلیل کا ذکر کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کی صفات میں ترغیب کے لئے ہے۔

(يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللهِ) یہ جملہ مستانفہ ہے یا صفت ہے الانداد کی۔اور یا جملہ صفت ہے ،مِنْ، کی جب، مِنْ کو آپ موصوفہ بنائیں۔ جو اتخاذ کی وجہ بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔اور محبت دل کے میلان کو کہتے ہے جو حب سے ہے۔ جو کہ حبوب کا واحد ہے۔ جو کہ حبۃ القلب سے مستعار ہے۔ پھر اس سے حب کو نکالا گیا ہے کیونکہ وہ دل کے اندر اثر کرتا ہے اور اس میں پختہ ہو گیا ہے۔ جمہور متکلمین کے نزدیک بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا افعال اختیاریہ میں سے ہے۔ ہم کہتے ہے کہ یہ

محبت نفس کی کسی چیز کی طرف رغبت نفع کی امید کے لئے ہوتا ہے اور یہی مسلک معتزلہ کا بھی ہے۔اور یا یہ صفت مرجحہ ہے جو اس کو الگ کرتا ہے جیسا کہ اہل سنت کا مسلک ہے اور یہ صرف عطیات سے تعلق رکھتی ہے۔اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ممکن نہیں بندے کی محبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی رضا حاصل کرے۔اور یہ مطلوب منحصر ہے اللہ کی ذات کی لذت اور تکالیف کی دور کرنے میں۔عارفین باللہ کہتے ہیں۔کہ اللہ کی ذات محبوب ہو ذات ہونے کے لحاظ سے یہ کمال ہے۔کیونکہ وہ کامل مطلق۔اور اس کے کمال کو دوسرا کمال نہیں پہنچتا۔اور اللہ سے محبت رکھنا اس وجہ سے کہ ہمارے لئے نعمتیں پیدا کی ہیں وہ ہمیں ثواب دے گا تو یہ کم درجہ ہے۔اور اللہ کی محبت بندوں سے یہ اس کی کریمانہ شان ہے بغیر کسی کیفیت کے۔گویا کہ نہیں گھوم سکتا فکر کا پرندہ ان کی چراہ گاہ کے ارد گرد (یعنی ان کی ذات کو پہنچنا بہت مشکل ہے)۔

یہاں محبت سے مراد تعظیم کرنا اور فرمانبرداری کرنا ہے۔بے شک کفار مکہ اللہ اور اس کے شریکوں کے درمیان برابری کو ثابت کرتے تھے۔اور وہ ان معبودان باطلہ کی اس طرح تعظیم اور اطاعت کرتے جیسے اللہ کی تعظیم اور اطاعت کرتے تھے۔ اور ،یحبونہم، کی جمع منصوب ضمیر انداد کو راجع ہے۔اگر اس ضمیر کا مرجع سرداروں کو ماناجائے تو پھر مطلب واضح ہے۔اگر اس ضمیر سے ضمیر عقلاء مراد لی جائے اس زعم باطل کے اعتبار سے کہ یہ اللہ کے شریک ہیں۔اور مصدر مضاف مبنی للفاعل ہے۔ اور اس کا فاعل ان کی ضمیر ہے۔مذکورہ قرینہ کی وجہ سے اور وہ اس پر دال ہے۔بے شک مشرکین اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتے اور شدائد میں اللہ کی طرف پناہ لیتے تھے۔(وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السمٰوات والارض لَيَقُولُنَّ الله)۔([290])اور (فَإِذَا رَكِبُواْ فِي الفلك دَعَوُاْ الله مُخْلِصِينَ لَهُ الدين) ([291])اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خلاف ظاہر ہے اور جملے یحبونہم ،کے مقتضی کے منافی ہے۔اور یہ معبود بنانے کی وجہ کا بیان ہے۔اور مبنی للمفعول ہے۔اور محب کے ذکر سے مستغنی ہے۔اس آیت میں تشبیہ دی گئی ہے مشرکین کا اپنے بتوں کو محبوب رکھنے کی حالت کا مومنین کی اللہ کی محبت کے ساتھ۔مطلب یہ کہ مشرکین بتوں کے ساتھ ایسا محبت کرتے تھے جیسا کہ مومنین اللہ کے ساتھ کرتے تھے۔اور یہ اللہ کے اس فرمان (وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبًّا لِّلّهِ) کے منافی نہیں ہے۔اس لئے کہ تشبیہ دو محبوبوں کے درمیان واقع ہوا ہے۔اور یہ تقاضا کرتی ہے کہ بتوں کی محبوبیت برابری کرتی ہے۔معاذاللہ،اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے ساتھ۔ان دو محبتوں میں سے ایک کو دوسرے پر مکمل اور مضبوط ترجیح ہے ۔کیونکہ اس محبت میں اللہ تعالیٰ محبوب ہے جو زوال سے پاک ہے۔مشرکین کی محبت اپنے معبودوں کے ساتھ ایسی نہیں کیونکہ وہ سخت مصائب میں اپنے معبودوں کو چھوڑ کر فقط اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔اور ان سے براءت کرتے ہیں۔اور بسا اوقات بتوں کی عبادت کرتے ہیں پھر ان کو چھوڑ کر دوسرے بتوں کی عبادت شروع کرتے ہیں۔اور بسا اوقات وہ اپنے بتوں کو کھا بھی جاتے ہیں۔جیسا کہ حکایت ہے۔کہ قوم باہلہ کے بت حلوہ کے بنے ہوئے تھے ان کے علاقے میں قحط آیا۔تو ان کو بھوک لگی تو

290 ۔سورۃ الزمر:38

291 ۔سورۃ العنکبوت:65

ان بتوں کو کھایا۔اور اللہ کے لئے بڑائی ہے۔کہ مشرکوں نے کبھی بھی اپنے خداؤں سے اتنا فائدہ نہیں لیا جتنا انہوں نے لیا ہے۔ کیونکہ اس نے کفر کی حلاوت چکھ لی۔اور شدت محبت سے مراد نفس قوت اور شدت مراد نہیں ہے۔تاکہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم کفار دیکھتے ہیں جو طاعات میں بہت مشقت کرتے ہیں۔جس کو اکثر مومنین نہیں کرتے۔تو کس طرح کہا جاسکتا ہے۔کہ مومنین کی محبت کفار کی محبت سے زیادہ ہے۔اور اسی سے، اَشَدُّ حُبًّا ،کا اختیار کرنا بجائے،اَحَبَّ ،کی وجہ ظاہر ہوئی۔یہاں شدت سے زیادتی مراد نہیں بلکہ دوام اور رسوخ مراد ہے۔وہ ذات تمام امور کی مالک ہے۔اس لئے قرآن میں فرمایا۔(فاستقم كَمَا أُمِرْتَ) ([292])اور آپ ﷺ کو وہ اعمال بہت پسند تھے جس میں دوام ہو۔علامہؒ نے فرمایا کہ لفظ،اَحَبُّ،سے اَشَدُّ، کی طرف جانا اولی ہے۔کیونکہ محبوبیت اشدیت میں پائی جاتی ہے۔پس التباس سے بچنے کے لئے عدول کیا۔اور کہا گیا ہے کہ ،اَحَبُّ ،یہ زیادہ ہے حروف میں حَبَّ سے۔اگر صیغہ اَفۡعَلُ کے وزن پر ہوتا تو اس سے ثلاثی مزید کا وہم بھی پیدا ہوتا۔(وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا) یعنی اگر جان لیتے ظالم لوگ جنہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنالیا۔اسم ضمیر کی جگہ اسم مضمر رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غیر اللہ کو معبود بنانا ظلم عظیم ہے۔غیر اللہ کو معبود بنانے کا فعل معلوم و مشہور ہے اس وجہ سے ان سے مطلقاً ظلم سے تعبیر کیا گیا۔موصول اور صلہ اس کا عذاب کو دیکھنے کے سبب کی خبر دیتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے اس اس قول (إِذْيَرَوْنَ الْعَذَابَ) سے سمجھا جاتا ہے۔کہ وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جو ان کے لئے تیار ہو گیا ہے۔لَوْ اور اِذْ،کے بعد صیغہ مستقبل لے آیا کیونکہ یہ دونوں ماضی کے ساتھ خاص ہے اور اسی پر داخل ہوتے ہیں۔اور اس کا مصداق یقینی طور پر پائے جانے کی وجہ سے۔یہاں مضارع کے صیغے بتاویل ماضی ہونگے۔پس دونوں جہتوں کی رعایت کی گئی ہے۔(أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً) یہ جملہ (يَرَى) کے دو مفعولوں کے قائمقام ہے۔اور (لَوْ) کا جواب محذوف ہے جو دائرہ بیان سے باہر ہے۔کہ وہ حسرت اور افسوس میں اس طور پر مبتلا ہو جائیں گے کہ بیان کا لائق نہیں۔اور کہا گیا ہے کہ کہ یہ متعلق جواب ہے دونوں مفعول کے محذوف ہیں۔اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ جب اپنے شریکوں کو دیکھیں گے کہ وہ ان کو ان کو نفع نہیں دے سکتے تو ضرور یہ بات جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ کے لئے ہے اس کے علاوہ نہ کوئی نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔اور ابن عامرؒ، نافعؒ اور یعقوبؒ نے (تَرَى) حاضر کے صیغہ سے پڑھا ہے۔([293])اور خطاب آپ ﷺ کو ہے۔اور یا ہر ایک کو ہے جو خطاب کی صلاحیت رکھتا ہو۔اور جواب اس وقت یہ ہوگا کہ اس کی ہولناکی اور قباحت بیان نہیں کر سکیں گے۔اور ابن عامرؒ (إِذْيَرَوْنَ) کو مبنی للمفعول پڑھا ہے۔([294])اور یعقوبؒ نے، اِنَ ،کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔([295])اور اسی طرح (وَأَنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ) جملہ

---

[292] ۔سورۃ ھود:112

[293] ۔ابو عمر والدوانی،التیسیر فی القراءات السبع،ص78۔ابن الجزری،النشر فی القراءات العشر،ج2،ص224

[294] ۔ایضاً

[295] ۔ایضاً

استیناف ہے یااضمار قول ہے۔یعنی اس کے قائلین ہیں۔اوراس جملے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس معاملے کی ہولناکی اور قباحت میں مبالغہ کرنا مقصد ہے۔پس قوت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنا عذاب کی شدت کو واجب نہیں کرتا ہے۔کیونکہ قدرت کے باوجود عفو کا چھوٹنالازم آتا ہے۔

(إِذْتَبَرَّأَالَّذِينَ اتُّبِعُوا) یہ بدل ہے (إِذْيَرَوْنَ) (296) سے مطلقاًاور بدل مبدل منہ کے درمیان فاصلہ جائز ہے۔ جواب اوراس کے متعلقات سے بدل کے لمباہونے کی وجہ سے۔اور یہ بھی جائز ہے۔کہ یہ(شَدِيدُ الْعَذَابِ) (297) کے لئے ظرف ہو۔ اوریا،اُذْكُرُوْا، فعل مقدر کے لئے مفعول ہو۔اور بعض نے گمان کیاہے کہ یہ (تَرَىٰ)(298)صیغۂ خطاب کے مفعول سے بدل ہے۔جیساکہ (إِذْ يَرَوْنَ)یہ بھی، تَرَىٰ، کے مفعول سے بدل ہے۔اور(أَنَّ الْقُوَّةَ)(299)( الْعَذَابِ) سے بدل اشتمال ہے۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ متعدد بدل کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔اوراس بات پر کتب نحو میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔اور یہ بات بھی وارد ہوتی ہے۔کہ بدل اشتمال میں مبدل منہ میں یہ بات واجب ہوتی ہے کہ وہ تقاضا کرے بدل کا اوراس پر اجمالی طور پر دلالت بھی کرے۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ بدل مشتمل ہو مبدل منہ کے ضمیر پر۔اور یہ دونوں باتیں موجود نہیں ہیں۔ (مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا) اوراس کا مطلب یہ ہے کہ جب رؤساءاپنے اس قول( تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ) (300) متبعین سے براءت کریں گے۔مجاہدؒ نے یہ جملہ مبنی للفاعل پڑھا ہے۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مبنی للمفعول بھی پڑھا گیا ہے۔یعنی براءت کریں گے وہ سردار جن کی اتباع کی جاتی تھی اور جداہو جائیں گے اورافسوس کریں گے ان کی عبادت پر۔ (وَرَأَوُاْ الْعَذَابَ) یہ حال ہے تابعین اور متبوعین سے جیساکہ ،لقیت راکبین ،میں ہے۔یہ واوحالیہ ہے اور اس کے بعد ،قد، محذوف ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ عطف ہے (تَبَرَّأَ) پر اوراس میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ بدل ہے (إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ) (301) سے۔اس میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ دو فعلوں کا فاعل ہے اور ایک دوسرے سے متغائر بھی ہیں۔مگر وقت کی ہولناکی کے اعتبار سے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ (وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُ) یہ عطف ہے (تَبَرَّأَ) پر یا(وَرَأَوُاْ) پر اور یا پھر حال ہے۔لیکن ان سب میں پہلی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔کیونکہ واو میں اصل عطف ہے۔اور جملہ میں استقلال کا معنی پایا جاتا ہے۔اور یہ فائدہ بھی ہے کہ اس میں تہویل اور رسوائی کے اسباب زیادہ پائے جاتے ہیں۔اوراس صورت میں ،قد، کی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔(بِهِمُ)اس میں باسببیہ ہے۔مطلب کہ ان کے کفر کی وجہ سے وہ

---

296 ۔سورۃالبقرۃ:165

297 ۔ایضاً

298 ۔سورۃالبقرۃ:165

299 ۔ایضاً

300 ۔سورۃالقصص:63

301 ۔سورۃالبقرۃ:165

تمام اسباب ختم ہو گئے جن کے سبب سے وہ نجات کی امیدیں باندھے ہوئے تھے۔اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ، باء ملابست کے لئے ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان کے وہ سارے اسباب نجات ختم ہو گئے جن کو وہ پہنچ سکتے تھے۔ جیسے کہ آپ کا قول،خرج زید بثیابہ،اور یہ بھی قول ہے کہ ،عن، کے معنی پر ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تعدیہ کے لئے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے،قطعتهم الأسباب،اور اسی سے اللہ کا یہ قول ہے۔( فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ)([302])ا ور سبب کا اصل معنی رسی ہے مطلقاً یعنی کہ وہ رسی جس کے ذریعے انسان پانی تک پہنچتا ہے۔یا وہ رسی جس کا ایک سرا چھت پر لٹکتا ہو یا پھر وہ رسی جس کے ذریعے انسان کھجور پر چڑھا جاتا ہے۔اور یہاں اسباب سے مراد وہ تعلق ہے جو تابع اور متبوعین کے درمیان دنیا میں حسب و نسب کے اعتبار،اور ایک ہی دین پر اتفاق اور اتباع کرنے میں اور لوگوں کو اس کی اتباع کرنے کی تلقین کرنے میں۔اور (تَقَطَّعَتْ) مبنی للمفعول بھی پڑھا گیا ہے ([303])۔اور،تقطع، متعدی اور لازم دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

---

[302] ۔سورۃ الانعام:153

[303] ۔ تفسیر بیضاوی، سورۃ البقرۃ: 166

# فصل چہارم

## سورۃ البقرۃ آیت 167 تا 168 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُواْ لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّؤُواْ مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ 167 يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِي الأَرْضِ حَلاَلاً طَيِّباً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ 168

**ترجمہ:** (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہے گے کہ ایک کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا۔ کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا۔ اور وہ دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے۔ 167 لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ 168

(وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُواْ لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً) یعنی اگر ہمارے لئے دنیا میں دوبارہ لوٹنا ثابت ہوا تو (فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ) ہم اپنے متبوعین سے براءت کا اعلان کر دیں گے۔ (كَمَا تَبَرَّؤُواْ مِنَّا) وہ دنیا کی طرف رجوع کرنے کی تمنی کریں گے۔ تا کہ وہ اللہ کی اتباع کرے اور اس طرح وہ آخرت میں اپنے متبوعین سے چھٹکارا پالیں۔ جب حشر میں سب جمع کئے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ جیسے انہوں نے اپنے متبوعین کے ساتھ معاملہ کیا ویسا ہی معاملہ ان کے ساتھ کیا جائے گا وہ سب اس پر حیران ہونگے۔ لہذا کوئی بھی ان سب میں رجوع کی تمنا کئے بغیر بری نہیں ہوگا۔ اور اسی سے دوسری قراءت جو مبنی للفاعل ہے ظاہر ہوتی ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ اتباع کو اپنے متبوعین سے چھٹکارہ ان سے علیحدہ ہونے اور نفع کی عدم حصول کی صورت میں ہوگا۔ اور یہ ان کو تنگ ہونے کی وجہ سے برا بھی نہیں کہیں گے۔ اسی وجہ سے تو وہ دنیا میں لوٹ آنے کی تمنا کریں گے۔ تا کہ اپنے متبوعین سے کلی طور پر براءت حاصل کر سکیں۔ اور جہاں تک بات اللہ کے قول (كَمَا تَبَرَّؤُواْ) تو وہ بھی متبوعین سے براءت کاملہ کا تقاضا کرتی ہے اور اسی طرح کا حکم دوسری آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اتباع جب قیامت کے دن متبوعین سے بری ہو جائیں گے تو دنیا میں رجوع کی تمنا کریں گے اپنے متبوعین کے ساتھ تا کہ انہیں دنیا میں بھی ذلیل کریں تو اس طرح سے ان کے لئے دنیا و آخرت میں ذلت جمع ہو جائے گی۔ لیکن یہ توجیہ (لَنَا) میں تغلیب کو محتاج ہو گا یعنی ہمارے اور ان کے لئے۔ اور جہاں تک دنیا میں براءت کی بات ہے۔ تو یہ تب ثابت ہو گی جب دونوں گروہوں کا دنیا میں لوٹ کر آنا ممکن ہو۔ (كَذَلِكَ) یہ مابعد کے لئے مفعول مطلق کی جگہ واقع ہوا ہے۔ اور اس کا مشار الیہ اراءت ہے جو (إِذْيَرَوْنَ)[304] سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اس عذاب کا دکھانا جو اللہ تعالی کی قوت کے ظاہر ہونے کے ساتھ متلبس ہو۔ اور اسباب نجات ختم ہو جانے اور دنیا کی طرف واپسی کی امیدیں ختم ہو جائے گے۔ (يُرِيهِمُ اللّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشار الیہ مصدر ہو جو مابعد سے معلوم ہوتا ہے۔ اور کاف اسم اشارہ کی تاکید کے لئے ہے۔ اور اس کا محل نصب ہے بناء بر مصدریت۔ مطلب یہ کہ ذلت اور رسوائی کا یہ اراءت اس حد تک جیسا کہ اللہ

---

[304] ۔ سورۃ البقرۃ: 165

تعالی کے اس قول میں(وکذلك جعلناکم أُمَّةً وَسَطًا) ([305])ہے۔اور یہ جملہ تاکید وعید کے ذیل میں ہے۔اور آخرت میں مشرکین کا حال بیان کرنے کے لئے اور ان کا عذاب میں داخل ہونے کے لئے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ جملہ مستانفہ ہو کہ جب ذلت ورسوائی اور انکی ہلاکت کو بیان کیا گیا تو سامع یہ تردد کرے گا اور سوال کرے گا کہ کیا ان کے لئے یہی عذاب ہے یا اور بھی ہے۔تو جواب دیا جائے گا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو (حَسَرَاتٍ) یہ تیسرا مفعول ہے اور ندامت کے معنی میں ہے جب رؤیت قلبی ہو۔اور اگر رؤیت بصری ہو تو پھر یہ (أَعْمَالَهُمْ) سے حال ہے۔تو اس صورت میں رؤیت کا معنی ہوگا کہ مشرکین قیامت کے دن تمام اعمال سئیہ کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔اور ایسی کتاب کھل جائے گی جس نے نہ چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ بڑی چیز کو اور اس کے بدلے میں سب کو سزا ملے گی اور سب کو شرمندگی کا سامنا ہوگا۔اور (عَلَيْهِمْ) یہ (حَسَرَاتٍ) کی صفت ہے۔اور اس کا تعلق محذوف مضاف کے ساتھ بھی درست ہے جو کہ ،تفریطہم، ہے ([306])۔اس لئے کہ ،حسر ،علیٰ ،کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔اور استدلال کیا ہے اس آیت سے ان حضرات نے جو کہتے ہیں کہ کفار مخاطب بالفروع ہیں۔

( وَمَاهُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ) اس کی امثال میں نفی کی حصر مسند الیہ میں معلوم ہوتا ہے۔جیسا کہ (وَمَا أَنَاْ بِطَارِدِ الذين اٰمَنُواْ )([307])،(وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ) ([308])میں ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ گناہ گار مؤمنین عذاب جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے جو(وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبًّا لِلّهِ)([309]) میں داخل ہو۔اور اگر(الذين ظَلَمُواْ)([310])سے صرف کفار مراد لئے جائے اور مشرکین کو شمار نہ کیا جائے تو یہ حصر حقیقی ہوگا اور اس سے وعید میں مبالغہ کرنا مقصود ہے۔کہ مشرکین کے ساتھ عذاب میں سوائے ان کے کوئی نہیں رہے گا کیونکہ شرکت عقوبات کو آسان کر دیتا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ اصل فعل کی نفی مقصود ہے۔کیونکہ یہی مقام وعید کے زیادہ لائق ہے۔اور حصر نفی مقصود نہیں ہے۔کیونکہ یہ تردد اور نزاع کا مقام نہیں کہ یہ خارج ہے یا غیر انفرادی طور پر یا اشتراکی طور پر اگرچہ گناہگار کی بنسبت یہ صحیح ہے۔مگر اتنی بات ضروری ہے کہ خلود میں مبالغہ کا فائدہ جو تو دیکھتا ہے نجات اور دنیا کو واپس لوٹنے کی امیدیں تو وہ مستفاد نہیں ہے۔اور یہاں پر ،باء، کا اضافہ خارجین میں سے ان کی ذوات کو نکالنا تاکید نفی کے لئے ہے۔اور تمہیں پتہ ہے کہ حسر میں حال محاطب کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس میں صرف یہ قول باقی رہے گا اس قول کے کہنے کے لئے کہ بعض آیات کا ظاہر عدم حصر کا تقاضا کرتا ہے۔اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا

---

[305] ۔سورۃ البقرۃ:143

[306] ۔الحلبی، تفسیر الدر المصون، سورۃ البقرۃ : 167

[307] ۔سورۃ ھود:29

[308] ۔ایضاً:91

[309] ۔سورۃ البقرۃ:165

[310] ۔ایضاً

یہ قول (يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُواْ مِنَ النار وَمَا هُم بخارجين مِنْهَا) ([311])ہے۔عدم حصر کا قول کرنا جدائی میں نص نہیں ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے۔

تفسیر اشاری۔ (اِنَّ الصَّفَا) مخالفات کی میل سے صاف روح (وَالْمَرْوَةَ) ([312])نفس کا اپنے مولا کی خدمت کے لئے کھڑے رہنا۔اللہ کی دین کی نشانیوں اور افعال قلبیہ اور نفسیہ میں سے ہیں۔اور جو وحدت ذاتی کے مقام کو پہنچا۔اور اللہ کے حضور میں غیر کے علاوہ داخل ہوا۔اور توحید بالصفات کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور کی زیارت کی۔اور جلال و جمال کے انوارات اپنے اندر سمولیتا ہے۔تواس میں کوئی خرج نہیں کہ وہ لوٹ آئے دونوں مقامات کی طرف بخشی ہوئی وجود کے ساتھ اپنے مطلوب کے حصول کے بعد۔اور جس نے تعلیم و نصیحت اور مسترشدین کو راستہ دکھانے کے ذریعے بھلائی اختیار کی تواللہ تعالی اس کے عمل کی قدر کرے گا اور اس کا بدلہ جانتا ہے۔ (اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ) جو ہم نے ان کو معرفت کے انوارات اور ہدایت کے احوال دیئے ہیں۔ (مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِيْ) ان کے روشن عقل کی کتاب میں اطاعت کی روشنی کی سبب (اُوْلٰئِكَ) اللہ تعالی ان کو دور کردیں گے اور ان کو اس سے پردے میں رکھیں گے۔ (وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰا عِنُوْنَ)([313])فرشتوں کی طرف سے تو کوئی ان کی مدد نہیں کرسکے گا اور مستعدوں کی طرف سے تو کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔ (اِلَّا الَّذِيْنَ) یعنی اللہ تعالی کی طرف لوٹ آئیں گے اور جان لیں گے کہ یہ تواللہ کی طرف سے ازمائش ہے۔اور اپنے اصلاح میں لگے رہیں گے۔اور ان کے سچے معاملات کی وجہ انہیں وہ اشیاء ظاہر ہونگے جو ان سے پوشیدہ تھیں۔ ( اُوْلئِک)تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالی توبہ قبول کرے گا۔ (وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ) ([314]) (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) اور حق سے پردوں میں ہے۔اور ان پردوں میں باقی رہے یہاں تک کہ اس کی استعداد ضائع ہوگئی اور قبولیت کی روشنی ختم ہوگئی۔ (اُوْلئِکَ)([315])جو حق سے دوری اور ذلت کے حق دار تھے۔ (خَالِدِيْنَ) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابَ) ان کاموں میں رسوخ کی وجہ سے جو اس عذاب کو واجب کرنے والے ہیں۔ (وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ)([316])اندھیروں میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے۔ (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) ([317])ذات اور وجود کے حوالے سے ایک ہے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں۔ ارواح آسمانی اور نفوس زمینی اور اس کے درمیان دن رات کا بدلنا اور بدن کی کشتی جو استعداد کی بحر میں چلتی ہے اور اپنے کمالات

[311] ۔سورۃ المائدہ:37

[312] ۔سورۃ البقرۃ:158

[313] ۔سورۃ البقرۃ :159

[314] ۔ایضاً:160

[315] ۔ایضاً: 161

[316] ۔ایضاً:162

[317] ۔ایضاً:163

سے لوگوں کو نفع دینے کے لئے اور زندگی کی اتمام کے لئے۔اور اللہ کا آسمان سے پانی نازل کرنا جس سے زمین کے جہل کی وجہ سے مردے نفوس کو زندہ کرنا۔اور اس میں حیوانوں کو بسانا۔اور آسمانوں میں سیارات کا جدا کرنا۔اور ہواؤں کا پلٹنا جو دلوں کے باغیچوں میں لگے باغ کے درختوں کو حرکت دینا۔اور تجلیات کے بادلوں کو آسمان کی ارواح اور زمین کے نفوس کے درمیان مسخر کرنا، تاکہ خطاب کے قطروں کو دلوں کے آگ پر نازل کرے جس سے وجد اور خوف کے آگ کو سکون مل جائے یہ تمام اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ کے دلائل ہیں (لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ)([318])روشن عقل کی بدولت جو تمام تر شوائب سے پاک ہے۔ (وَمِنَ النَّا سِ) جو اللہ کے سوا دوسری اشیاء جو اپنے آقا کی خدمت سے منع کیے گئے ہیں کی عبادت کرتے ہیں۔اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور ان کو اللہ کے ساتھ برابر کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے محبت کا مزہ نہیں چکھا ہے اور نہ اس کے نور کا مشاہدہ کیا ہے اور نہ اس کی قربت اور وصال کے حقائق کو دیکھا ہے۔ (وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا) ایمان کامل والے (اَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ) کیونکہ یہ اس محبت کی مشاہدات میں مستغرق ہیں اور (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) ([319])کے زمانے کے خطاب سے لذت حاصل کرتے ہیں۔اور اسی کے سوا کسی اور کو جھلک بھر بھی التفات نہیں کرتے۔ تو تباہی ہے ان کے لئے جب ان کی محبت ختم ہو جائے اور یا غیر کی طرف مائل ہو جائے اور ان کے دل تجلیات اور قرب کے عرش ہوتے ہیں۔ (وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا)([320])اور شریک ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ ان کو جس کی حقیقت لاشئ اور لاحیٔ ہے۔اور اللہ کے عذاب کو دیکھ کر اسے بچنے کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔اور قوت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔اور ان کے لئے اپنے معبودوں کی عبادت کرنے کا صلہ کچھ بھی نہ ہوگا تو وہ نادم ہونگے اور حسران میں کیونکہ انہوں نے اللہ کی رضا طلب نہیں کی تھی۔اور جب نقصان کی عذاب دیکھیں گے تو اتباع کرنے والے اپنے متبوعین سے براءت کا اعلان کریں گے۔(وَتَقَطَّعَت بِهِم) ([321])پس ان کے درمیان دنیا کی تعلق کٹ جائے گی۔اور اس چیز کی تمنا کرے گا جو کسی حال میں بھی ممکن نہیں اور حسرت اور عذاب میں رہیں گے۔اور اسی طرح روحانی اور صاف قُوٰی جو تابع ہو اللہ کی ان کے لئے اس کی لذات کی حصول میں ایک مزہ ہوگا کامیابی ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے۔ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِي الأَرْضِ حَلاَلاً) یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنے آپ پر سائبہ، وصیلہ، بحیرہ اور حام کو حرام کر لیا تھا۔ جیسا کہ ابن جریرؒ اور ابن عباس نے نقل کیا ہے۔([322])اور کہا گیا ہے کہ یہ عبداللہ بن سلام اور ان جیسے دیگر حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کہ جنہوں

---

[318] ۔سورۃ البقرۃ:164

[319] ۔سورۃ الاعراف:172

[320] ۔سورۃ البقرۃ:165

[321] ۔سورۃ البقرۃ:166

[322] ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 168

نے اپنے آپ پر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا جیسا کہ یہود کے مذہب میں ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو ثقیف، بنو صعصعۃ،بنو حزاعہ اور بنو مدلج کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اپنے آپ پر کھجور اور پنیر حرام کر لیا تھا۔ (حَلاَلاً) یا مفعول ہے (كُلُواْ) کا یا پھر موصول سے حال ہے تو معنی یہ ہو گا کہ تم کھاؤ اس حال میں کہ وہ حلال ہے۔اور یا صفت ہے مصدر مؤکدۃ کے لئے کہ تم کھاؤ حلال۔اور (مِنْ) دونوں صورتوں میں تبعیض کے لئے ہے۔اور بناء بر تقدیر اول یہ ابتدائیہ ہونا بھی جائز ہے۔اور متعلق ہو گا، کلوا کے ساتھ اور یا حال ہے (حَلاَلاً) سے اور ذوالحال پر مقدم کیا کیونکہ نکرہ ہے۔اور اس کا ابتدائیہ ہونا متعین ہے۔جیسا کہ ،الکشف، میں ہے۔ان حضرات کے ہاں جن کے نزدیک اشیاء میں اباحت اصل ہے۔اور امام رضیؒ([323]) نے اس کو ابتدائیہ کہا ہے کیونکہ تبعیض اصل میں ابتداء کا حصہ ہے۔مگر یہ کہ ایک ایسی ظاہر یا مقدر چیز کا ہونا ضروری ہے جو مجرور ،بمِن،۔اور یہاں ایک لفظ کو دوسرے کی جگہ قائم مقام کرنا بھی لازم نہیں آتا۔جبکہ علامہ تفتازانیؒ([324]) نے تبعیض کے لئے ہونے کو منع فرمایا ہے کیونکہ پھر تو یہ مفعول بہ کی جگہ میں واقع ہو گی۔اور ایک فعل دو مفعولوں کو نصب نہیں دیتا۔اور یہ مبنی ہے جیسا کہ ،التسہیل،([325]) وغیرہ میں ہے۔کہ ،من، کا حقیقی معنی تبعیض ہے۔اور اس کی علامت یہ ہے کہ لفظ بعض کو اس کی جگہ پر رکھ سکتے ہے۔اور امر وجوب کے لئے ہے جب خوراک انسانی قوام کے لئے ہو۔اور امر ندب کے لئے ہے جب مہمان کی محبت کی خاطر ہو اور اس کے سوا اباحت کے لئے ہے۔اور آیت کی مناسبت ما قبل سے یہ ہے۔کہ پہلے توحید اور اس کے متعلق دلائل تھے اور تابیین اور عصاۃ کی حالات کا بیان تھا۔اس کے بعد اپنے انعامات اور رحمت کا بیان شروع کر دیا۔تاکہ دلالت کرے اس بات پر کہ کفر کو نعمت کے زوال پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ (طَيِّباً) یہ صفت ہے (حَلاَلاً) کا،اور اس کا معنی وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جسے شرع لذیذ قرار دے اور اس میں کوئی کراہت نہ ہو یا وہ چیز بظاہر دیکھنے میں ناپاکی کے تمام تر شبہات سے پاک ہو۔اور وصف حلال کا فائدہ حکم کی تعمیم ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ( وَمَامِنْ دَآبَّۃٍ فِیْ الْاَرْضِ)([326]) میں ہے۔تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیتے ہیں۔اس لئے کہ نکرہ موصوفہ صفت عامہ سے تعمیم کا فائدہ دیتا ہے۔بخلاف غیر موصوفہ کے۔امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ حلال سے مراد ایک ایسی مستقیم خواہش جو مزاج صحیحہ سے

---

[323] ۔ابو عبد اللہ محمد بن علی بن یوسف انصاری، آپ کا لقب رضی الدین اور رضی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔601ھ/1204ء کو بلنسیہ (سپین) میں پیدا ہوئے۔علم نحو، لغت اور قراءت کے امام تھے۔آپ کے تصانیف حاشیہ علی جوہری بہت مشہور ہے۔ابو حیان نحوی آپ کے شاگرد تھے۔684ھ/1285ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص283

[324] ۔مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی، سعد الدین۔عربیت، بیان اور منطق کے ماہر عالم تھے۔خراسان کے تفتازان نامی گاؤں میں 712/ھ 1312ء کو پیدا ہوئے۔سرخس میں اقامت پذیر رہے۔تیمور لنگ نے اُنہیں سمر قند جلا وطن کیا جہاں 793 /ھ 1390ء کو وفات پائی۔سرخس میں دفن کیے گئے۔ابن حجر،الدرر الکامنہ،ج4،ص350

[325] ۔تسہیل میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔شائد یہ تسہیل کے کسی شرح میں ہو۔

[326] ۔سورۃ الانعام:38

پیدا ہو اس کو عمدہ لگے۔اور بعض اشیاء مزاج کے مطابق نہیں ہوتی لیکن وہ بھی حلال ہوتی ہے ورنہ یہ بھی حلال کی قید سے خارج ہو جاتی ہے۔تو حلال سے مراد وہی ہے جسے شرع نے حلال قرار دیا ہو۔اور اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو مزاج سلیم کو عمدہ اور اچھا نہ لگے یا تو بلا شبہہ حلال ہو گا تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔اگر عمدہ نہیں تو قید حلال سے خارج ہوا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حلال سے مراد وہ جس پر نص وارد ہو لیکن وہ بعام جس سے لذت حاصل کی جاتی ہو۔اور طبیعت سلیمہ کو اس کی خواہش ہو اور شریعت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو جیسا کہ نشہ اور اشیاء ضرر کی حرمت کہ اس کی حرمت منصوصی ہے۔اور غور و فکر کے اعتبار سے اس مقام میں عمدہ اور اولی بات یہ ہے۔کہ تقیید احتراز کے لئے نہیں ہے اس سے جو مزاج فاسدہ کو لذیذ لگے بلکہ یہ مفہوم کے اعتبار سے ہے۔اور یہ نہیں کہا جاتا کہ پاک اور لذیذ صرف وہ ہے جسے مزاج مستقیمہ پسند کرے۔اور اس وقت صفت کا فائدہ یہ ہو گا کہ نص ان چیزوں کے بارے میں وارد ہوئی جن کو انہوں نے حرام قرار دیا ہو۔اور یہ قول بھی ہے کہ اس تفسیر کی بناء پر آیت میں اشارہ ہے عدم اکل کا جب معدہ بھرا ہوا ہو۔اور اشتہاء معدوم ہو۔کیونکہ اس وقت کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگتی۔کیونکہ لذیذ بعام جو کھایا جاتا ہو بعاموں میں سے جس کو اشتہا عمدہ سمجھتی ہے مگر پھر بھی طبیعت مستقیمہ والا نہیں کھاتا۔اور دونوں معنوں کے درمیان بہت بعد بعید ہے جیسا کہ بعض محققین نے فرمایا ہے۔اور بعض نے آیت سے استدلال کیا ہے۔کہ جس نے اپنے آپ پر بعام حرام کیا تو وہ لغو ہے اور اس پر حرام نہیں ہے۔اور اس میں خفاء جو کہ مخفی نہیں ہے۔ (وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ) خلیلؒ[327] نقش قدم مراد لیتا ہے۔[328] ابن عباسؓ اعمال مراد لیتا ہے۔اور مجاہدؒ گناہ مراد لیتا ہے۔اور اس معنی کا حاصل یہ ہے کہ تم اس کی عقیدہ مت رکھو۔اور اس کے سنت پر مت چلو۔کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال مت کرو۔اور صادقؒ نے فرمایا ہے کہ حطوات سے مراد طلاق دینے کا قسم اور گناہوں کے کاموں کا نذر اور غیر اللہ کے نام پر ہر قسم ۔حمزہؒ نافعؒ اور ابو عمروؒ [329] نے طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔[330] اور یہ خطوۃ کی جمع میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔حضرت

---

327 ۔ابو عبد الرحمٰن خلیل بن احمد البصری الفراہیدی،100ھ/718ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔علم عروض کے موجد تھے۔علم نحو، لغت اور موسیقی میں ماہر تھے۔آپ کے بارے لوگ کہتے تھے عرب میں صحابہ کرام کے بعد سب سے قابل آپ تھے۔ہر دوسرے سال پر حج جاتے تھے۔علم موسیقی میں کتاب النغم اور علم لغت میں کتاب العین مشہور کتب ہیں۔170ھ/786ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ابن خلکان، وفیات الاعیان،ج2،ص256

328 ۔الفراہیدی،ابو عبد الرحمٰن الخلیل بن احمد، کتاب العین، مکتبۃ الہلال، دمشق، س۔ن،ج 4،ص292

329 ۔ابو عمرو عثمان بن سعید الاموی القرطبی،371ھ/981ء کو قرطبہ (اسپین) میں پیدا ہوئے۔علم قراءت، حدیث، فقہ اور ادب میں ماہر تھے۔بیس سال کے عمر میں سبعہ قراءت حاصل کئے تھے۔حصول علم کے لئے مختلف ممالک کے سفر کئے۔آپ کے تصنیفات میں،التیسیر فی القراءت السبع فی القراءت السبع،المقنع فی رسم المصاحف و نقطھا اور الاہتداء فی الوقف والابتداء قابل ذکر ہیں اور قراءت میں سند کے طور پر مانے جاتے ہیں۔444ھ/1053ء کو قرطبہ میں وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص206

330 ۔ابو عمرو الدوانی،التیسیر فی القراءت السبع،ص78۔ابن الجزری،النشر فی القرءات العشر،ج2،ص216

علی نے ضمتین اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔([331])اور اس توجیہ میں دو وجہیں ہیں۔پہلی یہ کہ ہمزہ اصلی ہے اور خطاء سے بمعنی خطااور غلطی کے ہے۔دوسری یہ کہ کہ واو کو ہمزہ کے ساتھ بدل دیا گیا ہے۔کیونکہ واو مضمومہ ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے جیسے وُجُوہٌ سے اُجُوہٌاور یہ جب ضمہ اس کے جوار میں آیا گویا اسی کے اوپر ہے۔زجاجؒ نے فرمایا ہے([332])اور یہ عربی میں جائز ہے۔اورابوالسمالؒ([333])نے فتحتین کے ساتھ پڑھا ہے۔([334])کہ یہ حطوۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایک قدم۔ ( اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ) یہ نہی کی تعلیل ہے۔اور ( مُّبِينٌ ) ابان سے ہے جس کا معنی ظہور کے ہے۔ یعنی ظاہر دشمنی والااہل بصیرت کے ہاں اگرچہ وہ اپنی ولایت کو اس کے لئے ظاہر کرتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے۔اسی لئے تو وہ ولی پر مسمی کیا گیا ہے اللہ کے اس قول (اَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوْتَ)([335])اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ،تحیتہم السیف، کے باب سے ہو۔اور کہا گیا ہے کہ ابان بہ معنی اظہر ہے۔یعنی دشمنی کو ظاہر کرنے والا۔لیکن اول توجیہ تعلیل کے مقام کے زیادہ لائق ہے۔

[331] ۔ابن جنی،المحتسب،ج1،ص117۔الفیومی،القراءت الشاذہ،ص11

[332] ۔زجاج،معانی القرآن،سورۃ البقرۃ: 168

[333] ۔ابوالسمال اپنی کنیت سے مشہور ہے۔اصل نام:معتب بن ہلال العدوی المقری بصری ہے۔اس کا نام مغیث اور قعنب بن ابی قعنب بھی بتایا جاتا ہے۔اس کے حروف شاذ ہیں جس کی نقل پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ساجی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ازدی نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر،لسان المیزان،مؤسستہ الاعلمی،بیروت،1406ھ/1986ء،ج9،ص86

[334] ۔ابن جنی،المحتسب،ج1،ص117۔الفیومی،القراءت الشاذہ،ص11

[335] ۔سورہ البقرۃ:257

# فصل پنجم

## تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن قرطبیؒ اور تفسیر مظہری کے فقہی احکام میں تقابلی جائزہ

آیت 157۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ماقبل آیت سے ربط کی طرف اشارہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں صابرین کے لئے اجر کا بیان ہے۔ صلوۃ اور رحمۃ کی مختصر تشریح بیان کی ہے۔اس کے بعد ماقبل دو آیتوں کی تشریح دوبارہ اس آیت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔کہ آیت مبارکہ صابرین کی مدح پر مشتمل ہے۔([336])

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں صابرین کے لئے اجر کا ذکر بیان فرمایا ہے کہ ان پر اللہ کی رحمت، عفو، برکت دنیا و آخرت میں ہوگا۔([337])اور فرماتے ہیں کہ ،صلوۃ من ربھم،سے مراد میت پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے دعا کرنا ہے۔

علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں نہایت یکسانیت پائی جاتی ہے۔صرف یہ کہ آلوسیؒ نے آیت کے بعض کلمات کی نحوی اور معنوی تحقیق بیان کر کے قرآن کریم کی بلاغت اور فصاحت کی اچھی طرح وضاحت بیان فرمائی ہے۔اور ساتھ ساتھ کلمات کی تقدیم و تاخیر کی وجوہ بہت عمدگی کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کی ہے۔اور اس آیت کے ساتھ ساتھ ماقبل آیتوں کی بھی اس جگہ تفسیر اشاری بیان فرمائی ہے۔

تفسیر اشاری۔ بنیادی طور سے قرآن کریم کی تفسیر دو طرح کی ہوتی ہے۔1۔ تفسیر ماثوری 2۔تفسیر اشاری۔تفسیر اشاری کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک نظری یا معقولی اور دوسری صوفیانہ

اگر اشارہ علماء راسخین اور فقہاء و متکلمین کا ہو تو اسے تفسیر نظری یا معقولی کہتے ہے۔اور اگر اشارہ صوفیاء اور عارفین باللہ کا ہو تو اسے تفسیر اشاری کہتے ہے۔تفسیر معقولی کا تعلق ظاہری مسائل شرعیہ اور عقلی توجیہات سے ہوتا ہے جب کہ تفسیر اشاری کا تعلق مسائل طریقت و سلوک اور وجدانی حقائق سے ہوتا ہے۔جلال الدین سیوطیؒ تفسیر اشاری کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔

وأما ما يذهب إليه بعض المحققين من أن النصوص على ظواهرها ومع ذلك فيها إشارات خفية إلى دقائق تنكشف على أرباب السلوك يمكن التطبيق بينها وبين الظواهر المرادة فهو من كمال الإيمان ومحض العرفان ([338])

---

336 ۔ قال أبو بكر وقد اشتملت هذه الآية على حكمين فرض ونفل فأما الفرض فهو التسليم لأمر الله والرضا بقضاء الله والصبر على أداء فرائضه لا يثنيه عنها مصائب الدنيا ولا شدائدها وأما النفل فإظهار القول بإنا لله وإنا إليه راجعون فإن في إظهاره فوائد جزيلة منها فعل ما ندب الله إليه ووعده الثواب عليه ومنها أن غيره يقتدي به إذا سمعه ومنها غيظ الكفار وعلمهم بجده واجتهاده في دين الله تعالى والثبات على طاعته ومجاهدة أعدائه ويحكى عن داود الطائي قال الزاهد في الدنيا لا يحب البقاء فيها وأفضل الأعمال الرضا عن الله ولا ينبغي للمسلم أن يحزن للمصيبة لأنه يعلم أن لكل مصيبة ثوابا ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:157

337۔ أراد بالرحمة كشف الكربة وقضاء الحاجة. وفي البخاري وقال عمر رضي الله عنه : نعم العدلان ونعم العلاوة {الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ} أراد بالعدلين الصلاة والرحمة ، وبالعلاوة الاهتداء.قيل: إلى استحقاق الثواب وإجزال الأجر ،وقيل:إلى تسهيل المصائب وتخفيف الحزن. قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:157

338۔سیوطی،عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین،الاتقان فی علوم القرآن،مکتبہ حقانیہ،کوئٹہ،س۔ن،ج2،ص486،رقم:6348

اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیر اشاری میں وہ لطیف اور پوشیدہ معانی بیان کئے جاتے ہیں جن کا ادراک ارباب کشف ہی کو ہوتا ہے ۔یہ ایسے نکات ہوتے ہیں جو ظاہری معنی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں متعارض نہیں۔بلا شبہ ایسے معانی کا سرچشمہ الہامات ربانیہ ہوتے ہیں۔جسے علم لدنی بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔ ([339])

اس آیت میں علم لدنی سے مراد وہ علم نہیں جو ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ علوم و معارف مراد ہے جو علیم و خبیر ذات کے لطف و عنایت سے پاکیزہ قلوب پر القاء کئے جاتے ہیں۔

تفسیر اشاری کا ثبوت ۔اس بارے میں محققین علماء وائمہ نے اس بات کی تائید فرمائی ہے کہ تفسیر اشاری دین میں کوئی نئی ایجاد نہیں ہے بلکہ اس کی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے۔معارف قرآن کے بیان کے لئے یہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت سے چلا آرہا ہے جب سے قرآن کریم کا نزول شروع ہوا تھا۔خود رسول اللہ ﷺ نے اس منہج سے آگاہ فرمادیا تھا اور صحابہ کرام بھی اس سے بخوبی واقف تھے۔امام شاطبیؒ ([340]) فرماتے ہیں۔

ہٰذَاوَقَدْقَرَّرَعُلَمَاءُ التَّنْزِيْلِ اَنَّ لِلتَّفْسِيْرِ الْاِشَارِی اَصَلًا شَرَعِيًّايَقُوْمُ عَلَيْہِ،وَاِنَّہٗ لَمْ يَكُنْ اِبْتِدَاعًا جَدِيْدًافِی اِبْرَازِمَعَانِی الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ،بَلْ ہُوَاَمْرٌمَعْرُوْفٌ مِّنْ لَّدُنْ نُزُوْلِہٖ عَلَی الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اَشَارَاِلَيْہِ الْقُرْآنُ وَنَبَّہٗ عَلَيْہِ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ وَكَذٰلِکَ عَرَفَہُ الصَّحَابَۃُ الْاَطْہَارُرِضْوَانُ اللهِ عَلَيْہِمْ وَ اَظْہَرُوْا اِقْبَاسًامِّنْہُ لِلْاُمَّۃِ ۔ ([341])

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تفسیر اشاری کی بنیاد اصل شرعی پر قائم ہے۔قرآن کے معانی بیان کرنے کے لئے یہ کوئی نیا طریقہ نہیں بلکہ نزول قرآن کے زمانے ہی سے یہ طریقہ موجود تھا۔اس سلسلے میں تفسیری نظائر و امثال بھی موجود ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوْابِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْہُم،([342])

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا،([343])

---

[339]۔سوۃ کہف:85

[340] ۔ ابراہیم بن موسی بن محمد لخمی،غرناطی،اصولِ دین کے ماہر عالم تھے۔ حافظ تھے۔غرناطہ،اندلس ،سے تعلق تھا۔ مالکی مذہب کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔کئی مفید اور معتبر کتابوں کے مصنف ہیں۔790ھ/1385ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج1، ص75

[341]۔شاطبیؒ،ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی،الموافقات،دارابن عفان،بیروت،1417ھ/1997ء،ج1،ص123

[342]۔سورۃ النساء:84

[343]۔سورۃ محمد:24

اس آیتوں سے یہ بات بخوبی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن کے ظاہری مفہوم کے علاوہ اس کے اندر پوشیدہ مطالب بھی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کو زجر و توبیخ فرمائی کہ وہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن کے ظاہری معانی کو نہیں سمجھتے تھے۔بلکہ ظاہری مفہوم وہ بخوبی سمجھتے تھے۔کیونکہ قرآن خود ان ہی کی زبان میں نازل ہوا۔لہذا یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کلام کو نہ سمجھ پائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ان معانی کو نہیں جانتے تھے جو مراد الٰہی ہے۔امام شاطبیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَالْمَعْنٰی لَایَفْہَمُوْنَ عَنِ اللہِ مُرَادَہٗ مِنَ الْخِطَابِ ،وَلَمْ یَرِدْ أَنَّہُمْ لَایَفْہَمُوْنَ نَفْسَ الْکَلَامِ:کَیْفَ وَہُوَ مَنَزَّلٌ بِلِسَانِہِمْ؟وَلٰکِنْ لَمْ یُحْظُوْابِفَہْمِ مُرَادِ اللہِ مِنَ الْکَلَامِ وَکَانَ ہٰذَابُوَمَعْنٰی مَارُوِیَ عَنْ عَلِيٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ،أَنَّہٗ سُئِلَ:ہَلْ عِنْدَکُمْ کِتَابٌ فَقَالَ: لَا، إِلَّاکِتَابَ اللہِ،أَوْفَہْمٍ أُعْطِیَہٗ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَافِی ہٰذِہِ الصَّحِیْفَۃِ۔([344])

اسی طرح عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، أخبرنا عمر بن محمد الهمداني قال حدثنا إسحاق بن سويد الرملي قال حدثنا إسماعيل بن أبي أويس قال حدثني أخي عن سليمان بن بلال عن محمد بن عجلان عن أبي إسحاق الهمداني عن أبي الأحوص عن ابن مسعود رضي الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه و سلم،أنزل القرآن على سبعة أحرف لكل آية منها ظهر وبطن،([345])

قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس کی ایک حد ہے ایک مطلع۔ظاہر سے ظاہری معنی مراد ہے جو عبارۃ النص سے معلوم ہوتا ہے۔باطن سے مراد وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ارباب حقیقت کو باخبر کرتا ہے۔بعض لوگوں نے اس سے تاویل کا علم مراد لیا ہے جو حسن باطن کی صفت رکھنے والے بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَأْوِیْلِ الْأَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ ([346])

علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے عبداللہ بن عباس کے لئے یہ دعا فرمائی تھی۔

أَللّٰہُمَّ فَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ ([347])امام غزالیؒ نے اس حدیث سے تفسیر اشاری پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اگر تاویل بھی تنزیل کی طرح محض سماعت سے حاصل ہو جاتی اور محفوظ ہوتی تو اس کو خصوصیت کے ساتھ علیٰحدہ

---

[344]۔ شاطبیؒ،الموافقات،ج1،ص131

[345]۔ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد التمیمی، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت،1414ھ/1993ء، رقم:75

[346]۔ سورۃ یوسف :6

[347]۔ مسند امام احمد، رقم:2397

ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔([348]) مطلب یہ کہ تاویل ایک خاص علم ہے جس سے اعلیٰ معانی واحتمالات کا ادراک کیا جاتا ہے جو اشارات ورموز پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ علم خواص کو ہی عطا کیا جاتا ہے ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اکابر صحابہ کرام کی بھی ایسی روایات ملتی ہیں۔ جو تفسیر اشاری کو ثابت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔

عن ابن مسعود قال:من أراد خير الأولين والآخرين فليثور القرآن فإن فيه خير الأولين والآخرين ([349])اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔لا يكون الرجل فقيها كل الفقه حتى يرى للقرآن وجوها كثيرة، ([350])اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ قرآن سے متعدد وجوہات و معانی نکالنے کی صلاحیت پیدا نہ کر لے۔

کتاب اللہ اور حدیث کی جو تفسیر صوفیاء کرام انوکھے معانی کی صورت میں بیان کرتے ہیں وہ ایسی تفسیر نہیں کہ ظاہری قرآن و حدیث کو ظاہری معنی سے پھیر دیتی ہے۔ بلکہ ان کا موقف وہی ہوتا ہے کہ آیت کا ظاہری مفہوم وہی رہے جس کے لئے آیت لائی گئی ہے اور جس پر اہل زبان کے عرف کا مطابق دلالت کر رہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ کچھ باطنی اسرار بھی ہوتے ہیں۔ جن کو آیت یا حدیث سے وہی شخص سمجھ سکتا ہے۔ جن کا سینہ اللہ تعالی نے کشادہ کر دیا ہے۔ جس کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ([351]) فرماتے ہیں۔

مِثْلُ مَا يَأْخُذُونَهَا مِنْ الْقُرْآنِ وَنَحْوِهِ فَتِلْكَ الْإِشَارَاتُ هِيَ مِنْ بَابِ الِاعْتِبَارِ وَالْقِيَاسِ ؛وَإِلْحَاقِ مَا لَيْسَ بِمَنْصُوصٍ بِالْمَنْصُوصِ مِثْلُ الِاعْتِبَارِ وَالْقِيَاسِ ؛الَّذِي يَسْتَعْمِلُهُ الْفُقَهَاءُ فِي الْأَحْكَامِ ؛ لَكِنَّ هَذَا يُسْتَعْمَلُ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ وَفَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَدَرَجَاتِ الرِّجَالِ وَنَحْوِ ذَلِكَ فَإِنْ كَانَتْ " الْإِشَارَةُ اعْتِبَارِيَّةً "مِنْ جِنْسِ الْقِيَاسِ الصَّحِيحِ كَانَتْ حَسَنَةً مَقْبُولَةً ؛ وَإِنْ كَانَتْ كَالْقِيَاسِ الضَّعِيفِ كَانَ لَهَا حُكْمُهُ وَإِنْ كَانَ تَحْرِيفًا لِلْكَلَامِ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَتَأْوِيلًا لِلْكَلَامِ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيلِهِ كَانَتْ مِنْ جِنْسِ كَلَامِ َالْجَهْمِيَّةِ،([352])

---

[348]۔ غزالی، ابو حامد، محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، مکتبہ، دار الاشاعت، ملتان، س۔ن، ج1، ص134

[349]۔ طبرانی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، 1404ھ/1983ء، رقم:8664

[350]۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج1، ص404، رقم:2835

[351]۔ احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم، حرانی، دمشقی، حنبلی، ابو العباس، تقی الدین ابن تیمیہ، 661ھ/1263ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہوگئے۔ 728ھ/1328ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالم دین تھے۔ ذہبی، المعجم المختص بالمحدثین، ص24۔ الزرکلی، الاعلام، ج1، ص144

[352]۔ ابن تیمیہ، ابو العباس تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی، دار الوفاء، بیروت، 1426ھ/205ء، ج6، ص377

تفسیر اشاری اور علامہ آلوسیؒ کا موقف: علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر کو روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے سلف اور حلف کے اقوال کے مطابق نقل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ آپؒ ابن حبانؒ(353) کشافؒ، بیضاویؒ(354)، رازیؒ(355) اور دیگر معتبر تفاسیر کے اقتباسات لاتے ہیں۔ مگر ان کو من و عن قبول کرنے کی بجائے ان پر پورا محاکمہ کرتے ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر کسی مفسر کو ہدف تنقید بنانے میں نہیں کتراتے مثلاً فقہی مسائل میں امام رازیؒ پر شدید نقد و جرح کرتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی حمایت کرتے ہیں۔ مولف صحابہ کرام کے حق میں تاویل کرتے ہیں اور پورے زور کے ساتھ معتزلہ اور امامیہ کا کبار صحابہ کے بارے میں خیالات کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔ آپؒ نے اپنی تفسیر کو قرن اول کے تفسیر اشاری کے تابع بنایا ہے۔ ظاہری اور اشاری معنوں میں تطبیق کی پوری کوشش کی ہے۔ اور ظاہری تفسیر کے مقابلے میں اس کو ضمنی اور ثانوی حیثیت دی ہے۔ آپؒ کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ تفسیر بالماثور ہے۔

تفسیر اشاری کے بارے میں علامہ آلوسیؒ کے موقف سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تفسیر اشاری سے انکار نہیں کرنی چاہیے۔ وہ شخص جس میں کچھ سمجھ اور فہم ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ قرآن کے ان باطنی معنوں پر مشتمل ہونے کا انکار کرے اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو دیوان متنبی کے اشعار میں معانی کثیرہ کے احتمالات نکالتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی آیات کے مختلف معانی پر مشتمل ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ رب العالمین کا کلام ہے جو خاتم النبیین پر اسرار و رموز کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

فا لانصاف کل الانصاف التسلیم للسادۃ الصوفیۃ الذین ہم مرکز الدائرۃ المحمدیۃ ماہم علیہ واتہام ذہنک السقیم فیما لم یصل لکثرۃ العوائق الیہ واذالم تر الہلال فسلم .لاناس رأوہ بالابصار(356)

[353]۔ ابو حاتم ابن حِبَّان [بکسر الحاء و تشدید الباء] محمد بن حِبَّان بن احمد بن حِبَّان بن معاذ بن معبد، تیمی، ابو حاتم، بستی، سجستانی۔ تاریخ، رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں خراسان، شام، مصر، عراق اور جزیرہ کے سفر کیے۔ 354ھ/965ء کو وفات پائی۔ حموی، معجم البلدان، ج2، ص271۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج3، ص290

[354]۔ عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی، شیرازی، ابو سعید، بیضاوی، قاضی[Judge] مفسر تھے۔ فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں، بیضاء، میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔ تبریز میں 285ھ/1286ء کو وفات پائی۔ ابن سعد، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج5، ص59۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص110

[355]۔ محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری، ابو عبداللہ فخر الدین رازی۔ اپنے زمانے میں معقول اور علوم اوائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبرستان سے تعلق تھا۔ ،رے، میں۔544ھ/1150ء کو پیدا ہوئے ۔ہرات میں۔606ھ/1210ء کو وفات ہوئے۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج5، ص157۔ الزرکلی، الاعلام، ج6، ص313

[356]۔ آلوسی، روح المعانی، مقدمہ، ج1، ص8

اس سے بخوبی یہ بات واضح ہوتی ہے۔کہ صوفیائے کرام سے منقول اشارات کے بارے میں انصاف کی بات یہی ہے کہ ان کی باتیں قبول کی جائے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں دائرہ محمدیﷺ کا مرکز ہے۔ان کے وہ معاملات جن کی حقیقت ہم نہیں جان پاتے اس میں اپنی کج فہمی کو قصور وار ٹھہرانا مناسب ہے۔کیونکہ اس میں بہت سے حجابات ہوتے ہیں جب تم چاند نہ دیکھ سکو تو ان لوگوں کے لئے ماہ نو کا دیکھنا تسلیم کرلو جنھوں نے دیکھا ہے یعنی چاند کے ہونے کا انکار مت کرو۔

آیت 158۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کے شان نزول میں دو اقوال پیش کئے ہیں۔اور دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرض نہیں ہے۔([357]) صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں اختلاف کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔اور راکب کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا حکم تفصیلاً دلائل کے ساتھ پیش کی ہے اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ معذور کے لئے جائز ہے اور عام حالت میں خلاف سنت ہے۔([358])اور یہ فقہی مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ سعی صفا سے شروع ہوتی ہے نہ کہ مروہ سے۔([359])

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں چند مسائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

آیت مبارکہ کے شان نزول میں مختلف اقوال آحادیث مبارکہ کی روشنی میں تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔

صفا اور مروہ کی لغوی، لفظی اور اصطلاحی تحقیق بیان فرمائی ہے اور اس میں استدلال عرب اشعار سے پیش کی ہے۔([360])

---

[357]۔في حديث الشعبي عن عروة بن مضرس الطائي قال أتيت رسول الله بالمزدلفة فقلت يا رسول الله جئت من جبل طي ما تركت جبلا إلا وقفت عليه فهل لي من حج فقال من صلى معنا هذه الصلاة ووقف معنا هذا الموقف وقد أدرك عرفة قبل ليلا أو نهارا فقد تم حجه وقضى تفثه فهذا القول منه ينفي كون السعي بين الصفا والمروة فرضا في الحج من وجهين أحدهما إخباره بتمام حجته وليس فيه السعي بينهما والثاني أن ذلك لو كان من فروضه لبينه للسائل لعلمه بجهله بالحكم،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ: 158

[358]۔ ولما ثبت من سنة الطواف بهما السعي في بطن الوادي على ما وصفنا وكان الراكب تاركا للسعي كان فعله خلاف السنة إلا أن يكون معذورا على نحو ما روي عن النبي والصحابة فيجوز،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ: 158

[359]۔ فإنما بدئ بالصفا قبل المروة لقوله عليه السلام نبدأ بما بدأ الله به ونفعله كذلك مع قوله خذوا عني مناسككم ولا خلاف بين أهل العلم أن المسنون على الترتيب أن يبدأ بالصفا قبل المروة فإن بدأ بالمروة قبل الصفا لم يعتد بذلك في الرواية المشهورة عن أصحابنا وروي عن أبي حنيفة أنه ينبغي له أن يعيد ذلك الشوط فإن لم يفعل فلا شيء عليه وجعله بمنزلة ترك الترتيب في أعضاء الطهارة،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ: 158

[360]۔ من شروط الصفا البياض والصلابة ، واشتقاقه من صفا يصفو ،أي خلص من التراب والطين. والمروة ،واحدة المرو،وهي الحجارة الصغار التي فيها لين.وقد قيل إنها الصلاب.والصحيح أن المرو الحجارة صليبها ورخوها الذي يتشظى وترق حاشيته ،وفي هذا يقال :المرو أكثر ويقال في الصليب. قال الشاعر : وتولى الأرض خفا ذابلا ... فإذا ما صادف المرو رضخ

وقال أبو ذؤيب : حتى كأني للحوادث مروة ... بصفا المشقر كل يوم تقرع

شعائراللہ کی تشریح بیان فرمائی ہے۔
حج کی لغوی اور اصطلاحی معنی تحقیقاً بیان فرمائی ہے اور استدلال میں مختلف اشعار بطور دلیل پیش کی ہے۔
فقہی مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ سعی صفا سے شروع ہوتی ہے۔
صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا حکم مع دلائل تفصلاً بیان فرمایا ہے۔
اور راکب کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا حکم تفصیلاً دلائل کے ساتھ پیش کی ہے۔(361)
علامہ آلوسیؒ نے آیت کی تفسیر میں وہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ نے بعض کلمات میں مختلف قراءت کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔ اور بعض کلمات کی تقدیم و تاخیر کی وضاحت بیان فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ بعض جملوں کی ترکیبی حیثیت بھی خوب واضح کی ہے۔
آیت 159۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کی دو اور آیتوں کو پیش کیا ہے۔(362) جس سے اس آیت کی تفسیر کو خوب واضح کیا ہے اور کاتمین کے لئے زجر اور کتمان حق سے نہی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اور ساتھ ساتھ آحادیث مبارکہ سے بھی استدلال کرتے ہوئے بیان فرمائے ہیں۔(363)
امام قرطبیؒ نے آیت کی تفسیر میں سات مسائل بیان فرمائے ہیں۔
کتمان حق سے مراد کیا ہے اور کاتمین سے مراد کون لوگ ہیں اس میں مختلف اقوال دلائل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔
حق کی تبلیغ اور بیان کرنا واجب ہے۔ اور اس کے تائید میں آحادیث مبارکہ بیان فرمائے ہیں۔
آیت سے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے کہ فرد واحد کے قول پر عمل کرنا واجب ہے۔(364)

---

وقد قيل:إنها الحجارة السود.وقيل:حجارة بيض براقة تكون فيها النار،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:158

361۔ولا يجوز أن يطوف أحد بالبيت ولا بين الصفا والمروة راكبا إلا من عذر، فإن طاف معذورا فعليه دم ،وإن طاف غير معذورأعاد إن كان بحضرة البيت ،وإن غاب عنه أهدى.إنما قلنا ذلك لأن النبي صلى الله عليه وسلم طاف بنفسه وقال : خذوا عني مناسككم،.وإنما جوزنا ذلك من العذر،لأن النبي صلى الله عليه وسلم طاف على بعيره واستلم الركن بمحجنه ،وقال لعائشة وقد قالت له :إني اشتكي، فقال،طوفي من وراء الناس وأنت راكبة، قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :158

362۔وقال في موضع آخر إن الذين يكتمون ما أنزل الله من الكتاب ويشترون به ثمنا قليلا الآية وقال وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه هذه الآي كلها موجبة لإظهار علوم الدين وتبيينه للناس زاجرة عن كتمانها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :159

363۔وقد روى حجاج عن عطاء عن أبي هريرة عن النبي قال من كتم علما يعلمه جاء يوم القيامة ملجما بلجام من نار،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :159

364۔ يعم المنصوص عليه والمستنبط ،لشمول اسم الهدى للجميع. وفيه دليل على وجوب العمل بقول الواحد ، لأنه لا يجب عليه البيان إلا وقد وجب قبول قوله،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:159

آیت مبارکہ سے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے کہ عوام کو ہر ایک بات بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان سے ان کے عقول کے مطابق بات بیان کرنا چاہئے۔([365])

لعنت کی لغوی تشریح بیان فرمائی ہے۔

لاعنین کے مصداق میں مختلف اقوال بیان فرمائے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ مذکورہ مسائل تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آلوسیؒ نے آیت کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔اور بعض کلمات کی نحوی ترکیب کر کے آیت مبارکہ کی خوب وضاحت بیان فرمائی ہے۔اور ساتھ ساتھ بعض کلمات کی وضاحت علم بیان کی روشنی میں بیان فرمائی ہے جس سے قرآن کریم کی بلاغی پہلو نمایاں ہوتی ہے۔

آیت 160۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کیا ہے۔

امام قرطبیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔دونوں حضرات نے صرف استثنیٰ کی بیان کی ہے۔اور بعض کلمات کی تحقیق بیان فرمائی ہے۔

آیت 163،162،161۔علامہ جصاصؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفار پر موت واقع ہونے سے لعنت ختم نہیں ہوگی۔اور قاعدہ پر چند جزئیات مرتب کئے ہیں۔([366])اور یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ یہ لعنت آخرت میں ہوگی اور استدلال میں قرآنی آیت پیش کیا ہے۔([367])اور آیت 162 کو اپنی تفسیر میں شامل نہیں کیا ہے۔لفظ واحد سے اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ذات وصفات میں خوب واضح کی ہے۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں تین مسائل بیان فرمائے ہیں۔

---

[365]۔ ويعارضه قول عبدالله بن مسعود :ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة. وقال عليه السلام :حدث الناس بما يفهمون أتحبون أن يكذب الله ورسوله.وهذا محمول على بعض العلوم ، كعلم الكلام أو ما لا يستوي في فهمه جميع العوام ، فحكم العالم أن يحدث بما يفهم عنه ،وينزل كل إنسان منزلته ،والله تعالى اعلم،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:159

[366]۔ فيه دلالة على أن على المسلمين لعن من مات كافرا وأن زوال التكليف عنه بالموت لا يسقط عنه لعنه والبراءة منه لأن قوله والناس أجمعين قد اقتضى أمرنا بلعنه بعد موته وهذا يدل على أن الكافر لو جن لم يكن زوال التكليف عنه بالجنون مسقطا للعنه والبراءة منه وكذلك سبيل ما يوجب المدح والموالاة من الإيمان والصلاح أن موت من كان كذلك أو جنونه لا يغير حكمه عما كان عليه قبل حدوث هذه الحادثة ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :161

[367]۔ روي عن أبي العالية أن مراد الآية أن الناس يلعنونه يوم القيامة كقوله تعالى ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضا۔جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :161

کفار پر لعنت جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ کی تفصیل میں مختلف اقوال دلائل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔اور پھر ان تمام اقوال میں ایک قول کو ترجیح دے کر بیان فرمایا ہے۔([368])

لعنت کی لغوی تحقیق بیان کی ہے۔

آیت سے اس مسئلے کا استدلال پیش کیا ہے کہ کفار پر لعنت اس کی کفر کی جزا ہے۔نہ کہ اس کے لئے لعنت زجر کے طور پر ہے۔([369])

اور آیت 162 اور 163 میں نہایت اختصار سے کام لے کر اللہ تعالی کی ذات وصفات میں وحدانیت بیان فرمایا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی ان آیتوں میں وہی مسائل بیان فرمائے جو امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہے۔مگر فرق صرف اتنا ہے کہ علامہ آلوسیؒ نے بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان فرمائی ہے جس سے آیت مبارکہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔اور آیت کی شان نزول بھی بیان فرمائی ہے۔اور ،الٰهكم اله واحد، میں نہایت عمدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں وحدانیت بیان فرمائی ہے۔اور بیان فرمایا ہے کہ اس واحد سے عدد کی ابتداء مراد نہیں ہے جس پر مختلف اشکالات وارد ہوتے ہیں۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی اس کے سوا بندگی کے لائق ہے نہ کوئی اس کا شبیہ اور نہ نظیر ہے۔اور استثنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی خوب وضاحت بیان فرمائی ہے۔

آیت 164۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں چند مسائل تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔

آیت مبارکہ سے عقلی طور وجود باری تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا) ثابت کیا ہے۔

حدوث عالم پر دلیل قائم کیا ہے کہ جس طرح یہ دنیا نہیں تھی اللہ نے بنالیا اسی طرح ایک دن فناء بھی کرے گا۔

بارش کا قطرہ قطرہ آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور رحمت تامہ کی کھلی نشانی ہے اگر تمام پانی اوپر سے سیلاب کی طرح برساتا تو تمام فصلوں اور جانداروں کو تباہ کرتا۔([370])

---

[368]۔قلت:أما لعن الكفار جملة من غير تعيين فلا خلاف في ذلك،لما رواه مالك عن داود بن الحصين أنه سمع الأعرج يقول:ما أدركت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة في رمضان.قال علماؤنا:وسواء كانت لهم ذمة أم لم تكن،وليس ذلك بواجب،ولكنه مباح لمن فعله ،لجحدهم الحق وعداوتهم للدين وأهله ،وكذلك كل من جاهر بالمعاصي كشراب الخمر وأكلة الربا،ومن تشبه من النساء بالرجال ومن الرجال بالنساء،إلى غير ذلك مما ورد في الأحاديث لعنه،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:161

[369]۔ ليس لعن الكافر بطريق الزجر له عن الكفر، بل هو جزاء على الكفر وإظهار قبح كفره ،كان الكافر ميتا أو مجنونا. وقال قوم من السلف :إنه لا فائدة في لعن من جن أو مات منهم ،لا بطريق الجزاء ولا بطريق الزجر، فإنه لا يتأثر به،،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:161

[370]۔ثم أنزل ذلك الماء قطرة قطرة لا تلتقي واحدة مع صاحبتها في الجو مع تحريك الرياح لها حتى تنزل كل قطرة على حيالها إلى موضعها من الأرض ولولا أن مدبرا حكيما عالما قادرا دبره على هذا النحووقدره بهذا الضرب من التقدير كيف كان يجوزأن يوجد نزول الماء في السحاب مع كثرته وهو الذي تسيل منه

زمین کا بارش کے بعد زندہ ہونااور ہواؤں کا چلنا جس سے ہم کشتیوں میں باآسانی سفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی کھلی نشانی ہے۔

آیت مبارکہ میں ان لوگوں کے قول کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں عقل اور سوچ کی کوئی عمل دخل نہیں ہے۔([371])

یہ تمام دلائل عقلاء کو اس بات کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس دلائل میں غور و فکر کرو۔ کہ یہ تمام اشیاء جو اس نظام میں قائم دائم ہیں۔اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کئے ہیں۔اسی طرح تمہارے اعمال کے ثمرات خیر و شر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ثمرات نیکی کو کرنے اور برائی سے بچنے کے داعی ہے۔([372])

سمندر میں سفر کی جواز مع دلائل کے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں وہی مسائل بیان فرمائے ہیں جو علامہ جصاصؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر صرف اس قدر اضافہ کیا ہے کہ آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔ بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کی ہے اور اس معنوی تحقیق میں عربی اشعار بطور دلیل پیش کی ہے۔

ہواؤں کے نام اور اس کے طراف کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔([373])

---

السيول العظام على هذا النظام والترتيب ولو اجتمع القطر في الجو وأتلف لقد كان يكون نزولها مثل السيول المجتمعة منها بعد نزولها إلى الأرض فيؤدي إلى هلاك الحرث والنسل،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:164

371 ۔وفيه إبطال لقول من زعم أنه إنما يعرف الله تعالى بالخبر وأنه لا حظ للعقول في الوصول إلى معرفة الله تعالى،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:164

372۔ ثم أنشأ للجميع رزقا منها وأقواتا بها تبقي حياتهم ولم يعطهم ذلك الرزق جملة فيظنون أنهم مستغنون بما أعطوا بل جعل لهم قوتا معلوما في كل سنة بمقدار الكفاية لئلا يبطروا ويكونوا مستشعرين للإفتقار إليه في كل حال ووكل إليهم في بعض الأسباب التي يتوصلون بها إلى ذلك من الحرث والزراعة ليشعرهم أن للأعمال ثمرات من الخير والشر فيكون ذلك داعيا لهم إلى فعل الخير،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:164

373۔ إذا بدت حركة الهواء من تجاه القبلة ذاهبة إلى سمت القبلة قيل لتلك الريح :الصباز وإذا بدت حركة الهواء من وراء القبلة وكانت ذاهبة إلى تجاه القبلة قيل لتلك الريح :الدبور.وإذا بدت حركة الهواء عن يمين القبلة ذاهبة إلى يسارها قيل لها :ريح الجنوب. وإذا بدت حركة الهواء عن يسار القبلة ذاهبة إلى يمينها قيل لها :ريح الشمال. ولكل واحدة من هذه الرياح طبع ، فتكون منفعتها بحسب طبعها ، فالصبا حارة يابسة ،والدبور باردة رطبة ،والجنوب حارة رطبة ،والشمال باردة يابسة.واختلاف طباعها كاختلاف طبائع فصول السنة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:164

سحاب کے بارے میں کعب بن اخبار([374]) کے قول کی تشریح بیان کی ہے۔([375])

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں امام قرطبیؒ کی طرح مذکورہ مسائل کی پوری وضاحت کی ہے۔ مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔ بعض کلمات کی لغوی تحقیق کی ہے۔ آیت مبارکہ میں بعض الفاظ جمع اور بعض واحد لے آئے اس کی وضاحت سے قرآن کی بلاغت کی طرف اشارہ بیان فرمایا ہے۔ بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کرکے قاری پر آیت مبارکہ کی تفسیر نہایت واضح کی ہے۔ آیت مبارکہ کے ضمن میں علم فلکیات کا ذکر کیا ہے۔

آیت 165۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کی ہے۔

امام قرطبیؒ نے اولاً آیت مبارکہ کی ما قبل آیت سے ربط بیان فرمائی ہے۔ آیت مبارکہ میں مختلف تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے ابن کیسانؒ([376]) اور زجاجؒ کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی تائید ابو اسحاقؒ کے قول سے کرتے ہے۔ آیت مبارکہ میں مختلف قراءت کی تفصیلی بیان فرمائی ہے۔ آیت مبارکہ میں بعض جملوں کی نحوی ترکیب میں مختلف ائمہ نحو کے اقوال ذکر کرتے ہوئے النحاسؒ نحوی([377]) کے قول کو ترجیح دیتے ہے۔

آیت مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے قوت کا اثبات کرکے معتزلہ([378]) پر رد ذکر کرتا ہے۔([379])

---

[374]۔ ابو اسحاق، کعب بن ماتع الحمیری یمن میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ تشریف لائے۔ پھر شام چلے گئے اور حمص میں سکونت اختیار کی۔ کثرت کلام اور وسعت علمی سے معروف تھے۔ 32ھ کو حضرت عثمان کے دور خلافت میں حمص میں فوت ہوئے۔ ذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1407ھ/1987ء، ج3، ص397

[375]۔ قال كعب الأحبار: السحاب غربال المطر، لولا السحاب حين ينزل الماء من السماء لأفسد ما يقع عليه من الأرض، رواه عنه ابن عباس، قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ: 164

[376]۔ محمد بن احمد بن ابراہیم ابو الحسن المعروف بابن کیسان۔ لغت اور نحو کے ماہر عالم تھے۔ بغداد سے تعلق تھا۔ مبرد اور ثعلب کے شاگرد رہے ہیں۔ 299ھ/912ء کو وفات پائی۔ حموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم الادباء، ج13، ص137۔ الزرکلی، الاعلام، ج5، ص308

[377]۔ احمد بن محمد بن اسماعیل، المرادی، المصری، ابو جعفر النحاس۔ قرآن مجید کے مفسر اور ادیب تھے۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت معلوم نہیں۔ نفطویہ اور ابن الانباری کے ہم درس رہے ہیں۔ امام نسائی اور اخفش صغیر سے کسب فیض کیا۔ تصانیف میں تفسیر القرآ، ناسخ القرآن ومنسوخہ اور معانی القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ 338ھ/950ء کو فوت ہوئے۔ ذہبی، العبر فی خبر من غبر، ج2، ص45

[378]۔ معتزلہ: علم کلام کا ایک باطل فرقہ ہے، معتزلہ لفظ اعتزال سے نکلا ہے جس کے معنی کسی شخص یا گروہ سے الگ ہو جانے کے ہیں۔ اس کے بانی واصل بن عطاء ہے، جس کا ماننا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مؤمن، نہ ہی مؤمن ہے اور نہ ہی کافر ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ پر ہے۔ انہیں یہ نام حسن بصری نے دیا تھا۔ البغدادی، ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن محمد، الفرق بین الفرق وبیان الفرقۃ الناجیہ، دار الافاق الجدیدہ، بیروت، 1397ھ/1977ء

[379]۔ وثبت بنص هذه الآية القوة لله، بخلاف قول المعتزلة في نفيهم معاني الصفات القديمة، تعالى الله عن قولهم، قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ: 165

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے آیت مبارکہ میں صوفیاء کرام کو اہل التحقیق کہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اہل حق کی محبت دنیاوی اور اخروی مقاصد کے حصول کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہاں محبت وہ آگ ہے۔ جو محبوب کے علاوہ اوروں کو جلاتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جو امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ نے لفظ ،حب، میں محبت کی خوب تشریح بیان فرمائی ہے۔

آیت 166۔ علامہ جصاصؒ نے اس آیت مبارکہ کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دی ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لے کر صرف کفار کا اپنے رؤساء سے بے زاری کا اعلان اور تابعین اور متبوعین کے درمیان اسباب کے منقطع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور سبب کے لغوی معنی کی تائید کے لئے عربی شعر سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ کی تفسیر میں اختصار سے کام لیا ہے۔ مگر یہ کہ علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے قاری پر آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

آیت 167۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔ لفظ، کرۃ، کی لغوی وضاحت بیان کی ہے۔ اور ،اعمالہم، میں مفسرین کے اقوال تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔([380]) اور آیت مبارکہ سے کفار کے لئے خلود فی النار کا اثبات کیا ہے۔

لفظ، حسرات، کی لغوی وضاحت بیان فرمائی ہے۔([381])

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ کی تفسیر میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں۔ جو امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کفار کے لئے جہنم میں حصر کا ذکر بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کے ساتھ عذاب میں سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہو گا کیونکہ شرکت عقوبات کو آسان کر دیتا ہے۔

---

380 ۔أعمالهم، قال الربيع :أي الأعمال الفاسدة التي ارتكبوها فوجبت لهم بها النار.وقال ابن مسعود والسدي : الأعمال الصالحة التي تركوها ففاتتهم الجنة ،ورويت في هذا القول أحاديث.قال السدي :ترفع لهم الجنة فينظرون إليها وإلى بيوتهم فيها لو أطاعوا الله تعالى،ثم تقسم بين المؤمنين فذلك حين يندمون.وأضيفت هذه الأعمال إليهم من حيث هم مأمورون بها،وأما إضافة الأعمال الفاسدة إليهم فمن حيث عملوها.قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:167

381۔والحسرة واحدة الحسرات ،كتمرة وتمرات ،وجفنة وجفنات ،وشهوة وشهوات.هذا إذا كان اسما ،فإن نعته سكنت ،كقولك : ضخمة وضخمات ، وعبلة وعبلات.والحسرة أعلى درجات الندامة على شيء فائت. والتحسر :التلهف ، يقال:حسرت عليه "بالكسر"أحسر حسرا وحسرة.وهي مشتقة من الشيء الحسيرالذي قد انقطع وذهبت قوته ،كالبعير إذا عيي.وقيل:هي مشتقة من حسر إذا كشف ،ومنه الحاسر في الحرب :الذي لا درع معه.والانحسار.الانكشاف،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :167

آیت 168۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دی ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں آیت کا شان نزول بیان فرمایا ہے۔اور ،طیب، کی تعریف میں ائمہ کرام کے اقوال بیان فرمائے ہیں۔([382]) بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان فرمائی ہے۔اور بعام حلال کے فضائل میں کئی فقہاء کے اقوال نقل کئے ہیں۔([383])

آیت مبارکہ میں میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق مختلف ائمہ کرام کے اقوال سے واضح کی ہے۔اور آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہے کہ یہ لفظ عام ہے ان تمام معانی کو شامل ہے۔([384])

علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں نہایت یکسانیت پائی جاتی ہے۔مگر علامہ آلوسیؒ نے چند آیتوں کی تفسیر اشاری بیان فرمائی ہے۔

---

[382]۔والطيب هنا الحلال ،فهو تأكيد لاختلاف اللفظ،وهذا قول مالك في الطيب. وقال الشافعي:الطيب المستلذ ،فهوتنويع ،ولذلك يمنع أكل الحيوان القذر،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ :168

[383]۔ قال أبو عبدالله الساجي واسمه سعيد بن يزيد:خمس خصال بها تمام العلم، وهي:معرفة الله عز وجل،ومعرفة الحق وإخلاص العمل لله،والعمل على السنة ،وأكل الحلال ،فإن فقدت واحدة لم يرفع العمل.قال سهل:ولا يصح أكل الحلال إلا بالعلم ،ولا يكون المال حلالاحتى يصفو من ست خصال:الربا والحرام والسحت وهو اسم مجمل والغلول والمكروه والشبهة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ:168

[384]۔قرأ أبو السمال العدوي وعبيد بن عمير،خطوات،بفتح الخاء والطاء. وروي عن علي بن أبي طالب وقتادة والأعرج وعمرو بن ميمون والأعمش،خطؤات، بضم الخاء والطاء والهمزة على الواو.قال الأخفش:وذهبوا بهذه القراءة إلى أنها جمع خطيئة ،من الخطأ لا من الخطو.والمعنى على قراءة الجمهور:ولا تقفوا أثر الشيطان وعمله ،وما لم يرد به الشرع فهو منسوب إلى الشيطان.قال ابن عباس ،خطوات الشيطان،أعماله.مجاهد:خطاياه.السدي:طاعته.أبومجلز:هي النذور في المعاصي ،قلت:والصحيح أن اللفظ عام في كل ما عدا السنن والشرائع من البدع والمعاصي ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ :168

# باب سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 169 تا 181 کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

# فصل اول

## سورۃ البقرۃ آیت 169 تا 172 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاء وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ 169 وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا
أَنزَلَ اللهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ 170
وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُواْ كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لاَ يَسْمَعُ إِلاَّ دُعَاء وَنِدَاء صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ
171 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُواْ لِلّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ 172

ترجمہ۔وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں169۔اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں۔(نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہو (تب بھی وہ انہیں کی تقلید کئے جائیں گے )170۔جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے 171۔اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطاء فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اگر اللہ ہی کے بندے ہو تو (اس کی نعمتوں کا) شکر بھی ادا کرو172۔

(إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاء) یہ شیطان کی کیفیتِ عداوت اور اس کے فنون شر کی تفصیلات کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے۔اور یا علت کے لئے (جو کہ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ہے) علت ہے۔اور جس کی بھی یہی حرکتیں ہوں گی وہ ،عَدُوٌّ مُّبِينٌ، کے ہوں گے۔اور یا ضمہ کے ساتھ اصل کے لئے علت ہے۔اور جس کی بھی یہی شان ہو گی اس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔تو یہ حکم دو علتوں پر بناء ہے ایک عداوت اور دوسرا مذکورہ امر بالسوء۔اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اللہ تعالی کے اس قول(اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَل لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ) ([385]) کے منافی ہے۔کیونکہ حکم میں علو مرتبہ کا ہونا ضروری ہے۔جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔اور اگر ایسا نہیں تو صرف استعلاء سلطان اور حجت کے ہونے کے لئے منافی نہیں ہے۔اور اسی وقت عِبَادِی استثناء کی وجہ سے سب کو شامل ہو گا۔(يَأْمُرُكُمْ) میں خطاب سب متبعین کو ہے۔اور اسی طرح بھی منافات نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان کی طرف سے ہم سے مطالبہ فعل نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے صرف کام کو مزین کرنا اور ابھارنا ہوتا ہے۔تو یہ اس کے لئے استعارہ تبعیہ ہے اور اس کے بعد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخاطبین مامورین کے منزلہ پر ہے۔اس میں ان کی حقارت ذلت اور رائے کی حماقت کی طرف اشارہ ہے۔اور یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ امر کو تزئین کے معنی میں لیا جائے تو پھر ،يَامُرُ لَكُمْ، کہنا چاہئے تھا۔اور اگر بعث کے معنی میں لیا جائے تو پھر ،يَأْمُرُكُمْ، کہنا چاہئے۔یعنی وہ برے کاموں کا ہی حکم دیتا ہے۔کیونکہ اس میں صرف لفظ امر مذکور ہے۔تو اس میں اس کی طریق استعمال کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔اور السوء، اصل میں مصدر ہے ساءہ یسوءہ سوءاًاو مساءۃ سے جس کا معنی ہے جب پریشان کر دے۔پھر اس کا اطلاق تمام

[385] ۔سورۃ الاسراء:65

مصائب خواہ فعلی، عقلی یا عقدی، ہوپر ہوتا ہے کہ اس کے صاحب کو اس میں شریک کرنا ہے۔(وَ الْفَحْشَاء ) یہ سب سے بڑی اور قبیح برائی ہے۔اور ابن عباسؓ سے روایت ہے۔کہ ،سُوْء ،سے مراد جس کی کوئی حد نہ ہو اور ،اَلْفَحْشَاء،سے مراد جس کا حد معلوم ہو اور کہا گیا ہے کہ ان دونوں سے مراد وہ ہے جس کو عقل برا مانے۔اور اس بات کا حکم لگائے کہ اس میں کسی قسم کی مصلحت اور عافیت نہیں ہے۔اور شرع اس کو قبیح کہے۔اور عطف کالانا اس کی حقیقت اور صفت میں تغائر کے لئے ہے۔کیونکہ یہ عاقل کو دھوکہ دیتا ہے اور قبیح سمجھنے کی وجہ سے فحشاء ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ساری برائیوں اور فواحش کو سیّئة کہا ہے۔شائداس کے لئے داعی یہ(مَنْ كَسَبَ سَيِّۃ)([386])(اِنَّ الْحَسَنَاتَ يُذْهِبْنَ السَّيِّاتِ)([387])( وَجَزَ ءُ سَئَّۃٍ سَئَّۃَ مِثْلُهَا) ([388]) قول ہوں گے۔اور تمام معاصی کو فواحش پر مسمی کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔( قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ )([389])اور ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ دونوں مترادف ہیں۔تو ہم کہتے ہے جب دونوں اکھٹے آجائے تو الگ الگ معنی ہو گا۔اور جب دونوں الگ آجائے تو جمع ہو سکتا ہے۔تو استدلال تام نہیں ہوا۔

(وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ) یہ عطف ہے ما قبل پر مطلب یہ کہ شیطان تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے اور یہ حلال کیا ہے۔اور یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تمہارے فساد پر راضی ہے۔اور جھوٹ باندھنے کا یہ حکم اگرچہ ما قبل میں گزرا ہے لیکن یہاں اہتمام شان کے لئے پھر ذکر کیا۔اور علم کا مفعول محذوف ہے جو کہ ، مَا لاَ تَعْلَمُونَ ،ہے۔یعنی تم اس کی طرف سے اس میں اذن نہیں جانتے۔اور برائی اور فحشاء سے تحذیر یہ اللہ پر جھوٹ نہ باندھنے کے لئے لازم ہے۔جیسا کہ اکثر مشرکین کے حال سے استلزاماً ظاہر ہے۔ظاہر آیت سے گمان کرنے سے منع لازم آتا ہے۔کیونکہ لغۃ اور عرفاً علم ظن کے مقابلے میں آتا ہے۔اور اس پر یہ اشکال ہے کہ مجتہد اپنے گمان کے مطابق جو وہ نصوص سے حاصل کرتا ہے اجتہاد کرتا ہے۔تو اس پر کیوں کر عمل کیا جاتا ہے۔تو جواب دیا گیا ہے کہ مجتھد کی اجتہاد ظنی پر دلیل قطعی کی وجہ سے عمل کیا جاتا ہے جو کہ اجماع ہے۔اور ہر ایک حکم پر اس وقت عمل کرنا واجب ہے جب یہ قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ حکم الٰہی ہے۔اور اگر یہ پتہ قطعی نہیں تو پھر عمل کرنا واجب نہیں۔اور ہر علم قطعی معلوم قطعی ہوتا ہے۔پس مجتھد کے حکم ظنی معلوم قطعی ہوتا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ظن کافی ہوتا ہے علم قطعی کی حصول میں اور پھر اجماع کے واسطہ سے بھی کہ اس پر عمل واجب ہے تو ظنی معلوم بن گیا۔اور ظن علم میں تبدیل ہوا۔تو کسی چیز میں مجتھد کی تقلید ظن کی اتباع نہیں ہے۔اور اس کا تحقیق اصول میں ہیں۔ (وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللهُ)اس میں ضمیر لوگوں کو راجع ہے اور خطاب سے غیبت

[386]۔سورۃ البقرۃ: 81

[387]۔سورۃ ھود:114

[388]۔سورۃ الشوری:40

[389]۔سورہ الاعراف:33

کی طرف عدول کیا اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ وہ اپنی جہل اور کم عقلی کی وجہ سے خطاب کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے یہ مناسب ہے کہ عقل مندوں کی طرف رجوع کرے۔ اور اس میں ہر عاقل کے لئے ان کی ضلالت کا خبر ہے۔ کہ وہ ایسے نہیں تھے کہ اس کو خطاب کیا جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ ضمیر یہود کو راجع ہے اگرچہ مذکور نہیں ہے مگر ابن عباس کے اس قول کی بناء پر کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اور کہا گیا کہ یہ ضمیر (مَنْ يَتَّخِذُ)([390]) کی طرف راجع ہے۔ یا مفہوم (اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ) ([391]) کی طرف۔ اور اس اعتبار سے یہ جملہ مستانفہ ہے جیسا کہ روایت کی گئی ہے کہ یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور تمہیں پتہ ہے کہ ضمیر کا ان کے ساتھ خاص ہونا مشرکین اور یہود کی حق میں نزول تقاضا نہیں کرتا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ عموم مرجع عموم ضمیر کا تقاضا نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ )([392]) اور (وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ) ([393]) بمع اس بات کے کہ نظم قرآن اس قول کا انکار کرتا ہے۔ اور موصول یا تو عام ہے تمام احکام کے لئے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اور یا خاص ہے جس کا مقام تقاضا کرتا ہے۔ ( قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا) مطلب یہ کہ ہم نے ان کو اس پر پایا تھا۔ اور ظرف یا تو، آبَاءنَا، سے حال ہے اور، أَلْفَيْنَا، متعدی بیک مفعول ہے۔ اور یا ظرف مفعول ثانی ہے جو مفعول اول پر مقدم ہے۔ ( أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ) جواب شرط یہاں پر محذوف ہے، ای لو کان آباءھم جھلۃ لا یتفکرون فی امر الدین ولا یہتدون الی الحق لاتبعوہم، اور واو، یا تو حال کے لئے ہے یا عطف کے لئے۔ اور جملہ شرطیہ یا تو حال ہے (قَالُواْ) کی ضمیر سے اور یا اس پر معطوفہ ہے۔ اور ہمزہ انکار مضمون کے لئے ہے۔ اور وہ اس کا التزام ہے اتباع پر باوجود اس کے کہ وہ غیر عاقلین اور غیر مہتدین ہیں۔ کیونکہ وہ بغیر کسی تمیز اور علم کے ہر حال میں اس کی اطاعت لازم گردانتے ہیں۔ خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور یہ تقلید مذموم ہے۔ اور اسی سے انکار تعجبی بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ جملہ محذوفہ کے ضمیر سے حال ہو۔ جو، آیتبعونہم فی حال فرضہم غیر عاقلین ولا مہتدین، ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ شرط مقدرہ پر معطوفہ ہو جو، یتبعونہم لولم یکونو غیر عاقلین، ولوکانوا غیر عاقلین،

---

390۔ سورۃ البقرۃ:165

391۔ سورۃ البقرۃ: 159

392۔ سورۃ البقرۃ:228

393۔ ایضاً

اور اول توجیہ زمخشریؒ (394)کا ہے۔(395)اور دوسری توجیہ کوالجرمیؒ (396)نے اختیار کیا ہے۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جملہ متقدمہ کی حذف اور تقدیر حذف جزاء کی تقدیر کو محتاج نہیں ہے اور پہلے جو ذکر ہوا وہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس میں حذف کی کثرت سے اجتناب اور (لَوْ) کا اپنے مشہور معنی پر باقی رہنا ہے۔اور ہمزہ استفہامیہ اپنے اصل پر ہے جو کہ مسئول عنہ کی طرف واپس جانا ہے۔اور معنی کا محذوف پر عطف کرنا تمام لغات میں غیر تسلیم شدہ ہے۔اور امام رضیؒ نے یہ اختیار کیا ہے کہ واو جو کلمہ شرط پر داخل ہو جیسا یہاں ہے تو یہ اعتراضی ہے۔اور جملہ اعتراضیہ سے مراد وہ جملہ ہے جو اجزاءِ کلام کے درمیان واسطہ ہو۔اور یا آخر میں آجائے جس کے ساتھ معنی مستانفہ لفظاً متعلق ہو۔کہا گیا ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے ان لوگوں کی عدم تقلید پر جو سوچ و نظر پر قادر ہو۔اور دین میں غیر کی اتباع علم کے بعد اس دلیل پر کہ یہ حق ہے۔تو یہ اصل میں اللہ کی نازل کردہ کی اتباع ہے۔اور یہ تقلید مذموم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔( فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ )(397)۔ (وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُواْ كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لاَ يَسْمَعُ إِلاَّ دُعَاء وَنِدَاء) یہ جملہ ابتدائیہ ہے جو کہ ما قبل کی تقریر کے لئے لایا گیا ہے اور یا جملہ معطوفہ ہے۔اور جامع یہ ہے کہ اول جملہ کفار کے حال کا بیان ہے اور یہ ان کے لئے تمثیل ہے۔اور اس میں مضاف محذوف ہے یا تو مشبہ اور یا مشبہ بہ کی جانب میں۔ای مثل داعی الذین کفروا کمثل الذی ینعق،اور یا مثل الذین کفروا کمثل بهائم الذی ینعق،اور مظہر جو کہ موصول ہے مضمر کی جگہ جو کہ بہائم ہیں یہ اس لئے کہ صفت کا جاری ہونا جو کہ وجہ شبہ ہے اچھی طرح ذہن میں آجائے۔اور دونوں تقدیروں سے حاصل معنی یہ ہے۔کہ کفار کی تقلید مذموم میں انہاک اور ضلالت میں خلود اس کے ذہنوں کو اس آیت کی طرف نہیں لے جاتے جو ان پر پڑھے جاتے ہیں۔اور نہ ان میں سوچ کرتے ہیں تو وہ اس میں اس جانور کی طرح جس کو آواز دی جائے اور وہ نہیں سنتا مگر صرف جرس کا نغمہ اور آواز کا گھومنا۔اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان کا مثال دینا ہے اپنے آباء کی اتباع کرنے کا اس کے ظاہر حال کا بغیر اس کی حقیقت جاننے کے اس جانوروں سے کہ اواز تو سنتے ہیں مگر اس کے مفہوم اور حقیقت کو نہیں جانتے ہیں۔اور اس کی مثال ہے کہ وہ اپنے بتوں کو آواز

---

394۔ محمود بن عمر بن محمد بن احمد،خوارزمی جاراللہ ابوالقاسم حوارزم (ایران) کے مضافاتی گاؤں زمخشر میں 467ھ/1075ء کو پیدا ہوئے۔بڑے لغوی، ادیب اور حنفی تھے۔اکثر عقائد میں معتزلہ کے ہم خیال تھے۔عرصہ دراز تک مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے جاراللہ کہلائے۔خوارزم میں 538ھ/1144ء کو وفات پائی۔قرشی، عبد القادر، الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، 1417ھ/1996ء،ص294۔الزرکلی،الاعلام،ج7 ،ص178

395۔ والهمزة بمعنى الردّ والتعجيب ،معناه: أيتبعونهم ولو كان آباؤهم لا يعقلون شيئاً من الدين ولا يهتدون للصواب لا بدّ من مضاف محذوف، زمخشری، تفسیر کشاف،سورۃ البقرۃ: 170

396۔ابو عمرو صالح بن اسحاق بصرہ میں پیدا ہوئے۔فقہ، نحو اور لغت کے ماہر امام تھے۔، الابنیۃ اور غریب سیبویہ کتابیں تصنیف کی ہے۔225ھ/840ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج3 ،ص189

397۔ سورۃ الانبیاء:7

دیتے ہیں اور سنتے نہیں۔اور اللہ کے اس قول کا اضمار پر اکتفاء کرنا مدد نہیں کرتا(صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ)کا کیونکہ بت تواس سے خالی اور عاری ہیں۔تو تشبیہ میں استثناء کے لئے کوئی دخل نہیں ہے۔مگر اس صورت میں کہ تشبیہ مرکب مان لیا جائے۔اور مجموعہ جملہ کواس طرح مان لیا جائے۔ (لاَ يَسْمَعُ إِلاَّ دُعَاء وَنِدَاء) جواس کے عدم فہم اور عدم اجابت سے کنایہ ہے۔اور، نعیق، جانوروں کی زجر کے لئے مسلسل آوازیں دینا۔کہا جاتا ہے۔نعق الغراب نعاقاً و نعيقاً اذا صوت من غيران يمد عنقه و يحركها،جب وہ اپنی گردن لمبا کئے بغیر آواز دیتا ہے۔اور نغق، غین کے ساتھ وہ آواز جس کے ساتھ گردن لمبی کی جائے اوراس کو حرکت دی جائے۔نعب،دعاءاور نداءایک معنی پر ہے۔اور کہا گیا ہے کہ دعاءوہ ہے جو سنی جائے اور نداء کبھی سنی جاتی ہے اور کبھی نہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دعاءقریب کے لئے اور نداءبعید کے لئے ہے۔ (صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ)یہ مرفوع بناءبرضم ہے۔اس میں معنی وصفی بمع مانع وصفی لفظ میں ہے۔( فَهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ) مطلب یہ کہ اس حواس ثلاثہ کے فقدان کی وجہ سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ جس نے حِس کھویا گویا اس نے علم کھویا۔اوراس سے مراد عقل فطری کی نفی نہیں بااعتبار ثمرہ کے۔جیسا کہ اس طرح کہا گیا ہے۔کیونکہ ما قبل پر،فاء،کے ترتب کا عدم صحت لازم آتا ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُم)اس کے لذیذ اور حلال مال سے۔اور آیت میں یا تو مومنین کو حکم ہے جیسا کہ اس کی شان کے موافق ہے کہ وہ حلال کا طلب کرے اور اور حلال کے کھانے میں اعتدال سے کام لے۔اور یہ امر سابق سے مستفاد نہیں ہوتا۔اور یا مومنوں کو حکم ہے ما قبل کی طرح مگر اس میں تخصیص بعد التعمیم ہے۔اوراس خطاب میں اس کی عظمت اور شرافت ہے۔اور طلب شکر کے لئے تمہید ہے۔( كُلُواْ)جو کہ ہر اعتبار سے نفع بخش ہو۔( وَاشْكُرُواْ لِلّهِ )ان نعمتوں پر جو اللہ نے آپ پر کئے ہیں۔اور عمدہ تربیت کی التفات کے لئے شکر ادا کرو۔(إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ)یہ طلب شکر کے لئے علت ہے۔گویا کہ کہا گیا ہے۔کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو کیونکہ تم اسے اپنی عبادت کے لئے خاص کرتے ہو۔اور اللہ نے تم کو عبادت کرنے کے لئے خاص کیا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے۔کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کاملہ کا ارادہ کرتے ہو جو اس کی بڑائی کے مناسب ہو۔اور یہ بغیر شکر کے تمام نہیں ہوتا کیونکہ شکر بہترین عبادات میں سے ہے۔اوراسی وجہ سے شکر کو نصف ایمان مانا گیا ہے۔اور ابوالدرداءؓ ([398])کی مرفوع روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔قسم ہے میری ذات کی کہ انسان اور جنات برے حال میں ہیں کہ میں نے پیدا کیا اور غیر کی عبادت کرتے ہیں

398 ۔عویمر بن مالک بن قیس بن امیہ انصاری، خزرجی صحابی ہے۔ہوشیار،شہ سوار اور قاضی تھے۔بعثت نبوی سے قبل تجارت کرتے تھے۔اسلام قبول کرنے کے بعد عبادت اور شجاعت سے شہرت پائی۔رسول اکرم ﷺ کے عہد میں قرآن حفظ کیا۔32ھ/652ء کو شام میں وفات پائی۔آپ سے 179 احادیث مروی ہیں۔ابن عبدالبر،الاستیعاب،ص792،793،ترجمہ: 113

اور رزق میں دیتا ہوں اور شکر غیر کی ادا کرتے ہیں۔([399])اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی معرفت اور عبادت کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو۔

[399] ۔أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنا أبو جعفر الخلدي نا أبو العباس بن مسروق أنا مهنى بن يحيى نا بقية نا صفوان بن عمرو حدثني عبد الرحمن بن جبير بن نفير و شريح بن عبيد الحضرميان عن أبي الدرداء عن النبي صلى الله عليه و سلم قال : قال الله عز و جل : و إني و الإنس و الجن في نبأ عظيم أخلق و يعبد غيري و أرزق و يشكر غيري ،البیہقی،شعب الایمان، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،رقم: 4563۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

# فصل دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 173تا175کااُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 173 إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ 174 أُولَـئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ 175

**ترجمہ۔**اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت ) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے 173۔جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے ) پاک کرے گا اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے 174۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا۔یہ آتش (جہنم) کی کیسی برداشت کرنے والے ہیں 175۔

(إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ)یعنی اس کا کھانا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا اور حرمت کو عین کی طرف مضاف کیا ہے مع اس کے کہ احکام شرعیہ جو مکلف کے صفات میں سے ہے۔اور احکام کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔اس میں اشارہ ہے حرمت میتہ کی طرف جو بغیر ذبح کئے مر جائے تمام وجوہ کے ساتھ مختصر ترین طریقے پر بغیر ذبح شرعی پر اور اس کو مؤکد اس لئے لے آئے تاکہ فعل مکلف کے تعلق سے اس عین کو قابل استعمال گردانا جائے سوائے اس کے جو دلیل شرعی اس کے استعمال کو خاص کر دے جیسا کہ مذبوح کا استعمال کرنا اور میتہ کے ساتھ زندہ جانور ملحق کئے اس حدیث کی بناء پر جو ابوداودؒ([400])اور ترمذیؒ نے (اور ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے) ابولیث واقدیؒ ([401])کی روایت سے نقل کی ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔کہ زندہ جانور سے جو بھی کاٹا جائے گا۔

---

400 ۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر،ابوداؤد،ازدی،سجستانی،اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ان کی،السنن،اصول ستہ میں گنی جاتی ہے۔202ھ/817ء کو ولادت ہوئی۔حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔275ھ/889ء کو بصرہ میں وفات پائی۔ابن خلکان،وفیات الاعیان،ج2،ص404۔الزرکلی،الاعلام،ج3،ص122

401۔وحشی بن حرب حبشی ابودسمہ،صحابی ہیں۔بنو نوفل کے آزاد کردہ غلام ہیں۔فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔غزوۂ یرموک اور غزوۂ یمامہ میں شرکت کی۔حمص میں رہائش تھی جہاں 25ھ/645ء کو سیدنا عثمان کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج5،ص454، ترجمہ:5451

وہ میتہ ہی شمار ہوگا۔(402)اور اس سے مچھلی اور ٹڈی خارج ہے۔اس حدیث کی بناء پر جو ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیاہے۔کہ ،دو میتہ اور دو خون ہمارے لئے حلال ہے مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی۔(403)اور عرف میں بھی ایساہے کہ کوئی کہے کہ میں نے میتہ کھایا تو ذہن اس کی طرف نہیں جاتا۔البتہ سمک طافی اور وہ ٹڈی جو اپنی موت خود مر جائے وہ حرام ہے۔اور یہ اکثر مالکیہ کی رائے ہے۔اور انہوں نے آیت کی عموم سے تحریم جنین پر اور اس کی تحریم پر جس میں دم سائل نہ ہو استدلال کیا ہے۔ان مالکیہ کے خلاف جو اس کو مباح مانتے ہیں۔اور ابو جعفرؒ نے (الْمَيْتَةَ) کو مشدد پڑھا ہے۔(404)اور (وَ الدَّمَ) (405)مقید ہے مسفوح کے ساتھ جو عن قریب آئے گا۔اور آیت کی عموم سے مچھلی کے خون کی نجاست اور جس میں دم سائل نہ ہو پر استدلال کیا ہے۔( وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ )ذکر میں گوشت کی تخصیص کی اگرچہ اس کے تمام اجزاء حرام ہے کیونکہ حیوان میں گوشت کھانے کے لئے بڑا جز ہے اور باقی اس کے تابع ہے۔ظاہر یہ اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ گوشت کی تخصیص اس لئے کیا کہ اس کی عین کی حرمت پر دلالت کرے خواہ ذبح کیا جائے یا بغیر ذبح کے ہو۔اور اس میں تفصیل ہے جو کی مخفی نہیں ہے۔اور شائد کہ لفظ لحم کے ذکر کرنے کا راز یہاں پر اس چیز کی حرمت کو ظاہر کرنا ہے جس کو عمدہ اور تمام لحوم پر فضیلت والی سمجھی جاتی ہو اور اس کی حرمت کو بہت بڑا گردانا جاتا ہو۔اور ہمارے اصحاب نے خنزیر کی عموم سے بحر کے خنزیر کے حرمت پر دلیل پکڑا ہے۔اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام مالکؒ سے روایت کی گئی ہے۔کہ ایک شخص نے آپؒ سے سوال کیا کہ سمندری خنزیر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔تو فرمایا کہ حرام ہے۔پھر ایک اور شخص آیا اور پوچھا کہ سمندر میں خنزیر کی صورت میں جانور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔تو آپؒ نے فرمایا حلال ہے۔تو آپ سے وجہ پوچھا گیا تو آپؒ نے جواب دیا کہ اللہ نے خنزیر کو حرام کیا ہے اور خنزیر کی صورت میں جو ہو وہ حرام نہیں کیا۔اور دونوں صورتوں میں سوال مختلف ہے۔(وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ)جو اس کے ساتھ متلبس ہو اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا

---

402۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ وَحَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْمَعْنَى قَالَا ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ عَبْدُ الصَّمَدِ فِي حَدِيثِهِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَبِهَا نَاسٌ يَعْمِدُونَ إِلَى أَلْيَاتِ الْغَنَمِ وَأَسْنِمَةِ الْإِبِلِ فَيَجُبُّونَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُطِعَ مِنْ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ،مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:21903۔حکم حدیث:شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہاہے۔حوالہ مذکورہ۔

403 ۔ حَدَّثَنَا سُرَيْجٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَم عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط ،رقم:5723۔حکم حدیث:شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہاہے۔حوالہ مذکورہ۔مستدرک میں یہ روایت نہ مل سکی۔

404 ۔ابن الجزری،النشر فی القراءات العشر،ج 2،ص224

405 ۔سورۃ الانعام:145

جائے۔اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اہلال اصل میں چاند کو دیکھنا ہے۔ لیکن جب یہ عادت بن گئی ہے کہ جب چاند دیکھتے ہے تو تکبیر کی آواز بلند کرتے ہے۔ تو اسی وجہ سے اہلال پر مسمی ہوا۔ پھر یہ رفع صوت میں استعمال ہوتا ہے اگرچہ یہ آواز کسی اور چیز میں ہو۔اور غیر اللہ سے مراد بت ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔اور عطاءؒ(406)، مکحولؒ،(407) شعبیؒ، حسنؒ اور سعید بن مسیبؒ (408) نے حرمت کا تخصیص بت کے ساتھ کیا ہے۔اور فرماتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے جب اس پر مسیح کا نام لیا جائے۔اور یہ قول تحریم کے سلسلہ میں ائمہ سے خلاف ہے۔اور یہاں پر ،بہ، کو مقدم کیا کیونکہ یہ فعل کے نزدیک ہے اور باقی جگہوں میں مقصود کو نظر کرتے ہوئے مؤخر کیا جو غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ ہے۔ (فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ)دوسرے مضطر اور مجبور کو ترجیح دینے کے لئے اس صورت میں اگر وہ انفرادی طور پر اس کے کھانے میں مشغول ہو جائے تو دوسرا ہلاک ہو جاتا ہے(وَ لاَ عَادٍ) جو زندگی کو بچا سکے اور جوع کو ختم کرے۔اس سے تجاوز کرنا اور یہ پیٹ بھر کر کھانے کے حرمت میں ظاہر دلیل ہے۔اور یہ جمہور کی مذہب ہے۔پس امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ مضطر کے لئے میتہ سے بقدر حاجت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اباحت تو اضطراری صورت میں ہوتی ہے۔اور اس سے اعتراض دفع ہوا ہے۔اور عبداللہ بن الحسن العبریؒ(409) فرماتے ہیں کہ اس قدر کھائے کہ بھوک ختم ہو جائے۔اور اس میں امام مالکؒ اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے اور جمع بھی کر لے اگر اس سے مستغنی ہو گیا تو اس کو پھینک دے۔اور امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ غیر باغ سے مراد یہ ہے کہ حکومت سے باغی نہ ہو اور قطع طریق کا عادی نہ ہو۔اور اسی طرح سفر معصیت میں بھی مسافر کے لئے اس محرمات سے کھانا جائز نہیں ہے۔اور یہ قول امام احمدؒ سے بھی مروی ہے۔اور یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔اور حکم رخصت اس قید کے ساتھ ہے کہ قدر ضرورت سے زائد نہ ہو۔اور آیت کی عموم کی وجہ سے مضطر کے لئے خنزیر، میتہ اور انسان کا کھانا بھی جائز ہے۔ بخلاف ان لوگوں کے جو اس

---

406 ۔ عطاء بن ابی رباح اسلم بن صفوان، جلیل القدر تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔ جند[یمن] میں 27ھ/647ء کو پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں رہائش پذیر تھے 'اور وہیں 114ھ/ 732ء کو وفات پائی۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج3 ، ص261۔ الزرکلی، الاعلام، ج 4، ص235

407 ۔ ابو مطیع مکحول بن فضل النسفی القاضی الحنفی، حدیث، تفسیر اور فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ابو عیسی ترمذی کے شاگرد تھے۔ علم فقہ میں الشعاع اور مواعظ میں اللؤلؤیات ،(جس کو علی بن عیسیٰ النسائی نے مختصر کیا ہے) قابل ذکر ہے۔ 318ھ/930ء کو وافات پائی۔ القرشی، عبد القادر، الجواہر المضئیہ فی طبقات الحنفیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1426ھ/2005ء، ج1، ص470

408 ۔ سعید بن مُسَیّب بن حَزن بن ابی وہب، 13ھ/ 634ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محدث، فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ زیتون کی تجارت کر کے اس کی آمدنی سے اپنا پیٹ پالتے تھے اور کسی سے کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ سیدنا عمر کے فیصلوں کے بڑے حافظ تھے۔ 94ھ/713ء کو وفات پائی۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری ، دار صادر، بیروت، س۔ن، ج5، ص119

409 ۔ اصل میں یہ عبید اللہ بن الحسن العنبری ہے۔ 105ھ/723ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ بصرہ کے فقہاء اور ماہر علماء میں تھے۔ قاضی بھی رہ چکے ہے۔ 168ھ/784ء کو وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج 4، ص192

کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔اہل شام اہل حجاز اور کسائیؒ نے (فَمَنِ اضْطُرَّ) کو نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔اور ابو جعفرؒ نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔([410])(فَلاإِثْمَ عَلَيْهِ)یعنی اس کے کھانے میں اور کبھی عدم کھانے سے گناہگار بھی ہو سکتا ہے۔(إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ)اور اسی سے اس کے کھانے کی حرمت ختم ہوئی اور اس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ حرمت باقی ہے مگر مضطر سے گناہ ساقط ہے اور اس کی مغفرت اس کی مجبوری کی وجہ سے ہے جیسا کہ اثم کو علیہ سے مقید کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔اور اول قول کے لئے استدلال اللہ تعالیٰ کے اس قول (إِلاَّمَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ) ([411])سے کیا ہے کہ یہ حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔جان لو کہ اس سے مراد مذکورہ اشیاء میں قصر حرمت نہیں ہے۔کہ ایسا نہ کہا جائے کہ غیر مذکورہ اشیاء میں حرمت نہیں ہے۔بلکہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں اس کے حلال ہونے کا۔گویا کہ کہا گیا ہے کہ تم پر حرام ہے وہ اشیاء جو تم اپنی طرف سے حلال کرتے تھے۔اور قصر حرمت سے مقصد ان کے اعتقاد کا بلیغ اور مؤکد طریقے سے رد کرنا ہے۔تو یہ قصر قلب ہے مگر یہ کہ جز ثانی اس کی حرمت اعتقاد کے لئے نہیں ہے۔کیونکہ وہ جو اشیاء حلال مانتے تھے اس کی حرمت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔بلکہ جز اول کے لئے تاکید ہے۔ اور لوگوں کو خطاب مشرکین کے داخل ہونے کے اعتبار سے ہے۔تو آیت کا فائدہ محرمات کی تحلیل پر زجر ہے۔جیسا کہ (يَاأَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوْا) ([412])میں حلال کی تحریم میں ان کے لئے زجر ہے۔اور یا مراد قصر حرمت ہے اس کے اختیار میں۔گویا کہ کہا گیا ہے کہ آپ پر یہ اشیاء حرام کئے گئے ہیں جب تک تم مجبور نہ ہو جاؤ۔پھر مناسب یہی ہے کہ خطاب مومنوں کو ہے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مومن تو اس کی حرمت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اس حکم کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ان کے لئے حلال کی طلب کی تکلیف کے بعد رخصت ہے۔اور یا ایک احسان کے بعد دوسرے احسان کے ساتھ رخصتی کے اعتبار سے عزت دینا مستلذات کی اباحت کے لئے ہے۔ بعض نے یہ اختیار کیا ہے کہ حصر سے مراد مشرکین پر رد مقصود ہے ان اشیاء کی تحریم میں جو اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں۔وصیلہ۔بحیرہ اور حام وغیرہ کے کھانے سے جو اس آیت میں مذکور ہے۔وہ کہتے تھے کہ وہ ہمارے اوپر حرام ہے اور یہ حلال ہے۔اور کہا گیا ہے کی صرف یہ حرام کئے گئے ہیں۔تو اس وقت یہ حصر اضافی ہوگا۔اور بعض نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حصر افراد ہے اس نسبت سے کہ مومنوں نے بمع لذیذ ہونے کے اپنے اوپر یہ حرام کیا ہے۔ اور اس میں یہ وجہ ہے کہ مومنین ان لذیذ اشیاء کی حرمت کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے مگر جب یہ سنا کہ اس کا سخت محاسبہ ہوگا اور ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔یہ بعض محققین کا قول ہے پس غور کیا جائے۔ (إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ)یہ آیت احکام حلال و حرام پر مشتمل ہے۔اور ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔کہ وہ سادہ لوگوں سے تحفے وصول کرتے تھے۔اور انہیں یہ امید دلاتے کہ آخری نبی انہی سے مبعوث

410 ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص78۔ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص225

411 ۔سورۃ الانعام:119

412 ۔سورۃ البقرۃ:168

ہو گا۔ لیکن اور لوگوں سے نبی مبعوث ہوا تو انہوں نے اسے چھپایا اور اسے بدل دیا تاکہ اس کی اتباع نہ کیا جائے۔ کیونکہ پھر تو ان کی تحفے بند ہو جائیں گے اور بادشاہی ختم ہو جائے گی۔([413])(وَيَشْتَرُونَ بِهِ)اس کی بدل مال لیتے تھے۔اور ضمیر کتاب یا ماانزل یا کتمان کو راجع ہے۔(ثَمَنًا قَلِيلاً)یعنی معمولی عوض۔( أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ) یا تو دنیا میں مراد ہے جیسا کہ مضارع کا اصل ہے۔ کیونکہ وہ رشوت لیتے تھے جو آگ کے مشابہ ہے۔ کیونکہ یہ آگ اس کا انجام ہے۔ تو آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اس طرح کہ ان کے کھانے کی کیفیت آگ کے کھانے کے مشابہ کیا ہے۔ کیونکہ اس کے کھانے سے پھیپھڑے کاٹ جاتے ہیں اور عذاب دیا جاتا ہے۔ تو مشبہ کی جگہ مشبہ بہ استعمال کیا گیا۔ اور یا آخرت میں مطلب یہ کہ آخرت میں آگ کھائیں گے۔ تو دونوں احتمالوں میں آگ اپنے حقیقی معنی میں ہو گا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مجاز ہے اور مراد اس سے رشوت ہے جب دنیا میں مراد لیا جائے۔ اور اس میں سبب اور مسبب کا علاقہ ہے۔ اور حقیقت ہے جب آحرت مراد لیا جائے۔ اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ توجیہ مقام وعید میں زیادہ مناسب ہے۔ اور جار مجرور حال مقدرہ ہے۔ مطلب یہ کہ نہیں کھاتے مگر صرف آگ ۔کیونکہ پیٹ میں حاصل ہونا کھانے کے ساتھ متصل نہیں ہے۔ اسی تقدیر سے وہ اعتراض دفع ہوا کہ استثناء پر حال کی تقدیم ضعیف ہے۔ اور اس قول کو حاجت نہیں کہ یہ ،یاکلون ،کے ساتھ متعلق ہے۔ ابو البقاءؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے پیٹ کے راستوں سے([414])اور پیٹ کی تقید اس لئے کیا کہ وہ اس سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔ اور تاکید کے لئے نہیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ اور لفظ ،فی، سے ظرفیت اگرچہ مظروف استیعاب ظرف کا تقاضا نہیں کرتا ہے۔ لیکن پیٹ کی استعمال استیعاب ظرفیت میں شائع ہے۔ جیسا کہ بعض کی ظرفیت اس کے عدم میں شائع ہے۔ جیسا کہ یہ قول،

كلوا فى بعض بطنكم تعفوا----- فان زمانكم زمن خميص۔([415])

ترجمہ۔ کم کھایا کرو تو تندرست رہو گے کیونکہ تمہارا زمانہ دبلے پیٹ کا زمانہ ہے۔

( وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ )یعنی رحمت والا کلام جیسا کہ حسنؒ نے فرمایا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا ان سے سوال کے منافی نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ بالکل بات نہیں کرے گا اللہ کی غضب میں اضافہ کی وجہ سے۔ اور سوال ملائک کے ذریعے ہو گا۔(وَلاَ يُزَكِّيهِمْ)اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کی نحوست سے پاک نہیں کریں گے اور نہ اس کی ثناء کرے گا۔(وَلَهُمْ عَذَابٌ

---

413 ۔ قال الكلبي عن ابن عباس: نزلت في رؤساء اليهود وعلمائهم، كانوا يصيبون من سفلتهم الهدايا، وكانوا يرجون أن يكون النبي المبعوث منهم، فلما بعث من غيرهم خافوا ذهاب مأكلتهم وزوال رياستهم، فعمدوا إلى صفة محمد صلى الله عليه وسلم فغيروها ثم أخرجوها إليهم، وقالوا: هذا نعت النبي الذي يخرج في آخر الزمان، لا يشبه نعت هذا النبي الذي بمكة فإذا نظرت السفلة إلى النعت المتغير وجدوه مخالفاً لصفة محمد صلى الله عليه وسلم فلا يتبعونه ،الواحدی،اسباب النزول،ص44

414 ۔ابو البقاء،املاء ما من بہ الرحمٰن، سورۃ البقرۃ:174

415 ۔ سیبویہ،ابوالبشر عمرو بن عثمان،الکتاب،دار الجیل بیروت، س۔ن، ج1 ،ص210

أَلِيمٌ) دردناک عذاب۔اس قسم کی خبریں حسب معنی مرتب ہیں۔کیونکہ جب پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے اشتراء کو ثمن قلیل پر بیان کیاجو کہ کنایہ تھاان کے مطعم خبیث فانی بیان کیاتو خبر میں شروع کیااللہ کے اس قول پر(مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ) پھر اس کے کتمان حق کا تقابل کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عدم تکلم کاذکر اس قول (وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّهُ)اس کے کتمان اور ترجیح کواللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مقابلے میں ثمن قلیل قرار پایا۔کہ یہ جھوٹ کی گواہی اور بری خبر ہے۔جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کوتکلیف دیتے تھے۔تواس کا تقابل اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ذریعے کیا(وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) پہلے تو انفرادی طور پر تقابلہ کیا پھر اجتماعی طور پر۔ (أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُاْ)حق کو چھپانے اور دنیوی کمتر مقاصد کی وجہ سے(الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى)دنیامیں (وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ) آخرت میں اور جملہ یاتومستانفہ ہے۔جب کاتمین کی وعید بہت بری ہے تو وہم ہو سکتا ہے کہ سوال کیاجائے بڑی وعید کے سبب کے بارے میں تو کہاجائے گا کہ کتمان کی وجہ سے ان کی دنیاو آخرت تباہ ہوگئی۔اور یاخبر بعد الخبر ہے،اِنَّ، کے لئے۔جملہ اولیٰ شدت وعید کی خبر کے لئے ہے۔اور یہ جملہ انکے کتمان کی برائی کوبیان کرنے کے لئے ہے۔(فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ)یعنی کہ کتنا سخت صبر تھاان کا۔اور یہ مومنین کے لئے باعث تعجب ہے۔کہ اسکے ارتکاب کرتے ہیں بغیر پرواہ کرتے ہوئے تواس کے لئے کون ساصبر ہے۔اوراس قسم کی ترکیب میں ،ما، نکرہ تامہ ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔اور فراءؒ فرماتے ہیں کہ استفہامیہ ہے جو معنی تعجب کو متضمن ہے۔([416])اور اخفشؒ فرماتے ہیں کہ موصولہ ہے۔اور آپؒ کی رائے یہ بھی ہے کہ نکرہ موصوفہ ہے۔([417])اور یہ ،ما،ان تمام اقوال میں ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔اور جملہ اس کا خبر ہے۔اور یااس کا خبر محذوف ہے جب یہ صفت یاصلہ ہو۔اور یہ تمام کلام کتب نحو میں موجود ہے۔

---

416 ۔فراء، معانی القرآن، سورۃ البقرۃ: 175

417 ۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 175۔اخفش، معانی القرآن، سورۃ البقرۃ: 175

# فصل سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 176 تا 179 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

ذَلِكَ بِأَنَّ اللہَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ 176 لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ 177 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاء إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ 178 وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاْ أُولِيْ الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ 179

**ترجمہ**۔یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی۔اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیاوہ ضد میں (آکر نیکی) سے دور (ہوگئے) ہیں176۔نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔اور مال جو باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو ان کو پورہ کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں 177۔مومنو تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد مارا جائے اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے۔جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دکھ کا عذاب ہے178۔اور اے اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل اور خونریزی سے) بچو179۔

(ذَلِكَ) یعنی وہ تمام، آگ کا کھانا، عدم کلام اور تزکیہ اور عذاب جو مرتب ہے کتمان پر۔(بِأَنَّ اللہَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ) یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن یا توراۃ کو حق کے ساتھ نازل کیا کہ اس میں بطلان کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔تو انہوں نے جھٹلا کر اور کتمان کرکے انکار کیا۔(وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِي الْكِتَابِ) یعنی کہ اس کے جنس میں سے وہ اس طرح کہ اللہ کے بعض نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آئے اور بعض کا انکار کرے۔اور یا توراۃ میں۔اور (اخْتَلَفُواْ) کا معنی یہ ہے کہ حق راستے کے اختیار کرنے میں وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔اور یا جو اس نے تبدیل کیا ہے اس کو ان میں پیچھے رکھا ہے یا قرآن میں۔اور اختلاف اس میں یہ کہ بعض کا قول ہے کہ یہ سحر ہے اور بعض کا قول کہ یہ شعر ہے اور بعض کہ یہ اساطیر الاولین ہے۔(لَفِي شِقَاقٍ) مطلب خلاف میں (بَعِيدٍ) حق سے بعید جو اشد عذاب کا موجب ہے۔اور یہ جملہ ما قبل جملے کے لئے تذییل ہے اور اس پر عطف ہے۔اور بعض حضرات نے ،واو، کو ما قبل کے لئے حال اور سبب بنایا ہے جو اس کو راجع ہے۔اور تذییل ذم میں داخل ہے جو کہ مخفی نہیں ہے۔(لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ) یہ ،البر، تمام انواع خیر کو اور طاعات کو جو قرب الٰہی کا

ذریعہ ہے سب کو شامل ہے۔اور خطاب اہل کتاب کو ہے اور(قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ) سے مراد دو متعین سمتیں ہیں ۔کیونکہ یہود بیت المقدس کی مغربی جانب کی طرف سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور نصاریٰ مشرقی جانب کو یہ آیت انہی کی رد میں نازل ہوئی ہے۔جب انہوں نے قبلہ کے بارے میں بہت زیادہ غور وحوض شروع کیا اور ہر ایک حصر نیکی کا دعوی اپنے طرف میں کرتا تھااور دوسرے پر رد کرتا تھا۔پس اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے قبلوں کی تردید فرمائی کیونکہ وہ منسوخ ہو چکے ہیں۔اور جنس کے ساتھ تعریف عموم نفی کے لئے ہے حصر کے لئے نہیں ہے۔کیونکہ قصر نفی اور نفی قصر مقصود نہیں ہے۔اور یہ احتمال بھی ہے کہ خطاب یہود و نصاریٰ اور مومنین سب کو ہو۔تو یہ ان کی ابتداء کی طرف واپسی ہے کیونکہ اس بحث کی بنیاد آپ ﷺ کو قبلہ کے معاملے میں طعن دینا تھا۔تو اس کا کلی طور پر خاتمہ کر کے تفصیلی طور پر بیان کیا۔اور مشرق و مغرب کو ذکر کرنے کا مقصد تعمیم ہے نہ کہ تعین سمتیں۔اس صورت میں ،البر، الف لام یا تو جنس کے لئے ہے جو کہ قصر کا فائدہ دیتا ہے اور مقصود اس سے قبلہ کے ساتھ ملی ہوئی اس کی نیکی کی تخصیص کو ختم کرنا ہے جیسا کہ حال اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس میں بہت اشتغال سے کام لیتے تھے۔اور اس سے سوا کو رد کرتے تھے۔اور یا ،البر، میں الف لام عہد کے لئے ہے کہ صرف یہی بڑی نیکی نہیں ہے جیسا کہ تم اکثر اس میں بحث کرتے ہو اور اس سے علاوہ قبلہ کی تردید کرتے ہو۔اور مشرق کو مغرب پر مقدم کیا بمع اس کے کہ مذہب نصرانیت مؤخر ہے مذہب یہودیت سے اس رعایت کے لئے جو ترتیب شروق و غروب سے متفرع ہے۔حمزہؒ اور حفصؒ نے ،البر، کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے([418])اور باقی نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔پہلی صورت میں یہ خبر مقدم ہو گا جیسا کہ اس قول میں،

سلی ان جهلت الناس عنا و عنهم فلیس (سوآءً) عالم و جهول۔([419])

ترجمہ۔اے مخاطبہ اگر تو ناواقف ہے تو لوگوں سے ہمارے اور ہمارے دشمنوں کا حال پوچھو پس دانا اور نادان برابر نہیں ہوتے۔

یہ بات حسن اور اولیٰ ہے کہ مصدر مؤول معرف باللام سے اعرف ہوتا ہے کیونکہ یہ ضمیر کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ نہ اس کی صفت آتی ہے اور نہ اس کے ذریعے کسی کی صفت کی جاتی ہے اور معرف باللام اسمیت کا زیادہ حقدار ہے۔کیونکہ اسم میں قوت ہے اگر ترتیب معہود کی رعایت کی جائے تو قرآن کریم کی نظم اطراف فوت ہو جائے گی۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک جماعت یہ سمجھتی کہ نیکی صرف یہی ہے تو ضروری تھا کہ ان کی تردید ان کے دعوی کے موافق ہوتی۔اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ،البر، کو اسم مانا جائے جیسا کہ یہ خبر سے فصیح ہے۔اور ابن مسعودؓ نے (لَّيْسَ الْبِرَّ) کو نصب کے ساتھ اور (بِأَن تُوَلُّواْ) کو ،باء، کے ساتھ پڑھا ہے۔([420])(وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ) بطلان کے باطل کو بیان کرنے کے بعد یہ حق کی تحقیق

---

[418] ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص79۔ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج 2، ص226

[419] ۔یہ شعر سموال بن عادیا کی ہے، شرح الحماسہ، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی، روحانی آرٹ پریس، ملتان، 1407ھ/1986ء، ج، ص 123

[420] ۔الفیومی، القرآءت الشاذہ، ص11۔ابن جنی، المحتسب، ج1، ص117

ہے۔اور ،البر، میں الف لام یاتو جنس کے لئے ہے تو پھر قصر ادعائی ہے اس فرد میں کمال جنس کی وجہ سے۔اور یا عہد کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ مناسب نہیں ہے کہ اس کا اتنا زیادہ اہتمام کیا جائے اور اس کی تحصیل میں لگاجائے۔اور کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ای،بِرٌّ مَنْ اٰمَنَ، کیونکہ جسد سے معنی کی خبر نہیں دیا جاتا۔اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کو حذف نہ مانا جائے اور مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے۔اور یا یہ کہا جائے کہ لفظ ،بر، کا اطلاق ،البار، پر مبالغۃً ہے۔اور اول زیادہ موافق ہے اللہ کے اس قول(لَّيْسَ الْبِرَّ) کے ساتھ جو کہ فی نفسہ احسن ہو۔کیونکہ یہ موزے کا نکالنا ہے پانی کے پہنچنے پر۔کیونکہ نیکی کا ہونا ایمان کا ہونا ہے تو اول کی طرف مؤول ہوگا۔اور اس ایمان سے مراد وہ ایمان ہوگا جو شائبہ اشتراک سے خالی ہو یہود و نصاری کی ایمان کی طرح نہیں جو عزیرؑ اور عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں۔نافعؒ اور ابن عامرؒ نے (لَكِنْ) کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔[421] اور بعض نے ،البار، کو بصیغہ اسم فاعل پڑھا ہے۔[422] (وَ الْيَوْمِ الآخِرِ) یعنی آخرت کا دن جس کے مسلمان قائل ہیں۔اور بعد میں آنے والی ہے۔(وَ الْمَلآئِكَةِ) یعنی جو ان پر ایمان لے آیا اور اس بات کی تصدیق کی کہ یہ ملائک معزز مخلوق ہیں جن میں نر و مادہ نہیں ہوتے۔اور بعض ان میں اللہ اور اس کے انبیاء کے درمیان وحی اور انزال کتاب کے لئے واسطے ہیں۔(وَ الْكِتَابِ) جنس کتاب مراد ہے لہذا اس میں ساری کتاب شامل ہے۔کیونکہ ،البر، میں ان تمام پر ایمان لانا ضروری ہے۔اور یہی زیادہ موافق ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں مذکور ہے۔کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے ملائک پر اس کے رسولوں پر اور اس کے کتابوں پر ایمان لانا ہے[423]۔اور یا کتاب سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہی دعوت میں مقصود اور کامل ہے ۔اور اسی پر ایمان تمام کتابوں پر ایمان ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے لیکن یہ تاویل قرائن سے دور ہے۔کیونہ توراۃ پر ایمان لانے سے سب کتابوں پر ایمان لازم نہیں آتا۔اور کتاب اللہ پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ یہ ایمان حاصل ہو جائے کہ اللہ جل جلالہ کا کلام ہے جو حدوث سے پاک ہے اپنے حقداروں پر نازل ہوئے ہے اس لغات کے مطابق جس کا حال تقاضا کرتا ہو۔(وَ النَّبِيِّينَ) یعنی سب انبیاء کرام پر بغیر کسی تفرقہ کے جیسا کہ اہل کتاب کرتے تھے۔اور اس بات پر ایمان حاصل ہو جائے کہ انبیاء معصوم ہیں اور حسب و نسب کے حوالے سے تمام لوگوں سے اشرف ہیں۔اور یہ عقیدہ کہ ان میں سے کسی قسم کی کمزوری نہیں ہے۔اور یہ بھی عقیدہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ ان تمام کا سردار اور خاتم الانبیاء ہیں۔اور آپ ﷺ کا شریعت تمام شریعتوں کے لئے ناسخ ہے۔اور تمام مکلفین کے لئے یوم قیامت تک اس دین کا اتباع لازم ہے۔

---

[421] ۔ابو عمرو الدانی،التیسیر فی القراءت السبع، ص79۔ابن الجزری،النشر فی القراءات العشر،ج2،ص226

[422] ۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ:177

[423] ۔ حدثنا مسدد قال حدثنا إسماعيل بن إبراهيم أخبرنا أبو حيان التيمي عن أبي زرعة عن أبي هريرة قال كان النبي صلى الله عليه و سلم بارزا يوما للناس فأتاه جبريل فقال ما الإيمان ؟ قال ( أن تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث )، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ، رقم:50

(وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ) یہ جملہ حال ہے ضمیر،اٰتیٰ، سے اور ضمیر مجرور مال کے ساتھ متعلق ہے۔ مطلب یہ کہ مال دیتے ہیں اس حال میں کہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس کو مقید اس لئے کیا کہ یہ انواع صدقہ میں افضل ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ سب سے افضل صدقہ یہ ہے تم حالت صحت میں ہو اور زندہ رہنے کی فکر کرتے ہو اور فقر سے ڈرتے ہو اور غافل مت رہو یہاں تک کہ موت قریب آئے تو کہو کہ یہ فلاں کے لئے ہے اور یہ فلاں کے لئے۔ ([424]) اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کے درجات بھی مختلف ہیں مال سے محبت کے تفاوت کی وجہ سے۔ غنی اور کریم کے صدقہ سے بخیل اور فقیر کا صدقہ افضل ہے۔ اس صورت میں کہ وہ مال سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ اور اس کی تاکید نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث کرتی ہے۔ کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو بڑا اور مضبوط ہو مطلب یہ کہ آپ کو اس کا دینا گراں ہو۔ ([425])۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کو راجع ہو اور یا مصدر کو جو فعل سے معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں تقید تکمیل کے لئے ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ جتنا اخلاص زیادہ ہو گا اتنا ثواب زیادہ ہو گا۔ اور یہ وہم بھی دفع ہوا کہ صرف مال کا دینا ہی نیکی ہے۔ اور اول سلف صالحین سے منقول ہے اور شائد کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہو۔ (ذَوِي الْقُرْبَى) یہ مفعول اول ہے،اٰتیٰ، کے لئے اور یہ مفعول ثانی پر مقدم ہے۔ اور اس وجہ سے بھی اہتمام کیا ہے کہ عطف میں لمبائی آجاتی۔ اگر ترتیب کی رعایت کی جاتی تو اطراف کی نظم ختم ہو جاتا۔ جو کہ تقدیم حال اس کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مفعول ثانی ہے۔ اور (ذَوِي الْقُرْبَى) سے مراد رشتہ دار ہے۔ جس کو دیا جاتا ہے اور ضرورت مند ہو۔ مطلق رشتہ دار مراد نہیں جیسا کہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور مصارف زکوۃ سے شمار کیا بمع اس کے کہ یہاں مراد نیکی اور صدقہ ہے۔ اور اغنیاء کو دینا ہبہ ہے صدقہ نہیں ہے۔ اور یہ قسم مقدم کیا کیونکہ ان کو دینا اہم ہے ام کلثوم بنت عقبہؓ ([426]) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے۔ بہترین صدقہ ان رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔ جو آپ سے بغض اور پوشیدہ عداوت رکھتے ہیں۔

---

424 ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ حَرِيصٌ تَأْمُلُ الْغِنَى وَتَخْشَى الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلْ حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ الْحُلْقُومَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ای الصدقۃ افضل وصدقۃ الشحیح الصحیح، رقم:2748

425 ۔ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی قتل الاوزاع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ/1995ء، رقم:116

426 ۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط الامویہ القرشیہ، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی تھی۔ ولید بن عقبہ کی بہن تھی۔ ابتداء ہی میں اسلام قبول کیا تھا عورتوں میں ہجرت کرنے والی پہلی عورت تھی اور مدینہ منورہ پیدل ہجرت کی تھی۔ زید بن حارثہ سے شادی کی آپ کی وفات کے بعد زبیر بن عوام سے شادی کی اور زبیر بن عوام کے بعد عبد الرحمٰن بن عوف سے نکاح کیا۔ مدینہ منورہ میں 33ھ/653ء کو وفات پائی۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج1، ص68

([427])امام احمدؒ اور ترمذیؒ وغیرہ نے سلمان بن عامرؓ ([428]) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر دو صدقے ہے ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔([429])(وَالْيَتَامَى) یہ عطف ہے (ذَوِي الْقُرْبَى) پر اور کہا گیا ہے کہ (الْقُرْبَى) پر کیونکہ مال کا دینا اس کو درست نہیں جو عاقل نہ ہو پس معطی (دینے والا) اس رشتہ داری کی وجہ سے اس کا کفیل ہے۔ اور اس میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں ہے۔(وَالْمَسَاكِينَ) مسکین کی جمع ہے۔ جو ہمیشہ بیٹھتا رہتا ہے کیونکہ اس کی حاجت نے اس کو حرکت سے بٹھایا ہے۔ اور یا لوگوں کو ہمیشہ التجاء کرنے کی وجہ سے۔ اور یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے پاس کچھ نہ ہو اور یا وہ مراد ہے جس کے پاس بوقت ضرورت کچھ نہ ہو۔ اور یہ (وَابْنَ السَّبِيلِ) کے مفہوم سے خارج ہے۔ مجاہدؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسافر ہے۔ اور اس کو مسافر اس لئے کہتے کہ یہ سفر میں رہتا ہے۔ اور یا اس لئے کہ زمین اس کو ظاہر کرتا ہے گویا کہ اس زمین نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس کو مفرد اس لئے لے آیا کیونکہ یہ اپنے احباب اور وطن سے الگ رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے گھر اور جماعت کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور کریم اپنے وطن کا اتنا مشتاق ہوتا جتنا کہ بوڑھی اونٹنی اپنے بیٹھنے کی جگہ کو۔ اور یا اس لئے مسافر کہتے ہے کہ یہ اپنوں میں نہیں ہوتا ہے۔ اور معطی اس کو غالباً جانتا تاکہ اعطاء میں تشویق ہو اور یہ اعطاء آسان ہو۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر زیادہ بھی ہو تو مناسب یہی ہے کہ ان کو نفس واحدہ کی مان لیا جائے۔ تو اس کو عدم معرفت کی وجہ سے دینے کے بعد نہ ڈانٹا جائے۔ پس سمجھنا چاہیے۔ ابن عباسؓ، قتادہؒ اور ابن جبیرؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کا مہمان ہے۔ (وَالسَّآئِلِينَ) یعنی کھانے کے طلب گار ہے چاہے وہ غریب ہو یا امیر لیکن جوان کے پاس ہے وہ حاجت کے لئے کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ دلالت کرتی ہے اس پر وہ روایت جو امام احمدؒ، ابوداودؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حسین بن علیؓ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سائل کے لئے حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر

---

[427] ۔ حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا أبو معاوية ثناالحجاج عن الزهري عن حكيم بن بشير عن أبي أيوب الأنصاري قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أن أفضل الصدقة الصدقة على ذي الرحم الكاشح ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 23577۔ حکم حدیث: شعیب نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[428] ۔ سلمان بن عامر بن اوس بن حجر بن عمرو التیمی صحابی ہے۔ بصرہ میں رہائش پذیر تھے۔ محمد بن سیرین اور رباب آپ سے روایت کرتے ہیں۔ خلافت عثمان میں وفات پائی۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج2، ص487

[429] ۔قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُورٌ وَمَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَتُهُ فَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى وَأَرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَالصَّدَقَةُ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 16226۔ حکم حدیث: شعیب نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

آئے۔(430) کیونکہ گھوڑے پر سوار غالباً مالدار ہوتا ہے۔اور یا فقراء ہو۔اور کہا گیا ہے کہ مراد مساکین ہے۔تو سوال کرنے سے ان کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔اور پہلے جو مساکین ذکر کئے گئے اس سے مراد وہ لوگ جو سوال نہیں کرتے لیکن ان کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محتاج ہے۔اگرچہ ظاہر میں غنی ہو اور حدیث کی قید سے سائل کی حق اور یہ بات کہ سوال سبب استحقاق ہے معلوم ہوتا ہے۔اگر اس کی وجود کو غنی سے فرض کیا جائے جیسا کہ یتیم اور قرابت دار۔

(وَفِي الرِّقَابِ) یہ متعلق ہے (آتی) کے ساتھ یعنی مال دیتے ہیں گردنوں کو آزاد کروانے کے لئے، یا پھر قیدیوں کو آزاد کروانے لئے، یا غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے خریدتا ہے۔اور رقبہ شخص سے مجاز ہے۔اور کلمہ، فی، کا لے آنا اس طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ صرف ان کے نجات میں صرف کیا جاتا ہو اور اس کے مالک نہیں بن سکتے جیسا کہ اور مصارف زکوۃ میں ہو سکتا ہے۔(وَأَقَامَ الصَّلاةَ) یہ لفظ (مَنْ) کے صلہ پر عطف ہے۔اور مراد نماز سے نماز مفروضہ ہے جیسا کہ (وَآتَى الزَّكَاةَ) میں فرض زکوۃ مراد ہے۔اور ماقبل میں نفلی صدقات مراد تھے اور نفلی صدقات کو فرض زکوۃ لوگوں میں تشویق کی خاطر مقدم کیا۔ یا اس لئے کہ مال میں فرضی زکوۃ کے علاوہ اور حقوق ہے۔ترمذیؒ اور دار قطنیؒ وغیرہ نے فاطمہ بنت قیس سے روایت نقل کیا ہے فرماتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مال میں سوائے زکوۃ کے اور حق بھی ہے۔(431) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ابوہریرۃؓ سے اسی طرح روایت نقل کیا ہے۔(432) اس میں اختلاف ہے کہ یہ حق اب باقی ہے یا نہیں۔تو ایک جماعت نے دوسرے رائے کو معتبر ٹھہرایا ہے اور استدلال کیا اس روایت سے جو علیؓ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔کہ الاضحی سے تمام ذبیحے، رمضان سے تمام روزے، غسل جنابت سے ہر ایک غسل اور زکوۃ سے ہر ایک صدقہ منسوخ ہو گیا۔(433) اور ایک جماعت نے دوسرے رائے کو معتبر ٹھہرایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔(وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ)(434) اور نبی کریم ﷺ کی اس روایت سے استدلال کیا

---

430 ۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ أَبِي يَحْيَى عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهَا قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ ،مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط، رقم:1730۔ حکم حدیث:شعیب نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

431۔حدثنا محمد بن مدويه اخبرنا الاسود بن عامرعن شريك عن ابى حمزة عن الشعبى عن فاطمة ابنة قيس قالت سألت أو سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الزكاة فقال (ان في المال لحقاسوى الزكاة) سنن ترمذی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم :654 ۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

432۔ حبان بن جزء عن أخيه خزيمة روى عنه عبد الكريم بن أبي المخارق قال موسى بن إسماعيل عن محمد بن راشد عن عبد الكريم عن حبان بن جزء عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في المال حق بعد الزكاة ،امام بخاری، محمد بن اسماعیل ،التاریخ الکبیر، دار الباز، مکۃ المکرمہ، س۔ن، رقم:311

433 ۔ البیہقی، شعب الایمان، رقم:18798

434 ۔سورۃ الذاریات:19

ہے۔وہ شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا جو پیٹ بھر کر سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سو جائے۔([435])اور اس بات پر اجماع ہے کہ اگر حاجت ضرورت بن جائے تو لوگوں پر اتنی مقدار میں دینا واجب ہے کہ جس سے ضرورت پوری ہو جائے اگرچہ زکوۃ واجب نہ ہو اور اگر نہ دیں تو ان سے لینا ضروری ہے۔اور حدیث سے جواب دیا ہے کہ یہ حدیث غریب اور معارض ہے۔اور اس کی سند میں مسیب بن شریکؒ ہے اور وہ ان محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔اور یا مراد یہ ہے کہ زکوۃ سے صدقہ مفروضہ منسوخ ہو گیا۔اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے سے مراد زکوۃ مفروضہ ہے اور تکرار نہیں ہے کیونکہ اول سے مراد مصارف کا بیان ہے۔اور اس سے مراد ادا اور تشویق کا بیان ہے۔اور بعض مصارف کا ذکر ترک کر دیا کیونکہ یہاں مقصود ابواب خیر کا بیان ہے اس کا حصر نہیں ہے۔اور بیان مصرف کو اہتمام شان کی وجہ سے مقدم کیا۔اور صدقہ اس وقت معتبر ہو گا جب وہ اپنے مصرف اور محل میں ادا ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا قول(قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ) ([436])دلالت کرتا ہے۔اور اس سے بھی یہی تعین ہوتی کہ سائلین سے مراد فقراء ہیں۔ (وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ)یہ عطف ہے(مَنْ آمَنَ)پر اور،اَوْفیٰ، نہیں کہا کیونکہ اشارہ ہے وجوب استمرار کی طرف۔اور کہا گیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مقصود بالذات ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ مغایرت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے اور سابق حقوق العباد سے ہیں۔اسی اعتبار سے عہد سے مراد وہ ہے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ بنائے ان عہود میں سے جو لوگوں کے درمیان جاری ہے۔ظاہر یہی ہے کہ عہد کو حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کو شامل ہے۔اور معمول حذف بھی اسی کو اشارہ کرتا ہے۔اور ظرف کے ساتھ مقید کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ وقت معاہدہ سے ان کا ایفاء مؤخر نہیں ہوتی۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ عہد ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔اور تاکید کے لئے نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔(وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء)یہ منصوب ہے فعل،امدح،یا،اخص،کے محذوف ہونے کے بناء پر ما قبل سے اسلوب کو تبدیل کر دیا تاکہ تنبیہ کر دے صبر کی فضیلت پر اور تمام اعمال سے بہتر ہونے پر تنبیہ ہے۔گویا کہ وہ اول کے جنس سے نہیں ہے۔اور عطف کا قطع کرنا جیسا کہ ائمہ کرام سے ثابت ہے اور اسے حسن بھی کہا ہے اور یہ اتباع سے ابلغ مانا ہے۔اور،الکتاب، میں بھی ایسا ہے۔اور نکرہ میں بھی ایسا آتا ہے۔جیسا کہ ہذلی کا قول ہے۔

ویاوی الی نسوۃعطل وشعثاً مراضیع مثل السعالی۔([437])

---

[435]۔ حدثنا محمد بن كثير قال أخبرنا سفيان عن عبد الملك بن أبى بشير عن عبد الله بن المساور قال سمعت بن عباس يخبر بن الزبير يقول سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع،امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، باب لایشبع دون جارہ، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، 1409ھ/1989ء، رقم 112:

[436] ۔سورۃالبقرۃ: 215

[437] ۔یہ لامیہ بن ابی عائذ الہذلی کا شعر ہے۔اشعار الہذلین، ج 2، ص184۔سیبویہ،الکتاب، ج2، ص66

ترجمہ۔اور آتی ہے ایسی عورتوں کو جو زیور سے خالی ہو اور بھوتنی کی طرح پراگندہ حال ہو اور دودھ پلانے والی ہو۔

( الْبَأْسَاء )سے مراد فقر اور غربت ہے۔(و الضَّرَّ اء )سے مراد درد اور سقم ہے۔اور یہ دونوں مصدر ہے اور فعلاء کے وزن پر ہے۔اور اس کے لئے افعل وزن نہیں ہے کیونکہ افعل اور فعلاء صفات میں ہوتا ہے اسماء میں نہیں ہوتا ہے۔ اور ( الصابرون)کو(والمو فین ) کی طرح منصوب پڑھا گیا ہے۔([438]) (وَحِينَ الْبَأْسِ)جہاد کے وقت اور دشمن سے لڑتے ہوئے اور یہ صبر میں ترقی ہے شدید سے اشد کی طرف کیونکہ مرض کے وقت صبر کرنا فقر کے وقت صبر کرنے سے زیادہ اجر کا باعث ہے۔اور جہاد میں صبر کرنا مرض میں صبر سے زیادہ بہتر ہے۔پہلے دو صورتوں میں صبر ،فی، کی وجہ سے متعدی ہے۔ کیونکہ اگر انسان صبر کرے تو اس کا شمار ممدوحین میں نہیں ہوتا۔ سوائے اس وقت کے کہ جب مرض اور فقر اس صبر کے لئے ظرف واقع ہو جائے۔اور لفظ ،حین، کو آخر میں لے آیا کیونکہ قتال اکثر حالات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک وقت میں ہوتا ہے۔( أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا )اپنے ایمان میں یا صبر کو طلب کرنے میں۔( وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ )اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں گے کیونکہ وہ گناہوں سے اجتناب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے تھے۔اور اول،أُولَـئِكَ، خبر کے طور پر لایا۔وجہ یہ ہے کہ فعل ماضی کے ساتھ موصول ہے جو کہ اشارہ ہے ان کے اسی صفات سے متصف ہونے کا اور وہ اس پر مستقل رہے۔اور دوسرے خبر میں ،أُولَـئِكَ، کو مختلف ذکر کیا۔تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہ ان کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ ان کی فطرت ہے۔اور اسی ،أُولَـئِكَ ، کو اگر ماقبل کی طرح ذکر کرتے تو پھر اس کا فاصلہ میں واقع ہونا اچھا نہیں لگتا۔جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں تو یہ آیت پندرہ صفات پر مشتمل ہے۔اور یہ صفات تین اقسام میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔پہلی پانچ صفات کمالات انسانیہ کے متعلق ہے۔جو صحت عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔اور اس کا آخر (وَ النَّبِيِّيْنَ) ہے۔اور اس کی ابتداء اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں اشارہ ہے مبداء اور معاد کی طرف جو حقیقت میں یہی مشرق و مغرب ہے۔ باوجود اس کے کہ ماقبل میں ان تمام کا نفی کیا اور مابعد میں مکمل طور پر اس کا ازالہ کیا۔اور اس کے بعد والی چھ صفات کا تعلق کمالات نفسیہ سے ہے۔جو بندوں کی حسن معاشرت کے قبیل سے ہیں۔اور اس کی ابتدء( وَآتَى الْمَالَ) سے ہوتی ہے اور انتہاء(وَفِيْ الرِّقَابِ)پر اور آخری چار کا تعلق کمالات انسانیہ سے متعلق ہے جس کا تعلق تہذیب نفس سے ہے۔اور اس کی ابتداء(وَأَقَامَ الصَّلاةَ)پر اور انتہاء(وَحِينَ الْبَأْسِ)پر ہوتا ہے۔اور میں اپنی عمر پر قسم کھاتا ہوں۔جو بھی اس آیت پر عمل کرے گا تو اس کا ایمان مکمل ہو جائے گا اور یقین کے آخری مرتبہ کو پالے گا۔

تفسیر اشاری۔ (لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ) مشرق سے مراد عالم ارواح اور مغرب سے مراد عالم اجساد ہے۔ کیونکہ یہ قیود اور پردے ہیں۔( وَلَـكِنَّ الْبِرَّ) موحد کی نیکی اللہ پر اور یوم معاد پر ایمان لانا ہے۔اور یوم معاد کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔اس جمع کی تفصیل میں کوئی احتجاب نہیں ہے۔اور وہ عالم الملائکہ کا باطن ہے اور انبیاء اور کتب اس کا ظاہر ہے۔جو کہ

[438] ۔الفیومی،القرآءت الشاذہ،ص 11

ظاہر اور باطن میں جمع ہے۔( وَآتَى )علم مراد ہے جو مال کا دل ہے۔اور ہر ایک کے لئے رشتہ داروں سے محبوب ہے۔اور اس کے ساتھ ایک قلبی تعلق ہوتا ہے۔اور( الْيَتَامَى )قوت نفسانی ہے جو باپ سے الگ ہوئے ہو اور حقیقت میں روح کا نور ہے۔اور (الْمَسَاكِينَ) طبعی قوت ہے۔جو دائمی سکون کا باعث ہے۔اور(وَابْنَ السَّبِيلِ )سے مراد حق کے منازل کو طے کرنے والے لوگ ہیں۔اور(السَّآئِلِينَ) سے مراد وہ لوگ ہے جو زبان کے بل بوتے پر اپنی ارواح کے لئے غذا تلاش کرتے ہیں۔اور( وَوَفِکُ الرِّقَابِ)سے مراد دنیا کے طالب کے شہوات کو وعظ وارشاد سے ختم کرنا ہے۔اور( وَأَقَامَ الصَّلاةَ )سے مراد حضور قلبی مراد ہے اور ان افعال کا کرنا جو نفس کو شبہات سے صاف کرے۔(وَالْمُوفُونَ) سے مراد عہد ازل کا ایفاء اور اس رکاوٹوں کا ختم کرنا۔اور مقام معرفت میں سوائے حق سے اعراض کرنا۔( الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء)سے مراد اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ہر وقت مانگنا (والضَّرَّاء )سے مراد کسر نفس ہے۔(وَحِينَ الْبَأْسِ)سے مراد نفس جیسے بڑے دشمن سے مقابلہ کرنا مراد ہے۔(أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا)اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں( وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ) شرک اور دیگر برائیوں سے پاک ہیں۔ ( يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ )اس سے پہلے قواعد دین کا بیان تھا کہ جن پر معاش ومعاد کا دار ومدار تھا۔اب یہاں سے احکام شرعیہ کا بیان ہے۔(كُتِبَ عَلَيْكُمُ)یعنی فرض اور لازم کیا گیا ہے جب صاحب حق مطالبہ کرے۔اور اس میں قدرت ولی باعث ضرر نہیں ہے۔کیونکہ وجوب بااعتبار احکام یا قاتلین کے ہے۔اور کتابت کی حقیقت تو خط ہے پھر الزام اس سے کنایہ ہے۔اور کلمہ ،علیٰ،اس پر پوری طرح صراحت کرتا ہے۔(الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى)یعنی کسی سبب سے۔اس حدیث کی بناء پر، کہ ایک عورت نے بلی باندھی تھی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔([439])اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قصاص کو ،فی، کے ساتھ متعدی کیا کیونکہ یہ مساوات کے معنیٰ کو متضمن ہے۔جس کا معنی ہے کہ انسان کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح اس نے کیا ہو۔اور اسی وجہ سے اس کو مقص (قینچی) کہتے ہے کہ یہ دونوں اطراف کو برابر کرتا ہے۔اور قصہ کو قصہ اس لئے کہتے ہے کہ یہ حکایت محکی کے مساوی ہوتا ہے۔اور قصاص کو قصاص کیونکہ یہ بھی اخبار الناس کی طرح ہے۔اور قتلیٰ قتیل کی جمع ہے جیسا کہ جرحیٰ جریح کی۔اور، کتب، کو مبنی للفاعل کے طور پر پڑھا ہے۔اور قصاص کو نصب کے ساتھ۔([440])اور ضمیر متعین اور مقرر میں اس کے ذکر کرنے سے پہلے اضمار قبل الذکر نہیں ہے۔(الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى)ماقبل کے لئے جملہ مبنیہ ہے۔کہ آزاد کو آزاد کے مقابلے میں قصاص کیا جائے گا۔اور روایت کیا گیا ہے کہ دور جاہلیت میں عرب کے دو قبائل میں دشمنی تھی۔ایک طاقتور تھا۔تو انہوں نے حلف کیا کہ ہم ان سے غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کریں گے۔لیکن جب اسلام آیا تو وہ لوگ یہ فیصلہ لے کر حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔تو

---

439 ۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الأَعْلَى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَخَلَتْ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ ، صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق یقتلن فی الحرم، رقم:3318

440 ۔ تفسیر بیضاوی، سورۃ البقرۃ: 178

یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ مساوات اختیار کرو۔آیت جیسا کہ واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے اور عورت کو مرد کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔کیونکہ مفہوم مخالف اسی وقت معتبر ہوتا ہے۔جب مفہوم موافق کی نفی سے اس کا پتہ نہ چل رہا ہو۔اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت سے پتہ چلتا ہے کہ غلام کو آزاد اور عورت کو مرد کے بدل بطریقہ اولیٰ قتل کیا جائے گا۔اسی طرح یہ آیت دلالت نہیں کرتی کہ آزاد کو غلام اور مرد کو عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔کیونکہ مفہوم مخالف جیسا کہ اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔تو یہ شرط بھی ہے کہ تخصیص کے لئے اور فائدہ نہیں ہو۔حدیث سے ظلم سے منع اور مساوات کی اثبات آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام۔کے مساوات کا فائدہ حاصل ہوا ۔امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے غلام کے مقابلے میں آزاد خواہ وہ غلام اس کا اپنا ہو یا غیر ہو کو منع کرتے ہیں۔آیت کی وجہ سے نہیں بلکہ سنت،اجماع اور قیاس کی وجہ سے۔اول یعنی حدیث سے دلیل جو ابن ابی شیبہؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔کہ ایک آدمی نے کسی کا غلام قتل کیا۔تو حضور ﷺ نے اسے سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے دربدر کردیا۔لیکن اس سے قصاص نہیں لیا۔(441)اور اسی طرح ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سنت میں یہ کہ کسی اقلیت کے بدلے میں مسلمان کو اور کسی غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔(442)اور اجماع سے دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے۔اور اس پر کسی نے بھی رد نہیں کیا۔(443)اور یہ وہ لوگ تھے۔جو اللہ کے احکاموں میں ملامت کرنے والوں کی ملامتی نہیں لیتے۔اور قیاس سے اس طرح کہ آزاد اور غلام کے اطراف میں کوئی برابری نہیں ہے تو قصاص میں بھی برابری نہیں ہونی چاہئے۔ہمارے امام اعظمؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام کے بدلے آزاد

441 ۔ حدثنا أبو بكر قال حدثنا إسماعيل بن عياش عن إسحاق بن أبي فروة عن إبراهيم بن عبد الله بن حنين عن أبيه عن علي قال أتي النبي صلى الله عليه و سلم برجل قتل عبده متعمدا فجلده رسول الله صلى الله عليه و سلم مائة جلدة ونفاه سنة ومحا سهمه من المسلمين ولم يقده منه،سنن ابن ماجہ، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،رقم:2654۔حکم حدیث:شیخ البانیؒ نے اسے نہایت ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

442 ۔ حدثنا أبو بكر قال حدثنا وكيع عن إسرائيل عن جابر عن عامر قال قال علي من السنة أن لا يقتل مسلم بقاتل ولا حر بعبد،،سنن ابن ماجہ، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،رقم:2621۔حکم حدیث:شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

443 ۔ حدثنا أبو بكر قال حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن ابا بكر وعمر كانا لا يقتلان الحربقتل العبد،سنن ابن ماجہ، تحقیق:ناصر الدین الالبانی ،رقم:2659۔ حکم حدیث:شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کی بناء پر، کہ مسلمانوں کے خون مساوی ہیں۔([444]) کیونکہ قصاص کی بنیاد تو مساوات اور عصمت پر ہے اور یہ دونوں دین اور دار سے ہے۔اور آزاد اور غلام دونوں اس میں مساوی ہیں۔اور انفس میں تفاضل غیر معتبر ہے اس دلیل کی بناء پر اگر کسی جماعت نے ایک آدمی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بناء پر، کہ (اَنَّ النَّفْسَ بِا لنِّفْسِ) ([445]) نفس کے مقابلے میں نفس کو قتل کیا جائے گا۔اور اگر پہلے شریعت ہمارے سامنے بغیر نسخ کے موجود ہو تو وہ ہمارے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ ہماری شریعت ہے۔اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت تو ہمارے مخالف رائے کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ (الْحُرُّ بِالْحُرِّ) اللہ تعالیٰ کے اس قول (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى) کی بیان اور تفسیر ہے۔تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حریت اور عبدیت میں تساوی معتبر ہے۔اور غلام کے بدلے آزاد پر قصاص واجب کرنا تساوی کو ضائع کرتا ہے۔اور تقاضا بھی یہی ہے کہ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت لیکن یہ کہ مخالف رائے والے اس طرف نہیں گئے ہیں۔اور ظاہر کی وجہ سے اجماع اور قیاس کی مخالفت کی ہے۔اور جس نے ہمارے رائے کو تسلیم کیا تو اس آیت کی نسخ کا دعوی اس قول (اَنَّ النَّفْسَ بِا لنِّفْسِ) ([446]) سے کرے گا۔کیونکہ ان کے عموم کی وجہ سے مساوات کی شرط منسوخ ہوتی ہے مذکر اور مؤنث کی حیثیت سے جو اس سے مستفاد ہوتا ہے۔اور یہ ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؒ، شعبیؒ، نخعیؒ اور ثوریؒ سے مروی ہے۔اور اس کی تائید کے لئے یہ بات لے آیا کہ یہ تو توراۃ میں جو کچھ ہے اس کی حکایت ہے اور شرائع من قبلنا حجت ہے اس شرط پر کہ اس کا ناسخ ظاہر نہ ہوا ہو جیسا کہ اس پر تصریح ہوا ہے۔اور یہ اس بات پر موقوف ہے کہ قرآن میں محکی کی مخالف موجود نہ ہو اور اگر موجود ہوا تو تاخر کی وجہ سے یہ اس کے لئے ناسخ ہو گا۔تو قرآن میں حکایت پہلے کتابوں کی حکایت کے لئے منسوخ ہو گا۔تو یہ حجت نہ ہو گا سوائے ناسخ کے۔اور دلالت تسلیم کرنے کے بعد ناسخ موجود ہوا جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے۔اور ہمارے بزرگ احناف اور مالکیہ نے فرمایا ہے کہ وہی صرف قصاص لے سکتا ہے۔اور دیت صرف قاتل کی رضا سے لے سکتا ہے۔ورنہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل خطاء میں دیت کو ذکر کیا ہے۔تو یہ بات متعین ہوئی کہ خطاء کی ضد جو کی عمد ہے اس میں قصاص متعین ہے۔اور جب قصاص عمد میں متعین ہوا تو وہ اس سے عدول نہیں کرے گا۔تاکہ نص پر رائے سے زیادت لازم نہ آجائے۔اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ نص کا تقاضا تو رعایت مساوات کا ہے۔لیکن یہ وجوب کا تقاضا تو نہیں کرتا تو اس کا جواب دیا گیا ہے۔کہ قصاص برابری کے سطح پر اس کے وجوب کا

---

[444] ۔حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ أَنْبَأَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْمُرُ بِالْأَمْرِ۔۔۔وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السِّلَاحُ لِقِتَالٍ قَالَ وَإِذَا فِيهَا الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط رقم: 959۔ حکم حدیث۔شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ

[445] ۔سورۃ المائدہ: 45

[446] ۔ایضاً

تقاضا کرتا ہے۔ (فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ)یعنی جو شئ پر مسمیٰ ہو عفو اور تجاوز سے اگرچہ بہت کم کیوں نہ ہو۔ پس مصدر مبہم موصوف کے حکم میں ہے۔ تو اس کا فاعل سے نیابت جائز ہے۔ اور اس کے لئے مفعول بہ ہو گا۔( مِنْ أَخِيهِ)اس کو فعل کے متعلق بھی کر سکتے ہیں اور حال بھی بنا سکتے ہیں۔(شَيْءٌ) سے اور (شَيْءٌ) کا فاعل کا قائم مقام ہونا اس بات پر خبر ہے کہ بعض عفو ایسا ہے گویا کہ بعض دم کا عفو کیا یا وارثوں میں سے بعض وارث عفو کرے تو یہ اسقاط قصاص میں عفو تام کی طرح ہے۔ کیونکہ قصاص تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ اور اَخْ، سے مراد ولی الدم ہے اور اس کو مہربانی کی وجہ سے بشریت یا دین میں بھائی کہا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد اس سے مقتول ہے اور کلام مضاف حذف کے ساتھ ہے، اَیْ مِنْ دَمِ اَخِیْہِ، اور قاتل کو بھائی پر مسمی کیا اس میں اشارہ ہے کہ قتل سے اخوۃ اسلامی منقطع نہیں ہوتا۔ اور (عُفِيَ) یہ جانی یا جنایت کو، عن، سے متعدی کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے، عفوت عن زید و ذنبہ، اور جب ذنب کو متعدی کیا جائے تو مراد برابری ہو گا چاہے مذکور ہو یا نہ ہو جیسا کہ آیت میں لام کے ساتھ جانی کو کیونکہ اول سے تجاوز اور دوسرے کے لئے نفع ہے۔ پس یہاں تجاوز سے جنایت کی طرف قصد کیا ہے۔ لیکن اس کا ذکر ترک کیا ہے جانی کی اہتمام شان کی وجہ سے۔ اور بعض حضرات نے، عَنْ، کو مقدر مانا ہے جو ،شَئیٌ، پر داخل ہوا ہے لیکن جب حذف کیا گیا تو فاعل کے بناء مرفوع کیا گیا۔ اور یہ باب حذف سے ہو گا اور سماع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بعض حضرات نے ،عفی، کو ترک سے تعبیر کیا ہے۔ تو اس صورت میں متعدی ہے تو مفعول فاعل کا قائم مقام ہو گا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ ،عفی، بمعنی ترک ثابت نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ ،اعفاء، ہے۔ ائمہ لغت نے اس کو معوّل شمار کیا ہے اگرچہ مشہور نہیں ہے لیکن اس کی نسبت مبنی الی المفعول کی طرف ہوا ہے جو اس کا اصل ہے اور اس اعتبار کو ترجیح دی جائے گی۔ اور مشہور سے اس کو اولی ٹھہرایا جائے گا کیونکہ اس مشہور میں مجہول کی اسناد فاعل کی طرف ہوئی ہیں جو کہ خلاف اصل ہے۔ اور یہ قول کہ (شَيْءٌ) محذوف، ترک، کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جس پر (عُفِيَ) دلالت کرتا ہے یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ معنی عفو کے بعد ترک شئ کی ضرورت ہی نہیں رہتی بلکہ یہ معنی ضعیف ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاء إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ)یعنی یہ کہ اتباع ہو جائے۔ یا پھر امر اتباع ہو جائے۔ اور اس سے مراد عافی کی وصیت ہے۔ کہ دیت طلب کرنے میں شدت اختیار نہ کرے۔ اور اس کو مہلت دے اگر وہ تنگ دست ہو۔ اور اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے۔ لیکن دیت دینے والے کو خود خیال کرنا چاہئے کہ وہ ممکن حد تک دیت کی ادائیگی کرے۔ اور ابن عباسؓ، حسنؒ، قتادہؒ اور مجاہدؒ کا قول ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ معفوء پر اتباع اور اداء ہے۔ اور یہ جملہ (مَنْ) کی خبر جب اس کو، مَنْ، موصولہ مان لیا جائے۔ اور جواب شرط بھی شرطیت کی تقدیر کی بناء پر ہے۔ اور اکثر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ قتل عمد کا تقاضا تو قصاص ہی ہے۔ اور ادائیگی دیت کا مطالبہ اس پر عفو کی صورت میں مرتب ہو گا۔ اور بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ دیت قصاص کی طرح قتل عمد کا ایک مقتضا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر کیوں اداء دیت کا حکم اس پر مرتب کیا جاتا جو مطلق عفو جو بعض یا کل عفو کو شامل ہو۔ بلکہ قاتل کی رضا اس میں شامل ہے اور یہ اس کی رضا سے مقید ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ اس وقت تام ہو گا جب (شَيْءٌ) میں

تنوین ابہام کے لئے ہو جائے کہ کچھ شئ، عفو سے۔ خواہ بعض ہو یا تمام ہو۔اور اگر تنوین تقلیل کے لئے ہو جائے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ اس وقت کو اداء دیت پر حکم بعض عفو پر مرتب ہو گا۔اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جب بعض دم سے عفو تو بعض خود بخود مال رہ جائے گا اگرچہ قاتل اس پر راضی نہ ہو۔اور یہ بھی ہے کہ یہ آیت صلح میں نازل ہوئی ہے اور یہ۔الام، کے زیادہ موافق معلوم ہوتی ہے۔([447]) جب عفاء صلح کے معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس کا معنی بدل ہے۔کہ اگر مقتول کی وجہ سے صلح کی بنیاد پر کچھ مال ملتا ہے تو ولی کو حسن معاملہ سے مطالبہ کرنا چاہئے۔لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ عفو میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔(ذَلِكَ)یعنی دیت اور عفو کے ضمن میں حکم مذکورہ(تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ)عفو کو جائز کرنے میں قاتل کے لئے آسانی ہے۔اور دیت دینے میں مقتول کے ورثاء کو نفع ہے۔اور مقاتلؒ سے روایت ہے کہ قصاص صرف یہود پر فرض تھا۔اور نصاری پر صرف عفو تھا۔اور اس امت کو آسانی کے لئے تینوں میں اختیار دیا گیا ہے۔اور یہ حکم نازل فرمایا ہے۔اسی اعتبار سے(فَمَنْ تَصَدَّقَ) ([448])اس شریعت محمدیﷺ کے لئے حکم اس حکم کی حکایت کے بعد جو توراۃ میں تھا۔اور حکایت میں داخل نہیں ہے۔(فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ)یعنی تجاوز کرے اس شریعت کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کرے یا قاتل کو دیت یا عفو کے بعد قتل کیا جائے۔(فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ)یعنی دردناک عذاب کا ایک قسم اور متبادر اس سے یہ ہے کہ یہ آخرت میں ہو گا۔اور حسنؒ اور ابن جبیرؒ سے روایت ہے کہ یہ دنیا میں ہو گا۔کہ اسے ضرور قتل کیا جائے گا اور اس سے دیت نہیں لی جائے گی۔جو ابوداودؒ نے سمرۃؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔کہ میں کسی کو بھی دیت دینے کے بعد قتل معاف نہیں کرتا مطلب یہ کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔([449])

( وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ)یہ عطف ہے(كُتَبَ لَكُمْ) ([450])پر اور اس سے مقصود قصاص کے حکم کے لئے اپنے نفس کو تیار کرنا ہے کیونکہ قصاص ایک مشکل کام ہے۔اور یہ کلام نہایت بلیغ ہے۔اور اس سے مختصر کلام موجود جو کہ، القتل انفى للقتل، ہے۔اور یہ کلام اس کئی وجوہ پر بہتر ہے۔

1۔اس میں حروف کم ہیں کیونکہ ملفوظ یہاں پر بغیر تنوین کے دس حروف ہیں۔اور وہاں پر چودہ حروف ہیں۔

2۔اطراد ہے یعنی ہر قصاص میں حیات ہے اور ہر کوئی قتل انفی للقتل نہیں ہو سکتا ہے۔کیونکہ قتل ظلم ہوتا ہے جو قتل ہی کو دعوت دیتا ہے۔

---

[447] ۔امام شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، 1403ھ/1983ء، ج3، ص113

[448]۔سورۃ المائدہ:45

[449] ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل ثنا حماد أخبرنا مطر الوراق وأحسبه عن الحسن عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا أعفي من قتل بعد أخذه الدية ،سنن ابوداود، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب الدیات، باب من قتل بعد اخذ الدیۃ، رقم:4507۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[450] ۔سورۃ البقرۃ:178

3۔حیات میں تنوین نوع اور تعظیم کے لئے ہے۔

4۔قصاص اور حیاۃ میں صنعۃالطباق ہے یعنی کہ قصاص حیاۃ کا فوت ہونا ہے تو یہ اس کا مقابل ہوا۔

5۔مطلوب بالذات پر نص کا وارد ہونا یعنی حیاۃ کیونکہ نفی قتل اس کی طلب ہے اس کی ذات کے لئے نہیں۔

6۔غرابت یعنی کسی چیز کو اس کے ضد میں حاصل کرنا۔اور اس جہت سے کہ مظروف جب ظرف کو پوری طرح بھر لے تو تفرق سے محفوظ رہے گا۔تو قصاص بھی اسی طرح ہے کہ اُس میں حیات بھی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔

7۔یہ متقارب حروف سے خالی ہے۔کیونکہ یہ استشباع سے خالی نہیں ہوتا اور ردالعجز کو ابتداء میں حسن شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

8۔اس میں الفاظ کی مٹھاس بہت زیادہ ہے۔اور عام فہم ہیں۔کیونکہ اس کے قول میں میں توالی سباب خفیفہ کا موجود نہیں ہے۔ اور اس میں دو متحرک حروف صرف ایک جگہ میں آئے ہیں۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لفظ کی روانی اور زبان پر جاری ہونے میں سہل ہے۔اور اسی طرح ،فاء سے ،لام، کی طرف خروج زیادہ اعدل ہے۔لام سے ہمزہ کی طرف کیونکہ ہمزہ لام سے مخرج میں بعید ہے۔اور اسی طرح صاد،سے،حاء، کی طرف خروج الف سے لام کی طرف خروج سے زیادہ اعدل ہے۔

9۔یہ قول حیثیت اور اعتبار کو محتاج نہیں اور وہ قول محتاج حیثیت ہے۔

10۔اس میں تعریف قصاص لام جنس کے ساتھ ہے جو اس حکم کی حقیقت پر مشتمل ہے جو ضرب،زخم اور قتل وغیرہ ہے۔

11۔ اَفْعَلُ،کے وزن سے خالی ہے۔جو متوہم ہوتا ہے اور ترک میں قتل کی نفی ہے۔

12۔حیات پر مشتمل ہے جو کہ قصاص کی صلاحیت رکھتا ہے بخلاف اس کے قول کے کیونکہ یہ ایک ایسی نفی ہے جو دو قتلوں کا احاطہ کرتی ہے۔

13۔اس کا خالی ہونا اس سے جو وہم پیدا ہوتا ہے کہ ایک چیز اپنے نفس کی انتفاء کے لئے ہوتا ہے۔اور یہ محال ہے۔پاکی ہے اس ذات کی جس کے کلمات برتر ہے۔اور اس کی نشانیاں عظیم ہے۔پھر حیات سے یا تو دنیاوی حیات مراد ہے۔اور یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ قصاص کے جاری ہونے اور اس پر علم ہونے میں قاتل قتل سے واپس ہو جاتا ہے۔تو اسی طریقے سے یہ دو نفسوں کے لئے حیات ہے۔کیونکہ یہ قاتل کے سوا اور کو بھی انتقام میں قتل کر دیتے ہے۔اور ایک کے مقابلے میں جماعت کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔تو اس کے درمیان دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔اور حرب بسوس قائم ہو جاتی ہے۔جب ایک سے قصاص لیا جائے تو باقی محفوظ رہیں گے۔اور اس کی زندگی کے لئے سبب بن جائے گا۔پہلی صورت میں اضمار ہے اور دوسری صورت میں تخصیص ہے۔اور یا حیات اخرویہ مراد ہے اس بناء پر اگر قاتل سے دنیا میں قصاص لیا گیا تو آخرت میں مقتول کی حق پر اس کو مؤاخذہ نہیں ہوگا۔لہذا اس صورت میں یہ خطاب خاص قاتلین کو ہوگا۔اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عام ہے۔اور یہ دونوں ظرف یا تو دونوں خبر ہے حیات کے لئے۔یا ایک اس کے لئے خبر ہے اور دوسرا اس کا صلہ ہے۔اور یا ضمیر مستکن سے حال ہے۔

اورابوالجوزاءؒ (451)نے(فِيْ الْقَصَصْ)پڑھاہے۔(452)اور یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔اور مقصوص سے مراد خاص یہ حکم ہے۔اور یا مطلق قرآن مراد ہے۔تو پھر حیات سے مراد حیات القلوب ہے نہ کہ حیات اجساد۔اور یہ بھی جائز ہے کہ قصص مصدر بمعنی قصاص ہے۔تو پھر حیات اپنے حال پر باقی رہے گا۔(یَاْ أُولِيْ الأَلْبَابِ)یعنی اے اہل عقل اور صاحب دانش اور یہ صاحب عقل کو خاص ندا ہے۔ اگرچہ نداء سابق عام تھا۔کیونکہ یہی لوگ قصاص کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔اور لوگوں کی جانیں محفوظ کرتے ہیں۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حکم بالغوں کے لئے ہے بچوں کے لئے نہیں ہے۔( لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ )اپنے رب سے ڈرواور گناہوں سے اجتناب کروجو عذاب کا باعث بنتا ہے۔اور یا قتل سے قصاص کی خوف سے اجتناب کرو۔اور یہ ابن عباس، حسن اور زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔اور جملے کا تعلق ابتداء کلام سے ہے۔

451 ۔ابوالجوزاءاوس بن خالد الربعی البصری مشہور تابعی ہے۔علم قراءت، تفسیر اور حدیث میں ماہر تھے۔فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس کے ساتھ بارہ سال رہ چکا ہوں اور قرآن میں ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں میں ان سے سوال نہیں کیا۔زہد و تقویٰ اور طاقت میں اپنے مثال آپ تھے۔حضرت عائشہ، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت نقل کرتے ہیں۔ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج4، ص371

452 ۔الفیومی، القرآءت الشاذہ، ص11

# فصل چہارم

## سورۃ البقرہ آیت 180 تا 181 کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ 180 فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ 181

**ترجمہ۔** تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے (اللہ سے) ڈرنے والوں پر ایک حق ہے 180۔ جو شخص وصیت سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے 181۔

(كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ) یہ احکام مذکورہ سے ایک اور حکم کا بیان ہے۔ اور اس سے الگ ذکر کیا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ ان سے الگ مستقل حکم ہے۔ اور ،یاایہاالذین، سے مُصَدَّر نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے ساتھ قریب ہے اور ما قبل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کہ دونوں اموات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ما قبل کی طرح کوئی اتنا مشکل نہ تھا۔ اس لئے مصدر نہیں کیا۔ اور حضور موت سے مراد اسباب موت ہیں۔ اور اس کے نشانات امراض اور بیماریوں کا ظہور ہے۔ اور یا نفس کو ظاہر اور نزدیک ہونا مراد ہے۔ اور مفعول کا تقدیم کمال تمکن فاعل کے لئے ہے نفس کو حاضر ہونے کے وقت۔ (إِن تَرَكَ خَيْرًا) یعنی کہ مال جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے فرمایا ہے۔ اور بعض نے اس کو مال کثیر کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ عرف میں صرف مال کثیر کو خیر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ساتھ مال ہے لیکن جب اس کے ساتھ مال کثیر ہو ایسا کہتے ہے۔ اور اس کی تائید وہ روایت کرتا ہے جو امام بہیقیؒ اور ایک جماعت نے عروۃؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ علیؓ اپنے مولی کے پاس اس کے موت کے وقت آیا اور اس کے پاس سات سو یا آٹھ سو درہم تھے۔ تو اس نے علیؓ سے پوچھا کیا میں وصیت کروں تو علیؓ نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (إِن تَرَكَ خَيْرًا) اور آپ کے ساتھ مال کثیر نہیں ہے۔ پس اپنے مال کو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ دو۔ (453) اور ابن ابی شیبہؒ نے عائشہؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا۔ میں وصیت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تو آپ فرمایا آپ کے پاس کتنا مال ہے؟ تو اس نے کہا تین ہزار۔ تو عائشہؓ نے اسے فرمایا اور آپ کی اولاد کتنی ہے تو کہنے لگا

کہ چار تو آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (إِن تَرَكَ خَيْرًا) اور یہ قلیل مال ہے یہ اپنے اہل وعیال کے لئے چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (454) اس سے واضح ہو گیا کہ کثرت مال کا اعتبار مقدار سے نہیں بلکہ آدمی کے حال کے اعتبار سے ہے۔

---

453 _ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ أَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا الْعَنْبَرِىُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ السَّلاَمِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عَلِيًّا رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنْ بَنِى هَاشِمٍ وَهُوَ مَرِيضٌ يَعُودُهُ فَأَرَادَ أَنْ يُوصِىَ فَنَهَاهُ وَقَالَ : إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ (إِنْ تَرَكَ خَيْرًا) مَالاً فَدَعْ مَالَكَ لِوَرَثَتِكَ، ، سنن بیہقی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب الوصایا، باب من استحب ترک الوصیۃ اذا لم یترک شیئا لاستبقاء علی ورثتہ، رقم: 12953۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

454 ـ وَأَخْبَرَنَا أَبُو نَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شَرِيكٍ الْمَكِّىِّ عَنِ ابْنِ أَبِى مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لَهَا رَجُلٌ إِنِّى أُرِيدُ أَنْ أُوصِىَ. قَالَتْ : كَمْ مَالُكَ؟ قَالَ : ثَلاَثَةُ آلاَفٍ قَالَتْ : كَمْ عِيَالُكَ؟ قَالَ : أَرْبَعَةٌ فَقَالَتْ : قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (إِنْ تَرَكَ خَيْرًا) وَإِنْ هَذَا لَشَىْءٌ

کیونکہ ایک مقدار سے ایک آدمی کو مالداروں میں شمار کیا جائے گا۔اور اتنے مال پر کثرت عیال والے کو مالدار نہیں شمار کیا جائے گا۔اور عبد بن حمیدؒ نے ابن عباسؓ سے اس کی مقدار نقل کر کے فرماتے ہے۔کہ ، جس نے ساٹھ دینار نہیں چھوڑے اس نے مال نہیں چھوڑا(455)،اور زہریؒ کا مذہب یہ ہے کہ وصیت تو مشروع ہے چاہے مال کثیر ہو یا قلیل ہو۔پس آپ کے نزدیک مطلق مال خیر ہے۔اور خیر اس مال کے ایک اطلاقات میں سے ہے۔اور اس قول کو اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ ہے۔کہ مناسب یہ ہے کہ جس مال پر وصیت کی جائے وہ حلال اور پاک ہو۔اور مال خبیث نہ ہو۔کیونکہ حرام مال کا اپنے مالکوں کو واپس کرنا واجب ہے اور اس پر وصیت میں گناہگار ہوگا۔

(الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ) یہ ،كُتِبَ، کی وجہ سے مرفوع ہے۔اور رضی (کتاب نحو) میں ہے کہ جب فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو منفصلًا آتا ہے۔اور ترک علامت تانیث احسن ہے۔لہذا اس لئے یہاں فعل کو مذکر لے آیا۔اور ،الوصیۃ، اوصیٰ یوصی سے اسم ہے۔قاموس میں ہے کہ یہ ،اوصاه ووصاه توصيةً،اس کے ساتھ مضبوط عہد کیا اور اس کا اسم الوصاۃ ہے۔وصیت اور وصایۃ یہ موصی بہ سے بھی ہے۔اور جار اس کے متعلق ہے۔جمہور کے نزدیک فعل کے ساتھ اس کی تاویل ضروری ہے۔اور یا مصدر کے متعلق ہے تحقیق رضی کی بناء پر۔کہ مصدر کا عمل تاویل پر موقوف نہیں ہوتا ہے۔اور یہ اسی وجہ سے راجح قول کو بیان کیا ۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ،عَلَيْكُمْ، سے نائب فاعل ہے۔ (الْوَصِيَّةُ) خبر مبتداء ہے گویا کہ پوچھا گیا ہے کہ کیا لکھا ہوا ہے؟ تو کہا گیا کہ وصیت لکھا گیا ہے۔اور جواب شرط محذوف ہے جس پر (كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ) دلالت کرتا ہے۔اور یہ قول بھی ہے کہ یہ مبتداء ہے اور (لِلْوَالِدَيْنِ) اس کو خبر ہے۔اور جملہ جواب شرط ہے تقدیر فاء کے ساتھ۔کیونکہ اسمیہ جب جزا ہو تو اس میں تقدیر فاء ضروری ہے۔اور جملہ اسمیہ یا تو ،كُتِبَ، کے یا صرف (عَلَيْكُمْ) کی وجہ سے مرفوع ہے۔اور جملہ مستانفہ ہے۔اور خلیلؒ نے فرمایا ہے کہ تقدیر فاء غیر صحیح ہے اور یہ صرف ضرورت شعری میں جائز ہوتا ہے۔اور (إِذَا) میں عامل معنیٰ (كُتِبَ) ہے۔اور ظرف مقید ہے ایجاب کے حدوث اور وقوع کے لئے۔اور اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی خطاب کو آپ کی طرف متوجہ کرنا اور اس کی کتابت کا مقتضیٰ (إِذَا حَضَرَ) ہے۔اور تعبیر میں تبدیلی لئے کی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ازل میں مکتوب ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ ،الْوَصِيَّةُ، عامل ہو۔اگرچہ یہ اسم ہے لیکن یہ مؤول باالمصدر ہے۔جیسا کہ ،اَنْ، فعل کو مصدر بناتا ہے۔اور ظرف کے لئے تو فعل کا رائحہ بھی کافی ہوتا ہے، کیونکہ اس کا یہ شان ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔کہ یہ غیر کے مقام میں بھی واقع ہو سکتا ہے۔اور اس سے جدا نہیں ہوتا۔لہذا جتنی توسع ظرف میں ہے کسی اور میں نہیں

---

يَسِيرٌ فَاتْرُكْهُ لِعِيَالِكَ فَهُوَ أَفْضَلُ ، سنن بیہقی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی ،کتاب الوصایا، باب من استحب ترک الوصیۃ اذا لم یترک شیئا لاستبقاءً علی ورثتہ، رقم: 12955۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

455 ۔وأخرج عبد بن حميد عن ابن عباس في قوله إن ترك خيرا الوصية قال : من لم يترك ستين دينارا لم يترك خيرا ،السیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرۃ:180

ہے۔اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جو بھی چیز مؤول ہو ہم اسے مؤول کا حکم بھی دے دیں۔اور کلام میں مصدر کے معمول کا تقدیم کثیر واقع ہوا ہے۔اور اس میں تقدیر تکلف ہے۔اور ایسا نہیں ہے کہ دونوں صورتوں میں وصیت واجب ہوتی ہے اس پر جس کو موت حاضر ہو جائے۔نہ کہ تمام مسلمانوں پر جب اس میں سے کسی ایک کو موت حاضر ہو جائے۔کیونکہ (أَحَدَكُمُ) علی سبیل البدل عموم کا فائدہ دیتا ہے۔تو(إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ) کا معنی ہے کہ جب ایک کے بعد دوسرے کو حاضر ہو جائے۔اور لفظ،احد، کو تنصیص کے لئے زیادہ کیا کہ یہ فرض عین ہے نہ کہ فرض کفایہ۔جیسا کہ (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاص فِيْ الْقَتْلٰى) ([456])اور یہ وصیت اس پر فرض نہیں کہ جس کو موت آجائے بلکہ اسے وصیت کرنا چاہئے۔اور غیر پر یہ لازم ہے کہ اسے محفوظ رکھے اور اس میں تبدیلی نہ کرے۔اس لئے فرمایا(عَلَيْكُمْ)اور(أَحَدَكُمُ)فرمایا کیونکہ موت مخاطبین میں سے کسی ایک کو آئے گی۔کیونکہ حفظ وصیت بعد وصیت کے بعض پر فرض ہوتا ہے۔نہ کہ وقت احتضار پھر تو یہ درست نہیں ہو سکتا ہے کہ کہا جائے کہ آپ پر حفظ وصیت فرض ہے جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے۔کیونکہ وصیت کا ارادہ اور اس کا حفاظت کرنا مشکل ہے جو کہ مخفی نہیں ہے۔اور بعض محققین نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ (إِذَا) شرطیہ ہے اور دونوں شرطوں کا جواب محذوف ہے اور تقدیر اس طرح ہے۔جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت لازم ہے۔جواب شرط اول کو حذف کیا کیونکہ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔اور شرط ثانی کا جواب محذوف کیا گیا۔کیونکہ شرط اول اور اس کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔اور صاحب،تسہیل،کے نزدیک شرط ثانی اول کے لئے قید ہے۔گویا کہ کہا گیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اور اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو وہ وصیت کرے۔اور دونوں شرطوں کو مجموعہ جملہ معترضہ ہے۔(كُتِبَ)اور اس کے فاعل کے درمیان۔وصیت کے کیفیت کے بیان کے لئے۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ توجیہ تکلف ظرفیت کی تصحیح سے مستغنی ہے۔اور لفظ،اَحَدَ،کا زیادت بلاغت کے زیادہ مناسب ہے۔کہ پہلے حکم کو مجمل ذکر کیا پھر تفصیلاً اور فعل اور فاعل کے درمیان جملہ معترضہ وصیت واجبہ کی کیفیت کے بیان کے لئے لے آیا۔اور تمہیں پتہ ہے کہ اس میں کثرت حذف ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔اور یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔پھر آیت میراث سے منسوخ ہوا جیسا کہ ابن عباسؓ،ابن عمرؓ،قتادہؒ،شریحؒ اور مجاہدؒ وغیرہ نے فرمایا ہے۔امام احمد بن حنبلؒ،عبد بن حمیدؒ اور ترمذیؒ(نے اسے صحیح کہا ہے) نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے عمرو بن حارجہؓ سے روایت کیا ہے۔کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری پر انہیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے میراث میں حصہ مقرر کیا ہے تو وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔([457])اور احمد بن حنبلؒ اور بیہقیؒ نے اپنے سنن میں ابو امامہ الباہلیؒ

---

[456] ۔سورۃ البقرۃ:178

[457] ۔ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ وَأَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا وَهِيَ تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا وَلُعَابُهَا يَسِيلُ بَيْنَ كَتِفَيَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ وَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ

([458])سے روایت کی ہے۔کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خطبہ حجۃ الوداع میں سنا تھا فرماتے تھے کہ اللہ نے ہر ذی حق کو اپنا حق دیا تو وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔([459])اور عبد بن حمیدؒ نے حسنؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے([460])۔اس احادیث کو امت نے قبول کیا ہے۔اور ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ بعض نے فرمایا ہے۔کہ یہ متواتر میں سے ہے۔اور بعض اوقات متواتر ایسا ہوتا ہے کہ نقل کرنے والوں پر کذب پر اتفاق نہیں۔اور بعض اوقات ان کے عمل سے حد تواتر کو پہنچ جاتی کہ بغیر کسی کے نکیر کے سب پر عمل کیا ہو۔اس حیثیت سے کہ نسخ حقیقت میں آیت میراث اور احادیث پر مبنی ہے۔اور فخر الاسلامؒ نے یہ دووجہوں سے واضح کیا ہے۔پہلی وجہ یہ کہ یہ آیت وصیت والی آیت (مِنْ بَعْدِوَصِيَّةٍيُوْصىٰ بِهَا اَوْدَيْنٍ)([461])سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔تو آیت میراث وصیت منکرہ پر مرتب ہوگا۔اور وصیت اولیٰ معہود ہے۔اور اگر یہ وصیت باقی ہو تو اس کو مرتب کرنا معہود پر لازم ہے۔پس اس پر مرتب نہیں ہو سکتا۔پس مطلق وصیت پر مرتب کیا جائے گا۔تو یہ وصیت مقیدہ کے نسخ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اطلاق بعد تقید کے نسخ ہوتا ہے۔جیسا کہ تغائر معنی کی وجہ مقید بعد مطلق کے نسخ ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ نسخ دو قسم پر ہے۔ایک قسم،ابتداء بعد انتہاء محض ہے۔اور دوسری طریق حوالہ سے ایک جگہ سے دوسرے جگہ کا نسخ جیسا کہ نسخ قبلہ میں تھا۔اور یہاں پر دوسرے قسم سے ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وصیت اقربین کے لئے مقرر کیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شریعت کے حدود کی رعایت کرے۔اور ایک رشتہ دار کی حق اس کی قرابت کی حیثیت سے بیان کرے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے۔(بِالْمَعْرُوفِ)یعنی انصاف کے ساتھ۔پھر جب وصیت کرنے والا تقسیم میں صحیح طریقہ سے کام نہیں کرتا اور کبھی کبھار کسی کو ضرر کا قصد کرلیتا۔اور اپنے نفس سے بیان حق کو جو یقینی ہے اور اس میں حکمت ہے بیان نہیں کرتا

---

الْحَجَرُ وَمَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ، مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:17666 ۔حکم حدیث:شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[458]۔صُدَیّ بن عجلان بن الحارث الباہلی۔کنیت ابوامامہ مشہور صحابی ہیں۔صحیحین میں آپ سے 250 روایات منقول ہیں۔شام میں رہائش پذیر تھے ۔جنگ صفین میں سیدنا علی کی فوج میں تھے ۔سفیانؒ فرماتے ہیں شام میں صحابہ کرام میں مرنے والوں میں آپ آخری صحابی ہے۔حمص(شام )میں 81ھ/700ء کو 91سال کی عمر میں وفات ہوئے۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج5،ص29

[459] ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ،مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط رقم:22294۔ حکم حدیث:شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[460] ۔واخرج عبد بن حميد عن الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا وصية لوارث أن تجيزه الورثة،سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرۃ:180

[461] ۔سورۃ النساء:11

تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حدود سدس، ثلث، نصف اور ثمن میں قصر کیا جس میں تبدیل ممکن نہیں۔ تو وصیت کے طور پر اس کی تحویل اس آیت کی طرف ہوتی ہے۔( يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ ) (462) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ اپنی طرف سے حصے دو اس وقت جب تم اللہ کی معین کردہ مقادیر سے واقف نہ تھے لیکن پھر جب اللہ تعالی نے جب خود اس حق کا بیان کیا اور حصول مقصود کے لئے اس وصیت کا حکم فرمایا اور یہ ایسا ہے کہ جب کوئی کسی کو حکم دے کہ اس کی غلام کو آزاد کرو اور پھر خود وہ اپنے غلام کو آزاد کرے تو اسی سے حکم وکالت کا انتہا ہوا۔ اور اسی کی طرف احادیث میں اشارہ ہوا ہے۔ اور جب، فاء اس پر دلالت کرتا ہے کہ ما قبل مابعد کے لئے سبب ہے۔ تو ایسا نہیں کہا جائے گا کہ آیت میراث اس حکم سے تعارض نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کو مضبوط کرتا ہے اس حیثیت سے کہ یہ مطلق وصیت کی تقدیم پر دلالت کرتا ہے۔ اور احادیث آحاد جس کو امت نے قبول کیا وہ تواتر کی حد کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور شائد نسخ سے احتراز کے لئے ان حضرات نے وصیت کی تفسیر اس سے کی جو اللہ تعالی نے والدین ،اولاد اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کی(يُوصِيكُمُ اللهُ) (463) میں اور مختصر وصیت سے تفسیر کی کہ اللہ نے جس کی وصیت کا حکم دیا ہے اس کو اچھی طرح پورا کرو۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وارث کے لئے وصیت اس آیت کی رو سے واجب تھی اور وہ بھی بغیر تعین حصص کے پھر جب آیت میراث نازل ہوا اور اس میں حصص کی تعین کی لفظ وصیت سے کی تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ دی تھی کہ یہ وصیت پہلے واجب تھی۔ گویا کہ ایسا کہا کہ اللہ تعالی نے اپنے طرف سے یہ حکم دیا اور تم میں سے کسی کو یہ حکم تفویض نہیں کیا تو میراث کو وصیت کے قائم مقام کر دیا۔ تو یہ معنی تھا نسخ کا۔ نہ کہ یہ حکم کو رفع کرنے والی ہے۔ کہ آیت میراث اس حکم کو رفع کرتا ہے اور یہ اس حکم کی انتہاء ہے یہ بات درست نہیں ہے اور کسی پر بھی یہ اشتباہ نہیں آیا ہے۔ پھر نسخ کے قائلین میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس حکم کا وجوب ان وارثوں کے حق میں منسوخ ہوا ہے جن کے حصے مقرر ہیں اور باقی ان کے حق میں جن کے لئے حصے مقرر نہیں والدیں اور رشتہ دار جو کافر ہیں۔ اور یہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔ اور علیؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ جو موت کے وقت اپنے اقارب کے لئے وصیت نہ کرے تو اس کا خاتمہ معصیت پر ہوا۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ وجوب تمام کے حق میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اور یہ ان حضرات کے حق میں مستحب ہے جو وارث نہیں ہیں اور اکثر مفسرین کا قول ہے۔ اور محمد بن حسنؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مطلق رشتہ دار والدین کے زمرے میں نہیں آتے ان کی محبت اور شفقت کی وجہ سے (حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ) یہ مصدر مؤکدہ ہے اس بیان کے لئے جس پر (كُتِبَ) دلالت کرتا ہے۔ اور عامل اس میں یا تو (كُتِبَ) ہے اور حق محذوف ہے۔ ای حق ذلک حقا، تو یہ، قعدت جلوسا، کی طرز پر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ (كُتِبَ عَلَيْكُمْ) کے مضمون کے لئے تاکید ہے۔ اور اگر اسے انشاء معتبر کیا جائے تو یہ، لہ علی الف عرفا، کی طرز پر ہے۔ اور یہ مصدر محذوف کا صفت ہو گا۔ ای ایصاءً حقاً۔ تو یہ قول درست نہیں

462۔ سورۃ النساء: 11

463 ۔ ایضاً

۔بناء بر دونوں تقدیر (عَلَى الْمُتَّقِينَ) یہ صفت ہے یا فعل محذوف کے متعلق ہے اور یہی مختار قول ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر کے ساتھ متعلق ہو کیونکہ مفعول مطلق کبھی کبھار فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔اور متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔اور ضمیر کی جگہ مظہر کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ وصیت کی حفاظت اور اس پر قائم رہنا متقین کی شعائر میں سے ہیں۔

(فَمَن بَدَّلَهُ)اگر شاہد اور وصی میں سے کسی ایک نے اس وصیت میں تبدیلی کی اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی تبدیلی یا تو انکار وصیت سے ہوگی اصالۃ اور یا اس مین میں کمی کے ذریعے کے،اور شوافع کے نزدیک وصیت میں تبدیلی یہ ہے کہ خاص کو عام بنائے۔کیونکہ خاص چیز پر وصیت کرنے والا وہ اس کے غیر میں وصیت کرنے والا نہیں ہوتا۔ان کے نزدیک اور ہمارے نزدیک ہوگی۔ اور اس میں تبدیل کے قبیلے سے کوئی بھی چیز نہیں یا کسی چیز میں تبدیلی کے قبیلے سے نہیں ۔ (بَعْدَمَا سَمِعَهُ)یعنی پہچاننے کے بعد اور اس کے نزدیک ثابت ہونے کے بعد اور اس کو کنایہ لیا ہے۔سماع عن العلم سے اس وجہ سے کہ یہ اس کے حصول کا طریقہ ہے۔(فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ)یعنی وصیت تبدیل کرنے والا یا تبدیل وصیت پر کوئی گناہ نہیں۔پہلے میں لفظ کے جانب کی رعایت کی وجہ سے،اور دوسری میں رعایت معنی کی وجہ سے کہ ان لوگوں نے شرع کی مخالفت اور خیانت کی، وضع ظاہر مضمر کی جگہ پر گناہ کیلئے تبدیلی کی علت پر دلالت کیلئے ہے۔اور لانا جمع کا صغہ معنی کی رعآیت کی وجہ سے اور تمام افراد کو اثم کا شامل ہونا اس میں اشعار ہیں۔(إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ)سنتا ہے تبدیل کرنے والوں اور وصیت کونے والوں کے اقوال کو،اور ان کے نیتوں پر واقف ہے سنو اس کے مطابق ان کو بدلہ دے گا۔اس میں تبدیل کرنے والوں کیلئے وعید ہے اور وصیت کرنے والوں کیلئے وعدہ ہے۔اور اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وصیت کرنے والوں سے نفس وصیت پر فرض ساقط ہوتا ہے۔اور اسی سے یہ استدلال کیا ہے۔کہ اگر کسی شخص پر دین (قرض) ہو اور اس کی ادائیگی کی وصیت کی اگرچہ وصی اور وارث نے اس کی ادائیگی نہیں کیا۔تو قیامت کے دن وہ بری الذمہ ہوگا۔اور یہ ،الکیاؒ، ([464])کی رائے ہے۔([465])اور وہ رائے جس کی طرف دل مائل ہوتا ہے کہ موت کے بعد مطلقاً مدیون کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور قبر میں قید نہیں کیا جائے گا۔جس طرح لوگ کہتے ہیں اگر کوئی نہ چھوڑا اور تنگدست مر گیا تو ظاہر ہے اسی وجہ سے اگر زندہ رہا تو اس پر کوئی چیز نہیں تنگدستی کے ثابت ہونے کی وجہ سے سوائے تنگدست کو مہلت دینے کی سو اس کا مواخذہ لطیف خبیر ذات کی طرف ہوگا۔ اور جب میت کچھ مال کو چھوڑ دے اور وارث عالم ہو اس کی دین (قرض) پر یا کوئی دلیل قائم کیا جائے اس قرض پر تو وارث

---

[464]۔ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الہراسی الشافعی، عماد الدین کے لقب سے ملقب ہے۔450ھ/1058ء کو طبرستان میں پیدا ہوئے۔فقہ، تفسیر، حدیث اور اصول میں مہارت رکھتے تھے۔تیز آواز خوبصورت شکل وصورت اور فصیح اللسان تھے۔بغداد میں جامعہ نظامیہ میں مدرس تھے۔ 504ھ/1110ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص329

[465]۔الہراسی، ابوالحسن علی بن محمد، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1413ھ/1993ء، سورۃ البقرۃ :181

سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کی ادائیگی وارث پر لازم ہے۔اور جب وارث نے یہ قرض ادا نہ کیا تو اس وارث کا مواخذہ کیا جائے گا نہ کہ میت کا اور اگر اس میت نے اتنا مال چھوڑا ہو جس سے بعض یا تمام قرض ادا ہو سکتا ہو (لیکن وارثوں نے ادا نہیں کیا) اور وہ میت کہتا ہے کہ اے میرے رب میں نے اتنا مال چھوڑا تھا جس پر میرا قرض ادا ہو سکتا تھا لیکن میرے طرف سے میرے وارثوں نے جس پر آپ نے یہ اداء لازم کیا تھا اداء نہیں کیا اگر آپ نے مجھے مہلت دی تھی تو میں اسے اداء کرتا۔ہاں مواخذاہ مقعول ہے اس شخص کے بارے میں جس نے مال اللہ کی رضا کے خلاف حرچ کیا اور حرام کام کے لئے مطالبہ کرے۔

اور جو احادیث میں وارد ہوا ہے۔وہ اس یا اس کے مثل پر محمول ہے۔اور اس کو مطلقاً لینا (مطلق پر حمل کرنا) تو اس کو عقل سلیم اور ذہن مستقیم قبول نہیں کرتا۔

# فصل پنجم

## تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن قرطبیؒ اور تفسیر مظہری کے فقہی احکام میں تقابلی جائزہ

آیت 169۔170۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کی ہے۔
امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔اور اس کی تائید میں عربی اشعار پیش کئے ہیں۔ سوء اور فحشاء میں فرق واضح کی ہے۔(466) بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیاب کی ہے۔ آیت مبارکہ میں بعض ضمائر کی ارجاع مین تفصیلی بحث کرکے قاری پر آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔آیت مبارکہ سے نفی تقلید کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔(467) آیت مبارکہ میں عقائد میں تقلید کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔(468) آیت مبارکہ سے متکلمین کی اصطلاحات اور طریقہ استدلال کی اثبات کی ہے۔(469)
علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ کی تفسیر میں وہی مسائل بیان فرمائی ہیں جو امام قرطبیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ میں تقلید مذموم کی مذمت بیان کی ہے اور امام قرطبیؒ نے مطلق تقلید کی مذمت بیان فرمائی ہے۔
آیت 171۔172۔علامہ جصاصؒ نے ان آیتوں کی تفسیر سے چشم پوشی اختیار کی ہے۔

---

466 ـ قلت:فعلى هذا قيل:السوء ما لا حد فيه ،والفحشاء ما فيه حد.وحكي عن ابن عباس وغيره،والله تعالى أعلم،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :169

467ـ التقليد ليس طريقا للعلم ولا موصلا له،لا في الأصول ولا في الفروع ،وهو قول جمهور العقلاء والعلماء،خلافا لما يحكى عن جهال الحشوية والثعلبية من أنه طريق إلى معرفة الحق،وأن ذلك هو الواجب،وأن النظر والبحث حرام،والاحتجاج عليهم في كتب الأصول،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :170

468ـ قال ابن عطية:أجمعت الأمة على إبطال التقليد في العقائد.وذكر فيه غيره خلافا كالقاضي أبي بكر بن العربي وأبي عمر وعثمان بن عيسى بن درباس الشافعي.قال ابن درباس في كتاب"الانتصار"له:وقال بعض الناس يجوز التقليد في أمر التوحيد،وهو خطأ لقوله تعالى{إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ}فذمهم بتقليدهم آباءهم وتركهم اتباع الرسل،كصنيع أهل الأهواء في تقليدهم كبراءهم وتركهم اتباع محمد صلى الله عليه وسلم في دينه،ولأنه فرض على كل مكلف تعلم أمر التوحيد والقطع به،وذلك لا يحصل إلا من جهة الكتاب والسنة،كما بيناه في آية التوحيد،والله يهدي من يريد،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :170

469ـقلت:ومن نظر الآن في اصطلاح المتكلمين حتى يناضل بذلك عن الدين فمنزلته قريبة من النبيين.فأما من يهجن من غلاة المتكلمين طريق من أخذ بالأثر من المؤمنين ، ويحض على درس كتب الكلام ،وأنه لا يعرف الحق إلا من جهتها بتلك الاصطلاحات فصاروا مذمومين لنقضهم طريق المتقدمين من الأئمة الماضين،والله أعلم.وأما المخاصمة والجدال بالدليل والبرهان فذلك بين في القرآن، وسيأتي بيانه إن شاء الله تعالى،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :170

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں تشبیہ کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید کی اعجازی پہلو کو خوب واضح کیا ہے۔ بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کرتے ہوئے عربی اشعار استدلال میں پیش کئے ہیں۔اور آیت مبارکہ میں مومنین کی تخصیص فضیلت کی وجہ سے کی گئی ہے۔اور،اکل،سے مراد تمام وجوہ سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔(470)

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مباحث بیان فرمائے ہیں جو امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شکر ادا کرنے کی ترغیب دی ہے۔

آیت 173۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں میتہ کی تعریف تفصیلاً بیان فرمائی ہے۔اور یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ میتہ سے انتفاع بالاکل بالاتفاق حرام ہے۔ صرف اس صورت میں جائز ہے جو کسی دلیل کی بنیاد پر خاص کی گئی ہو۔(471)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جراد (ٹڈی) آحادیث مبارکہ کی بناء پر میتہ کی تعریف سے مستثنیٰ ہے یعنی اس کا کھانا جائز ہے۔(472)

آیت مبارکہ میں سمک طافی کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔اور مختلف آحادیث مبارکہ کی روشنی میں ہر ایک کی دلیل بیان فرمائی ہے ۔ آحادیث مبارکہ میں تطبیق بیان کی ہے۔ عقلی دلائل اور تطبیق آحادیث اور فریق آخر کی روایات پر جرح ذکر کرکے آخر میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ سمک طافی حرام ہے۔(473)

---

470۔ هذا تأكيد للأمر الأول،وخص المؤمنين هنا بالذكر تفضيلا.والمراد بالأكل الانتفاع من جميع الوجوه،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :172

471۔ولذلك قال أصحابنا لا يجوز الإنتفاع بالميتة على وجه ولا بطعمها الكلاب والجوارح لأن ذلك ضرب من الإنتفاع بها وقد حرم الله الميتة تحريما مطلقا معلقا بعينها مؤكدا له حكم الحظر فلا يجوز الإنتفاع بشيء منها إلا أن يخص شيء منها بدليل يجب التسليم له،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

472۔قال رسول الله أحلت لنا ميتتان ودمان فأما الميتتان فالجراد والسمك وأما الدمان فالطحال والكبد وروى عمرو بن دينار عن جابر في قصة جيش الخبط أن البحر ألقى إليهم حوتا فأكلوا منه نصف شهر ثم لما رجعوا أخبروا النبي فقال هل عندكم منه شيء تطعموني ولاخلاف بين المسلمين في إباحة السمك غير الطافي وفي الجراد،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

473۔فإن احتج محتج بقوله تعالى أحل لكم صيد البحر وطعامه وأنه عموم في الطافي وغيره قيل له الجواب عنه من وجهين أحدهما أنه مخصوص بما ذكرنا من تحريم الميتة والأخبار الواردة في النهي عن أكل الطافي والثاني أنه روي في التفسير في قوله تعالى وطعامه أنه ما ألقاه البحر فمات وصيده ما اصطادوا وهو حي والطافي خارج منهما لأنه ليس مما ألقاه البحر ولا مما صيد إذ غير جائز أن يقال اصطاد سمكا ميتا كما لا يقال اصطاد ميتا فالآية لم تنتظم الطافي ولم تتناوله والله أعلم ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

آیت مبارکہ میں ذکاۃ الجنین پر فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔فریق آخر کے اعتراضات کے جوابات عمدہ انداز سے بیان کی ہے۔اور آخر میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دے کر فرماتے ہیں۔([474])

آیت مبارکہ میں میتہ کی جلد بعد دباغت کے مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل بیان فرمائے ہیں۔فریق آخر کے دلائل کے جوابات تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور روایات میں تطبیق کر کے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تائید بیان فرمائی ہے۔([475])

آیت مبارکہ سے میتہ کے دھن کے حرمت پر استدلال کر کے فرماتے ہیں۔([476])

علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے کہ جب چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل بیان فرمائے ہیں۔اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ آیت مبارکہ اس مسئلے کو شامل نہیں ہے مگر حدیث مبارکہ کی رو سے یہ حرام ہے۔([477])

---

[474]۔ قال أبو بكر اختلف أهل العلم في جنين الناقة والبقرة وغيرهما إذا خرج ميتا بعد ذبح الأم فقال أبو حنيفة رضي الله عنه لا يؤكل إلا أن يخرج حيا فيذبح ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :173

[475]۔وهذه الأخبار كلها متواترة موجبة للعلم والعمل قاضية على الآية من وجهين أحدهما ورودها من الجهات المختلفة التي يمنع من مثلها التواطؤ والاتفاق على الوهم والغلط والثاني جهة تلقي الفقهاء إياها بالقبول واستعمالهم لها فثبت بذلك أنها مستعملة مع آية تحريم الميتة وأن المراد بالآية تحريمها قبل الدباغ وما قدمنا من دلالة قوله على طاعم يطعمه أن المراد بالآية فيما يتأتى فيه الأكل والجلد بعد الدباغ خارج عن حد الأكل فلم يتناوله التحريم ومع ذلك فإن هذه الأخبار لا محالة بعد تحريم الميتة لولا ذلك لما رموا بالشاة الميتة ولما قالوا أنها ميتة ولم يكن النبي ليقول إنما حرم أكلها فدل ذلك على أن تحريم الميتة مقدم على هذه الأخبار وأن هذه الأخبار مبينة أن الجلد بعد الدباغ غير مراد بالآية،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ 173:

[476]۔ قال الله تعالى إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وقال قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة وهذان الظاهران يحظران دهن الميتة كما أوجبا حظر لحمها وسائر أجزائها وقد روى محمد بن إسحاق عن عطاء عن جابر قال لما قدم رسول الله مكة أتاه أصحاب الصليب الذين يجمعون الأوداك فقالوا يا رسول الله إنا نجمع هذه الأوداك وهي من الميتة وعكرها وإنما هي للأدم والسفن فقال رسول الله قاتل الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها فنهاهم عن ذلك فأخبر النبي أن تحريم الله تعالى إياها على الإطلاق قد أوجب تحريم بيعها كما أوجب تحريم أكلها واقتضى ظاهر الأية حظره ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

[477]۔قال الله تعالى إنما حرم عليكم الميتة وقوله تعالى حرمت عليكم الميتة لم يقتض تحريم ما ماتت فيه من المائعات وإنما اقتضى تحريم عين الميتة وما جاور الميتة فلا يسمى ميتة فلم ينتظمه لفظ التحريم ولكنه محرم الأكل بسنة النبي وهو ما روى سعيد بن المسيب عن أبي هريرة قال سئل النبي عن الفأرة تقع في السمن فقال إن كان جامدا فألقوها وما حولها وإن كان مائعا فلا تقربوه ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :173

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر کہ ناپاک (نجس) تیل سے فائدہ اٹھانا بغیر کھانے کے اور اس کا فروخت کرنا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے عیب کو بیان کیا جائے تفصیلی بحث کی ہے۔ ائمہ کرام کے اقوال کو ذکر کر کے اس کی حلت کو ترجیح دی ہے۔ ([478])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر ہانڈی میں پرندہ گر کر مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً مع دلائل ذکر کئے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے (کہ اس میں فرق ہے) کو ترجیح دی ہے۔ ([479]) اور ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے کہ میتہ کی دودھ صاف ہے۔ اور میتہ مرغی کا انڈہ کھانا جائز ہے۔

آیت مبارکہ میں خون کے حرمت اور نجاست کے مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور دم مسفوح کے حرمت پر دلائل پیش کئے ہیں۔ اور دم غیر مسفوح کی حلت اور اس پر کئی جزئیات منطبق کئے ہیں۔ تحریم خنزیر کا مسئلہ تفصیلی بیان فرمایا ہے۔ خنزیر کے بالوں سے استفادہ کے متعلق فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل بیان فرمائے ہیں۔ اور بالوں کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کے قول جواز کو ترجیح دی ہے۔ ([480])

---

[478]۔ وقد دل قول النبي في أمره بإلقاء الفأرة وما حولها في الجامد منه على معنيين أحدهما أن ما كان نجسا في نفسه فإنه ينجس بالمجاورة لحكمه فيما جاور الفأرة منه بالنجاسة وإن ما ينجس بالمجاورة لا ينجس ما جاوره إذ لم يحكم بنجاسة السمن المجاور للسمن النجس لأنه لو وجب الحكم بذلك لوجب الحكم بتنجيس سائر سمن الإناء بمجاورة كل جزء منه لغيره فهذا أصل قد ثبت بالسنة وكل ذلك يدل على اختلاف مراتب النجاسة في التغليظ والتخفيف وأنها ليست متساوية المنازل فجاز من أجل ذلك أن يعتبر في بعضها أكثر من قدر الدرهم وفي بعضها الكثير الفاحش على حسب قيام دلالة التخفيف والتغليظ والله أعلم بالصواب ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

[479]۔ ذكر أبو جعفر الطحاوي قال سمعت أبا حازم القاضي يحدث عن سويد بن سعيد عن علي بن مسهرقال كنت عند أبي حنيفة فأتاه ابن المبارك بهيئة خراساني فسأله عن رجل نصب له قدرا فيها لحم على النار فمر طير فوقع فيها فمات فقال أبو حنيفة لأصحابه ماذا ترون فذكروا له أن اللحم يؤكل بعد ما يغسل ويهراق المرق فقال أبو حنيفة بهذا نقول ولكن هو عندنا على شريطة فإن كان وقع فيها في حال سكونها فكما في هذه الرواية وإن وقع فيها في حال غليانها لم يؤكل اللحم ولا المرق فقال له ابن المبارك ولم ذلك فقال لأنه إذا سقط فيها في حال غليانها فمات فقد داخلت الميتة اللحم وإذا وقع في حال سكونها فمات فإن الميتة وسخت اللحم وقد ذكر أبو حنيفةعلة فرقه بين وقوعه في حال الغليان وحال السكون وهو فرق ظاهر ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :173

[480]۔ قال أبو بكر لما كان المنصوص عليه في الكتاب من الخنزير لحمه وكان ذلك تأكيدا لحكم تحريمه على ما بينا جاز أن يقال أن التحريم قد يتناول الشعر وغيره وجائز أن يقال أن التحريم منصرف إلى ما كان فيه الحياة منه مما لم يألم بأخذه منه فأما الشعر فإنه لما لم يكن فيه حياة لم يكن من أجزاء الحي فلم يلحقه حكم التحريم كما بينا في شعر الميتة،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

آیت مبارکہ میں سمندری خنزیر کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور امام ابو حنیفہؒ کے قول حرمت کو ترجیح دے کر بیان فرماتے ہے۔کہ اس میں تفصیل ہے۔(481)

آیت مبارکہ میں، تحریم مااہل لغیر اللہ، کے مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔اور اہل کتاب کے ذبیحہ کے متعلق فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل بیان کئے ہیں۔اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حرام ہے جب اس پر مسیح کا نام لیا جائے۔(482)

آیت مبارکہ میں مضطر کے لئے میتہ کے کھانے کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور امام شافعیؒ کے قول کی تردید بیان فرمائی ہے کہ آیت عام ہے اس میں تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اور استثنیٰ پر پوری بحث بیان فرمائی ہے۔(483)

---

481۔ قال أبو بكر ظاهر قوله ولحم الخنزير موجب لحظر جميع ما يكون منه في البر وفي الماء لشمول الإسم له فإن كان على هذه الخلقة فلا فرق بينهما في إطلاق الاسم عليه من قبل أن كونه في الماء لا يغير حكمه إذا كان في معناه وعلى خلقته إلا أن تقوم الدلالة على خصوصه وإن كان على خلقة أخرى غيرها ومن أجلها يسمى حمار الماء فكأنهم إنما أجروا اسم الخنزير على ما ليس بخنزير ومعلوم أن أحدا لم يخطئهم في التسمية فدل ذلك على أنه خنزير على الحقيقة وأن الاسم يتناوله على الإطلاق وتسميتهم إياه حمار الماء لا يسلبه اسم الخنزير إذ جائز أن يكونوا سموه بذلك ليفرقوا بينه وبين خنزير البر وكذلك كلب الماء وكلب البر سواء لا فرق بينهما إذ كان الاسم يتناول الجميع وإن خالفه في بعض أوصافه والله أعلم، جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:173

482۔ وقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر ومالك والشافعي لا تؤكل ذبائحهم إذا سموا عليها باسم المسيح وظاهر قوله تعالى وما أهل به لغير الله يوجب تحريمها إذا سمي عليها باسم غير الله لأن الإهلال به لغير الله هو إظهار غير اسم الله ولم يفرق في الآية بين تسمية المسيح وبين تسمية غيره بعد أن يكون الإهلال به لغير الله،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:173

483۔ وقوله إلا ما اضطررتم إليه يوجب الإباحة للجميع من المطيعين والعصاة وقوله في الآية الأخرى غير باغ ولا عاد وقوله غير متجانف لإثم لما كان محتملا أن يريد به البغي والعدوان في الأكل واحتمل البغي على الإمام أو غيره لم يجز لنا تخصيص عموم الآية الأخرى بالاحتمال بل الواجب حمله على ما يواطئ معنى العموم من غير تخصيص،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:173

آیت مبارکہ میں مضطر کے لئے شراب کا پینا جائز ہے یا نہیں اس حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل بیان فرمائے ہیں۔دلائل کے بعد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے دلائل کے جوابات تفصیلاًدے کرامام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔(484)

آیت مبارکہ میں مضطر کے لئے کھانے کی مقدار میں فقہاء کرام کے اقوال بیان کئے ہیں۔اور آخر میں امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔(485)

امام قرطبیؒ نے بھی آیت مبارکہ کے ضمن میں وہی مسائل بیان کئے ہیں جو علامہ جصاصؒ نے بیان فرمائے ہیں۔امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کرکے آیت مبارکہ کی مطلب اچھی طرح واضح کی ہے۔اور اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ کتاب اللہ کی تخصیص سنت رسول سے کی جاتی ہے یا نہیں اس میں محدثین کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(486) لفظ خنزیر کی لغوی تحقیق بیان کی ہے اور اس میں ابن سیدہؒ(487) کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

---

484۔قال أبو بكر في قول من قال إنها لا تزيل ضرورة العطش والجوع لا معنى له من وجهين أحدهما أنه معلوم من حالها أنها تمسك الرمق عند الضرورة وتزيل العطش ومن أهل الذمة فيما بلغنا من لا يشرب الماء دهرا إكتفاء بشرب الخمر عنه فقولهم في ذلك غير المعقول المعلوم من حال شاربها والوجه الآخر أنه إن كان كذلك كان الواجب أن نحيل مسئلة السائل عنها ونقول إن الضرورة لا تقع إلى شرب الخمر وأما قول الشافعي في ذهاب العقل فليس من مسئلتنا في شيء لأنه سئل عن القليل الذي لا يذهب العقل إذا اضطر إليه وأما قول مالك أن الضرورة إنما ذكرت في الميتة ولم تذكر في الخمر فإنها في بعضها مذكورة في الميتة وما ذكر معها وفي بعضها مذكورة في سائر المحرمات وهو قوله تعالى وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :173

485۔ قال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر والشافعي فيما رواه عنه المزني لا يأكل المضطر من الميتة إلا مقدار ما يمسك به رمقه وروى ابن وهب عن مالك أنه قال يأكل منها حتى يشبع ويتزود منها فإن وجد عنها غنى طرحها وقال عبدالله بن الحسن العنبري يأكل منها ما يسد به جوعه قال أبو بكر قال الله تعالى إلا ما اضطررتم إليه وقال فمن اضطر غير باغ ولا عاد فعلق الإباحة بوجود الضرورة والضرورة هي خوف الضرر بترك الأكل إما على نفسه أو على عضو من أعضائه فمتى أكل بمقدار ما يزول عنه الخوف من الضرر في الحال فقد زالت الضرورة ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :173

486۔ وقد اختلف الناس في تخصيص كتاب الله تعالى بالسنة،ومع اختلافهم في ذلك اتفقوا على أنه لا يجوز تخصيصه بحديث ضعيف،قاله ابن العربي.وقد يستدل على تخصيص هذه الآية أيضا بما في صحيح مسلم من حديث عبدالله بن أبي أوفى قال غزونا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات كنا نأكل الجراد معه. وظاهره أكله كيف ما مات بعلاج أو حتف أنفه ،وبهذا قال ابن نافع وابن عبدالحكم وأكثر العلماء ،وهو مذهب الشافعي وأبي حنيفة وغيرهما.ومنع مالك وجمهور أصحابه من أكله إن مات حتف أنفه ،لأنه من صيد البر،ألا ترى أن المحرم يجزئه إذا قتله،فأشبه الغزال.قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

487۔ علی بن اسماعیل،ابوالحسن،لغت وادب کے امام تھے۔مرسیہ[شرق اندلس]میں 397ھ/1007ء میں پیدا ہوئے۔دانیہ منتقل ہوئے اور وہاں 458ھ/1066ء کو وفات پائی۔آپ اور آپ کے والد دونوں آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔ حموی، وفیات الاعیان،ج3،ص331۔الزرکلی،الاعلام،ج4،ص263

(488)امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ سے حرام اشیاءپر تداوی کا مسئلہ تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔(489)امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ عادی کے لئے سفر معصیت میں میتہ کا کھانا حلال ہے اور اس کے لئے قصر اور فطر ناجائز ہے۔اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور فریق آخر کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل بیان فرمائے جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن علامہ آلوسیؒ نے ان دونوں مفسرین کی بہ نسبت آیت مبارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

آیت 174۔175۔176۔علامہ جصاصؒ نے ان آیتوں کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے ان آیتوں کی تفسیر میں اختصار سے کام لیا ہے۔آیت مباکہ میں یہود کے لئے وعید ہے۔جب وہ صفت محمد ﷺ کو چھپاتے تھے۔او اس کتمان پر کچھ عوض لیتے تھے۔امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے تمام کاتمین حق کو شامل ہے۔(490)بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

---

488۔ ذهب أكثر اللغويين إلى أن لفظة الخنزير رباعية.وحكى ابن سيده عن بعضهم أنه مشتق من خزر العين،لأنه كذلك ينظر،واللفظة على هذا ثلاثية. وفي الصحاح:وتخازر الرجل إذا ضيق جفنه ليحدد النظر. والخزر:ضيق العين وصغرها.رجل أخزر بين الخزر.ويقال:هو أن يكون الإنسان كأنه ينظر بمؤخرها. وجمع الخنزير خنازير،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

489 ۔ وأما التداوي بها فلا يخلو أن يحتاج إلى استعمالها قائمة العين أو محرقة،فإن تغيرت بالإحراق فقال ابن حبيب:يجوز التداوي بها والصلاة. وخففه ابن الماجشون بناء على أن الحرق تطهير لتغير الصفات.وفي العتبية من رواية مالك في المرتك يصنع من عظام الميتة إذا وضعه في جرحه لا يصلي به حتى يغسله. وإن كانت الميتة قائمة بعينها فقد قال سحنون:لا يتداوى بها بحال ولا بالخنزير،لأن منها عوضا حلالا بخلاف المجاعة. ولو وجد منها عوض في المجاعة لم تؤكل.وكذلك الخمر لا يتداوى بها،قاله مالك،وهو ظاهر مذهب الشافعي،وهو اختيار ابن أبي هريرة من أصحابه.وقال أبو حنيفة:يجوز شربها للتداوي دون العطش،وهو اختيار القاضي الطبري من أصحاب الشافعي،وهو قول الثوري. وقال بعض البغداديين من الشافعية:يجوز شربها للعطش دون التداوي،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:173

490۔قلت:وهذه الآية وإن كانت في الأخبار فإنها تتناول من المسلمين من كتم الحق مختارا لذلك بسبب دنيا يصيبها،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:174

فمااصبرھم، میں لفظ،ما، میں مختلف نحات کے اقوال تفصیلاًذکر کئے ہیں۔([491]) علامہ آلوسیؒ نے بھی آیتوں کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیاہے۔اورامام قرطبیؒ کی طرح بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کرکے آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔ اوراحکام کے حوالے سے دونوں مفسرین نے کچھ بھی بیان نہیں کیاہے۔

آیت 177۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کا شان نزول بیان فرمایاہے۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب کرکے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔آیت مبارکہ میں نفلی اور فرضی صدقات کے حوالے سے فقہاء کے اقوال تفصیلاً بیان کئے ہیں۔مختلف آحادیث میں تطبیق کرکے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ فرضی زکوۃ سے نفلی صدقات منسوخ نہیں ہوئے ہے۔([492])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں شان نزول بیان کیاہے۔بعض کلمات کی نحوی تحقیق کی ہےاور استدلال عربی اشعار سے کیاہے۔جس سے قاری پر آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح ہو جاتی ہے۔بعض کلمات میں قراءت کی بھی وضاحت بیان فرمائی ہے۔آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ یہ آیت امہات الاحکام پر مشتمل ہے۔([493])

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں ابرار اور صدیقین کی تعریف میں صوفیاء کو اشارہ کی طرف اشارہ بیان فرمایا ہے۔

---

491۔ أن،ما،معناه التعجب وهو مردود إلى المخلوقين ،أنه قال:اعجبوا من صبرهم على النار ومكثهم فيها.وبهذا المعنى صدر أبو علي. قال الحسن وقتادة وابن جبير والربيع :ما لهم والله عليها من صبر،ولكن ما أجرأهم على النار.قال الفراء أخبرني الكسائي قال:أخبرني قاضي اليمن أن خصمين اختصما إليه فوجبت اليمين على أحدهما فحلف ، فقال له صاحبه:ما أصبرك على الله ؟ أي ما أجرأك عليه. والمعنى:ما أشجعهم على النار إذ يعملون عملا يؤدي إليها. وحكى الزجاج أن المعنى ما أبقاهم على النار،من قولهم : ما أصبر فلانا على الحبس أي ما أبقاه فيه. وقيل:المعنى فما أقل جزعهم من النار،فجعل قلة الجزع صبرا وقال الكسائي وقطرب:أي ما أدومهم على عمل أهل النار. وقيل:ما،استفهام معناه التوبيخ ،ومعناه:أي أكثر شيء صبرهم على عمل أهل النار وقيل:هذا على وجه الاستهانة بهم والاستخفاف بأمرهم،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:175

492 ۔وأما ما ذكرنا من الحقوق التي تلزم من نحو الإنفاق على ذوي الأرحام عند العجز عن التكسب وما يلزم من إطعام المضطر فإن هذه فروض لازمة ثابتة غير منسوخة بالزكاة وصدقة الفطر واجبة عند سائر الفقهاء ولم تنسخ بالزكاة مع أن وجوبها ابتداء من قبل الله تعالى غير متعلق بسبب من قبل العبد فهذا يدل على أن الزكاة لم تنسخ صدقة الفطر،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:177

493۔قال علماؤنا:هذه آية عظيمة من أمهات الأحكام ، لأنها تضمنت ست عشرة قاعدة :الإيمان بالله وبأسمائه وصفاته والنشر والحشر والميزان والصراط والحوض والشفاعة والجنة والنار والملائكة والكتب المنزلة وأنها حق من عند الله كما تقدم والنبيين وإنفاق المال فيما يعن من الواجب والمندوب وإيصال القرابة وترك قطعهم وتفقد اليتيم وعدم إهماله والمساكين كذلك،ومراعاة ابن السبيل قيل المنقطع به،وقيل:الضيف والسؤال وفك الرقاب والمحافظة على الصلاة وإيتاء الزكاة والوفاء بالعهود والصبر في الشدائد،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :177

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جو امام قرطبیؒ اور علامہ جصاصؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آیت مبارکہ کی تفسیر میں مسئلہ عصمۃ الانبیاء اور مسئلہ ختم نبوت مختصر بیان فرمایا ہے۔ صلہ رحمی کے فضائل بھی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ذکر کئے ہیں۔ آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت پندرہ صفات پر مشتمل ہے اور یہ صفات تین اقسام میں تقسیم ہے۔ پہلے پانچ صفات کمالات انسانیہ کے متعلق ہے جو صحت عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے بعد چھ صفات کمالات نفسیہ کے متعلق ہے جو بندوں کے حسن معاشرت کے قبیل سے ہیں۔ اور آخری چار کا تعلق کمالات انسانیہ سے متعلق ہے جس کا تعلق تہذیب نفس سے ہے۔ آیت مبارکہ میں تفسیر اشاری خوب واضح کی ہے۔ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔ میں اپنے عمر پر قسم کھاتا ہوں جو بھی اس آیت پر عمل کرے گا تو اس کا ایمان مکمل ہو جائے گا اور یقین کے آخری مرتبہ کو پالے گا۔

آیت 178۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں قصاص کی لغوی وضاحت بیان فرمائی ہے۔ آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ آیت مقتولین کے بارے میں عام ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، عبد ہو یا حر کافر ہو یا ذمی ہو۔ البتہ قاتلین میں تخصیص ہے۔ ([494]) اور آیت مبارکہ میں تخصیص کے قائلین کو عمدہ جواب دیا ہے۔ آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ شرائع من قبلنا ہمارے لئے واجب العمل ہے جب تک کہ قرآن یا حدیث اس کے نسخ کے بارے میں حکم نہ دے۔ ([495]) آیت مبارکہ میں عبد کے مقابلے میں آزاد کا قتل کرنا اس مسئلہ کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ آزاد کو عبد کے مقابلے میں قصاص کیا جائے گا۔ لیکن عبد کے جروح (زخموں) کے مقابلے میں مساوی قصاص نہیں ہے۔ ([496])

---

[494]_فانتظمت الآية إيجاب القصاص على المؤمنين إذا قتلوا لمن قتلوا من سائر المقتولين لعموم لفظ المقتولين والخصوص إنما هو في القاتلين لأنه لا يكون القصاص مكتوبا عليهم إلا وهم قاتلون فاقتضى وجوب القصاص على كل قاتل عمدا بحديدة إلا ما خصه الدليل سواء كان المقتول عبدا أو ذميا ذكرا أو أنثى لشمول لفظ القتلى للجميع وهذه الآية تدل على قتل الحر بالعبد والمسلم بالذمي والرجل بالمرأة لما بينا من اقتضاء أول الخطاب إيجاب عموم القصاص في سائر القتلى وأن تخصصه الحر بالحر ومن ذكر معه لا يوجب الإقتصار بحكم القصاص عليه دون اعتبار عموم ابتداء الخطاب في إيجاب القصاص ،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:178

[495]_وقد احتج أبو يوسف بذلك في قتل الحر بالعبد وهذا يدل على أن مذهبه أن شريعة من كان قبلنا من الأنبياء ثابتة علينا مالم يثبت نسخها على لسان الرسول ص - ولا نجد في القرآن ولا في السنة ما يوجب نسخ ذلك فوجب أن يكون حكمه ثابتا علينا على حسب ما اقتضاه ظاهر لفظه من إيحاب القصاص في سائر الأنفس،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:178

[496]_ قال أبو بكر وقد اختلف الفقهاء في القصاص بين الأحرار والعبيد فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر رضي الله عنهم لا قصاص بين الأحرار والعبيد إلا في الأنفس، فثبت بذلك أن لا اعتبار بالمساواة

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے کہ مولیٰ پر اپنے غلام کے قتل کے بدلے قصاص نہیں ہے۔اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر بھی تفصیلی بحث کی ہے کہ مرد و عورت کے درمیان قصاص کا کیا حکم ہے ۔فقہاء کے اقوال مع دلائل ذکر کرنے بعد اس بات کو ترجیح دی ہے کہ آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے دونوں میں قصاص جائز ہے اور دیت کا مسئلہ درست نہیں ہے۔([497])

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے کہ مومن سے کافر کے قتل کے بدلے قصاص لیا جائے گا یا نہیں۔آیت کے ظاہر اور عموم سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ مومن سے کافر کے قتل کے بدلے قصاص لیا جائے گا۔اور فریق آخر کے دلائل سے تفصیلی جوابات دیئے ہیں۔([498])

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر کہ ،والد سے اپنے بیٹے کے قتل کے عوض قصاص لیا جائے گا یا نہیں، تفصیلی بحث کی ہے۔اور دلائل کی روشنی میں اس بات کو ترجیح دی ہے۔کہ والد سے بیٹے کے قتل کے عوض قصاص نہیں لیا جائے گا۔([499])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیاہے۔کہ اگر کسی شخص واحد کے قتل میں کئی افراد شریک ہو تو کیا ان سب سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں۔اس میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور اس پر مختلف جزئیات منطبق کئے ہیں۔آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر

---

في إيجاب القصاص في الأنفس وأن الكامل يقاد منه للناقص وليس ذلك حكم ما دون النفس لأنهم لا يختلفون في أنه لا تؤخذ اليد الصحيحة بالشلاء،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :178

497۔ومما يدل على قتل الرجل بها من غير بدل مال ما قدمنا من سقوط اعتبار المساواة بين الصحيحة والسقيمة وقتل العاقل بالمجنون والرجل بالصبي وهذا يدل على سقوط اعتبار المساواة في النفوس وأما ما دون النفس فإن اعتبار المساواة واجب فيه والدليل عليه اتفاق الجميع على امتناع أخذ اليد الصحيحة بالشلاء وكذلك لم يوجب أصحابنا القصاص بين الرجال والنساء فيما دون النفس وكذلك بين العبيد والأحرار لأن ما دون النفس من أعضائها غير متساوية ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :178

498۔قال أبو بكر سائر ما قدمنا من ظواهر الآي يوجب قتل المسلم بالذمي على ما بينا إذ لم يفرق شيء منها بين المسلم والذمي وقوله تعالى كتب عليكم القصاص في القتلى عام في الكل وكذلك قوله تعالى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:178

499۔ومن الفقهاء من يجعل مال الإبن لأبيه في الحقيقة كما يجعل مال العبد ومتى أخذ منه لم يحكم برده عليه فلو لم يكن في سقوط القود به إلا اختلاف الفقهاء في حكم ماله على ما وصفنا لكان كافيا في كونه شبهة في سقوط القود به وجميع ما ذكرنا من هذه الدلائل يخص آي القصاص ويدل على أن الوالد غير مراد بها والله أعلم ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :178

تفصیلی بحث کی ہے۔کہ کیا ولی کو اختیار ہے قصاص اور دیت لینے میں یا نہیں۔اس پر فقہاء کے اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔اور فریق آخر کے دلائل سے جوابات دیئے ہیں۔([500])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں جو علامہ جصاصؒ نے ذکر کئے ہیں۔مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ امام قرطبیؒ نے آیت کا شان نزول بیان فرمایا ہے۔آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ قصاص صرف حکومت وقت (سلطان) لے گا۔ہر کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔([501])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اس میں نوع کا حکم ہے مطلب یہ کہ آزاد کا حکم ہے جب آزاد کو قتل کرے۔غلام کا حکم ہے جب غلام کو قتل کرے۔آیت اس میں محکم ہے اور اس میں اجمال ہے اور اس کی تفصیل سورۃ المائدہ میں ہے۔اور یہ سورۃ المائدہ سے منسوخ ہے۔([502])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ والد سے اپنے بیٹے کے قتل کے بدلے قصاص لیا جائے گا یا نہیں تو اس میں امام مالکؒ کے دو اقوال ہیں۔ایک قول قصاص لیا جائے گا اور دوسرے میں ہے کہ نہ لیا جائے گا۔([503])

---

500۔ وقد اختلف الفقهاء في موجب القتل العمد فقال أبو حنيفة وأصحابه ومالك بن أنس والثوري وابن شبرمة والحسن بن صالح ليس للولي إلا القصاص ولا يأخذ الدية إلا برضى القاتل وقال الأوزاعي والليث والشافعي الولي بالخيار بين أخذ القصاص والدية وإن لم يرض القاتل وقال الشافعي فإن عفا المفلس عن القصاص جاز ولم يكن لأهل الوصايا والدين منعه لأن المال لا يملك بالعمد إلا بمشيئة المجني عليه إذا كان حيا أو بمشيئة الورثة إذا كان ميتا قال أبو بكر ما تقدم ذكره من ظواهر آي القرآن بما تضمنه من بيان المراد من غير اشتراك في اللفظ يوجب القصاص دون المال وغير جائز إيجاب المال على وجه التخيير إلا بمثل ما يجوز به نسخه لأن الزيادة في نص القرآن توجب نسخه،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:178

501۔ لا خلاف أن القصاص في القتل لا يقيمه إلا أولو الأمر،فرض عليهم النهوض بالقصاص وإقامة الحدود وغير ذلك،لأن الله سبحانه خاطب جميع المؤمنين بالقصاص ثم لا يتهيأ للمؤمنين جميعا أن يجتمعوا على القصاص،فأقاموا السلطان مقام أنفسهم في إقامة القصاص وغيره من الحدود،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورۃالبقرۃ :178

502۔قوله تعالى{الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنْثَى بِالأُنْثَى}اختلف في تأويلها ،فقالت طائفة:جاءت الآية مبينة لحكم النوع إذا قتل نوعه،فبينت حكم الحر إذا قتل حرا،والعبد إذا قتل عبدا،والأنثى إذا قتلت أنثى،ولم تتعرض لأحد النوعين إذا قتل الآخر،فالآية محكمة وفيها إجمال يبينه قوله تعالى:{وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ}وبينه النبي صلى الله عليه وسلم بسنته لما قتل اليهودي بالمرأة،قاله مجاهد.وروي عن ابن عباس أيضا أنها منسوخة بآية،المائدة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:178

503۔ قلت:لا خلاف في مذهب مالك أنه إذا قتل الرجل ابنه متعمدا مثل أن يضجعه ويذبحه أو يصبره مما لا عذر له فيه ولا شبهة في ادعاء الخطأ،أنه يقتل به قولا واحدا.فأما إن رماه بالسلاح أدبا أو حنقا فقتله،ففيه في المذهب قولان:يقتل به،ولا يقتل به وتغلظ الدية ، وبه قال جماعة العلماء،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:178

آیت مبارکہ میں بعض قراءت کی وضاحت بیان کرکے مختلف احکام کی طرف اشارہ کیاہے۔ بعض کلمات کی نحوی ترکیب کرکے آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ کے ضمن میں وہی مسائل بیان کئے ہیں جو امام قرطبیؒ اور علامہ جصاصؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر علامہ آلوسیؒ کی تفسیری عبارت میں قدرے پیچیدگی ہے۔ جس سے جزئیات کا استخراج مشکل ہے۔

آیت 179۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں اختصار سے کام لیا۔ قرآن کریم کی اعجازی پہلوؤں کو خوب واضح کیا ہے۔ آیت مبارکہ میں کیفیت قصاص پر فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔ ([504])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں اختصار اختیار کیاہے۔ اور یہ مسئلہ ذکر کیاہے کہ اگر سلطان یا خلیفہ کسی کو قتل کرے تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ ([505]) اور یہ مسئلہ بھی بیان فرمایاہے کہ عام آدمی ایک دوسرے سے قصاص نہیں لے گا اس سے بگاڑ پیدا ہوتاہے۔ آیت مبارکہ میں بعض قراءت کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت کی تفسیر میں اختصار سے کام لیاہے۔ البتہ آیت مبارکہ میں قرآن کریم کی بلاغی پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور آیت مبارکہ کا عربی محاورات سے موازنہ کے قرآن کے اعجاز کو خوب واضح کیاہے۔

آیت 180۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں مقدار مال کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔ ([506])

---

504۔ واختلف الفقهاء في كيفية القصاص فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر على أي وجه قتله لم يقتل إلا بالسيف وقال ابن القاسم عن مالك إن قتله بعصا أو بحجر أو بالنار أو بالتغريق قتله بمثله قال أبو بكر لما كان في مفهوم قوله كتب عليكم القصاص في القتلى وقوله الجروح قصاص استيفاء المثل من غير زيادة عليه كان محظورا على الولي استيفاء زيادة على فعل الجاني ومتى استوفى على مذهب من ذكرنا في التحريق والتغريق والرضخ بالحجارة والحبس أدى ذلك إلى أن يفعل به أكثر مما فعل لأنه إذا لم يمت بمثل ذلك الفعل قتله بالسيف، جصاص، احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:178

505۔ وأجمع العلماء على أن على السلطان أن يقتص من نفسه إن تعدى على أحد من رعيته،إذ هو واحد منهم،وإنما له مزية النظر لهم كالوصي والوكيل ، وذلك لا يمنع القصاص،وليس بينهم وبين العامة فرق في أحكام الله عز وجل لقوله جل ذكره:{كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى}،وثبت عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أنه قال لرجل شكا إليه أن عاملا قطع يده:لئن كنت صادقا لأقيدنك منه، قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ:179

506۔ واختلفوا في المقدار المراد بالمال الذي أوجب الله الوصية فيه حين كانت الوصية فرضا۔۔ وروي عن علي كرم الله وجهه أنه دخل على مولى له في مرضه وله سبعمائة درهم أو ستمائة درهم فقال ألا أوصي قال لا إنما قال الله تعالى إن ترك خيرا وليس لك كثير مال وروي عن علي أنه قال أربعة آلاف درهم وما دونها نفقة وقال ابن عباس لا وصية في ثمان مائة درهم وقالت عائشة رضي الله عنها في امرأة أرادت الوصية فمنعها أهلها وقالوا لها ولد ومالها يسير فقالت كم ولدها قالوا أربعة قالت فكم مالها قالوا ثلاثة آلاف فكأنها عذرتهم وقالت ما في هذا المال فضل، جصاص، احکام القرآن، سورۃ البقرۃ :180

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ آیا وصیت واجب ہے یا نہیں۔اس میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ والدین کے لئے حکم وصیت منسوخ ہے یا نہیں۔اور کیا آیت منسوخ ہے آیۃ المواریث سے یا محکم ہے۔اس مسئلہ پر فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً بیان کئے ہیں۔([507])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ والدین اقرباسے ہے یا نہیں۔([508])آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ اگر کسی شخص پر قرض ہو اور وہ اس کی ادائیگی کی وصیت اپنے وارثوں کو نہ کرے۔تو اس پر گرفت ہے اور یہ میت گناہ گار ہے۔([509])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب کرکے آیت مبارکہ کی خوب وضاحت کی ہے۔

آیت مبارکہ میں وصیت کے وجوب اور عدم وجوب پر تفصیلی بحث کی ہے۔اور آخر میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وصیت واجب نہیں ہے۔([510])

[507]۔ ثم اختلف القائلون بنسخها فيما نسخت به وقد روينا عن ابن عباس وعكرمة أن آية المواريث نسختها وذكر ابن عباس قوله تعالى للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون وقال آخرون نسخها ما ثبت عن رسول الله لا وصية لوارث رواه شهر بن حوشب عنه قال لا وصية لوارث وروى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي قال لا يجوز لوارث وصية و عن شرحبيل بن مسلم قال سمعت أبا أمامة يقول سمعت رسول الله يقول في خطبته عام حجة الوداع ألا إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث،

جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:180

[508]۔ قال أبو بكر استدل محمد بن الحسن رحمه الله على أن الوالدين ليسوا من الأقرباء بقوله تعالى الوصية للوالدين والأقربين ولأنهم لا يدلون بغيرهم ورحمه بأنفسهم وسائر الأرحام سواهما إنما يدلون بغيرهم فالأقربون من يقرب إليه بغيره وقال إن ولد الصلب ليسوا من الأقربين أيضا لأنه بنفسه يدلي برحمه لا بواسطة بينه وبين والده ولأنه إذا لم يكن الوالدان من الأقربين والولد أقرب إلى والده من الوالد إلى ولده فهو أحرى أن لا يكون من الأقربين ولذلك قال فيمن أوصى لأقرباء بني فلان أنه لا يدخل فيها ولده ولا والده ويدخل فيها ولد الولد والجد والأخوة ومن جرى مجراهم لأن كلا منهم يدلي إليه بواسطة غير مدل بنفسه وفي معنى الأقرباء خلاف والله أعلم ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:180

[509]۔وفيه الدلالة على أن من كان عليه زكاة ماله فمات ولم يوص به أنه قد صار مفرطا مانعا مستحقا لحكم مانعي الزكاة لأنها لو كانت قد تحولت في المال حسب تحول الديون لكان بمنزلة من أوصى بها عند الموت فينجو من مأثمها ويكون حينئذ المبدل لها مستحقا لمأثمها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:180

[510]۔ ومن لا حق عليه ولا أمانة قبله فليس واجب عليه أن يوصي--- فإن قيل : فقد قال الله تعالى:كُتِبَ عَلَيْكُمْ} وكتب فرض،فدل على وجوب الوصية قيل لهم :قد تقدم الجواب عنه في الآية قبل،والمعنى:إذا أردتم الوصية،وقال النخعي :مات رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يوص،وقد أوصى أبو بكر،فإن أوصى فحسن،وإن لم يوص فلا شيء عليه،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :180

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان کیاہے کہ اگر کوئی شخص ثلث مال سے زیادہ پر وصیت کرے تو اس کیا حکم ہے۔اور کیا مریض پر حالت مرض میں مال کے حوالے سے وصیت کرنے میں پابندی ہے یا نہیں۔([511])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ موصی کو اختیار ہے وصیت کے بدلنے کااور اس سے رجوع کرنے کا۔([512])اور اس پر چند فقہی جزئیات منطبق کئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے ذکر کئے ہیں۔

آیت 181۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب کرکے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔اور آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ اولاد کو والدین کے گناہوں پر عذاب نہیں دیاجائے گا۔([513])

اور اسی طرح یہ مسئلہ بھی مستنبط کیاہے کی اگر میت نے اپنے وارثوں کو قرض کی ادائیگی کی وصیت کی اور انہوں نے ادا نہیں کیا تو عنداللہ میت کاذمہ فارغ ہےاور ورثہ گناہ گار ہیں۔([514])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے کہ اگر وصیت ظلم اور جور پر مبنی ہو تو اس میں حق کی طرف تبدیلی واجب ہے۔اور اگر عدل اور صحت پر مبنی ہو تو پھر اس میں تبدیلی گناہ ہے۔([515])

---

[511]۔ ذهب الجمهور من العلماء إلى أن المريض يحجر عليه في ماله،وشذ أهل الظاهر فقالوا:لا يحجر عليه وهو كالصحيح،والحديث والمعنى يرد عليهم.قال سعد:عادني رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع من وجع أشفيت منه على الموت فقلت يا رسول الله،بلغ بي ما ترى من الوجع،وأنا ذو مال ولا يرثني إلا بنت واحدة،أفأتصدق بثلثي مالي؟قال:لا،قلت:أفأتصدق بشطره ؟قال :لا،الثلث والثلث كثير إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :180

[512]۔ وأجمعوا أن للإنسان أن يغير وصيته ويرجع فيما شاء منها، قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:180

[513]۔وفيه دلالة على بطلان قول من أجاز تعذيب الأطفال بذنوب آبائهم وهو نظير قوله ولا تكسب كل نفس إلا عليها ولا تزر وازرة وزر أخرى،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :181

[514]۔ وقد دلت الآية أيضا على أن من كان عليه دين فأوصى بقضائه أنه قد برئ من تبعته في الآخرة وإن ترك الورثة قضاءه بعد موته لا يلحقه تبعة ولا إثم وإن إثمه على من بدله دون من أوصى به،جصاص، احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:181

[515]۔ وقوله تعالى فمن بدله بعد ما سمعه فإنما إثمه على الذين يبدلونه إنما هو فيمن بدل ذلك إذا وقع على وجه الصحة والجواز والعدل فأما إذا كانت الوصية جورا فالواجب تبديلها وردها إلى العدل قال الله تعالى غير مضار وصية من الله فإنما تنفذ الوصية إذا وقعت عادلة غير جائرة وقد بين الله تعالى ذلك في الآية التي تليها ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:181

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ وہی مسائل قدرے تفصیل اور مغلق عبارات کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ جو علامہ جصاصؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تبدیل وصیت اور کتمان وصیت پر آحادیث کی روشنی میں وعید کا تذکرہ بیان فرمایا ہے۔

# باب چہارم

## سورۃ البقرۃ آیت 182تا195کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

# فصل اول

## سورۃ البقرۃ آیت 182 تا 185 کا اُردو ترجمہ، تخریج اور تحقیق

فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 182 يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ 183 أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ
فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ
فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ 184 شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ
أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ 185

ترجمہ۔اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے 182۔ مومنوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو 183۔(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورہ کرلے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزوں کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے 184۔(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا راہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورہ کرلے۔اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا) کہ تم روزوں کا شمار پورہ کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو 185۔

(فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا) جنیف مصدر جنف سے۔جیساکہ فرح مطلق میل اور جور کے معنی پر ہے۔اور یہاں پر اس سے مراد میل فی الوصیت ہے بغیر قصد قرینہ کے جو اثم کے مقابلے میں ہے۔کیونکہ وہ قصد کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکا معنی خوف، توقع اور علم ہے۔اور اس سے یہ قول منقول ہے۔

إذا مت فادفني إلى جنب كرمة ... تروي عظامي بعد موتي عروقها
ولا تدفنني بالفلاة فإنني ... أخاف إذا ما مت أن لا أذوقها۔(516)

516 ۔یہ دونوں اشعار ابی محجن الثقفی کی ہے۔ابن قتیبہ، الشعر والشعرآء۔ج 1 ،ص 424

ترجمہ: جب میں مرنے لگوں تو مجھے انگور کے بیل کے جنت میں دفن کرو۔ میری ہڈی تروتازہ ہو جائے گی میرے رگوں کے مردہ ہونے کے بعد۔اور مجھے صحرا وبیابان میں دفن نہ کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں مرجاؤں تو میں نہیں چکھوں گا۔

اوراس کا تحقیق یہ ہے کہ خوف ایک ایسی حالت ہے جو عارض ہوتا ہو متوقع شر کی ملالیت سے تواسی مناسبت کی وجہ سے یہ خوف توقع میں مستعمل ہوتا ہے اور بعض اوقات اس خوف کا واقع ہونا ظنی ہوتا اور بعض اوقات یقینی تواس دونوں میں مستعمل ہوا دوسرے مرتبہ کے ساتھ۔اوراول معنی (متوقع شر) اکثری ہے اس لئے اس کا استعمال اس میں اظہر ہے۔اصل اس لفظ (خوف) کہ یہ ظن اور علم بالمحذور (جس چیز سے ڈر لگتا ہو) میں مستعمل ہوتا ہے۔اور یقینااس کا اپنے مطلق پر حمل ہونے میں وسعت ہے اور یہ مجاز پر محمول ہے یہاں اسلئے خوف کا کوئی معنی نہیں ہے مطلق اثم یعنی گناہ سے وصیت کے واقع ہونے کے بعد۔ حفصؒ اور یعقوبؒ کے علاوہ اہل کوفہ نے (مِن مُّوصٍ) نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے([517])۔اور باقی قرآء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ (فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ) والدین اور اقربین میں سے ان کیلئے وصیت کرنے والوں کے درمیان ان کا جاری ہونا شریعت کے طریقہ پر اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فعل ہے جو موصی اور موصی لہ کیلئے اس میں اصلاح ہو۔اوراس طور پر کہ وہ حکم دے عدول وانصاف اور زیادتی سے رجوع کا اور یہ رجوع زیادتی سے مالداروں کیلئے ہے۔اور موصی کے لئے ہے۔اسی صلح کاارادہ نہ کرے جو شقاوت قطع تعلقی پر مرتب ہو اس لئے کہ موصی اور موصی لہ کے درمیان شقاق اور عداوت واقع نہیں کرتا۔(فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ) اس تبدیلی میں اس لئے کہ یہ تبدیلی باطل سے حق کی طرف ہے برخلاف آیت سابقہ کے،اور استدلال کیا ہے آیت سے اس طور پر کہ اگر وصی نے ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت کی ہوگی۔ تو تمام وصیت باطل نہیں ہوگا۔اور اس سے زیادہ کو باطل کرتا ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام وصیت کو ظلم سے باطل نہیں کرتا بلکہ اللہ اس میں بہترین وجہ دیکھتا ہے۔(إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ) اس میں نرمی دلائی ہے وعدہ کیلئے ثواب کے ساتھ ساتھ اصلاح کرنے والے کیلئے۔ اور مغفرت کا ذکر کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ اصلاح طاعات سے حاصل ہوتی ہے۔اور یہ تب حاصل ہوتی ہے وہ کام ترک کیا جائے جس کا کرنا گناہ ہے کیونکہ گناہ کا ذکر مقدم کیا جس کے ساتھ مغفرت تعلق رکھتا ہے اسی وجہ سے اس کا ذکر کرنا اچھا لگتا ہے اور اس کا فائدہ اس بات پر تنبیہ ہے جو اس سے اعلی ہو یعنی کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والوں کے لئے غفور ہے تو جو آپ کی اطاعت کرتے ہے ان کے لئے تو رحیم ہونا بطریق اولی ہے اور یہ احتمال بھی ہے اس کا ذکر کرنا مصلح کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے جس سے اصلاح کرتے وقت کچھ زیادتی ہو جائے کیونکہ اصلاح کرتے وقت اقوال کاذبہ اور افعال کاذبہ کے بیان کو محتاج ہوتا ہے جس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غفور ہے موصٰی کے لئے جس سے موصِی کی وصیت درست کرتے وقت کوئی غلطی ہو جائے۔اور یا غفور ہے موصی کے لئے جب اس سے کوئی عمل یا قول غلطی سے سرزد ہو جائے جب وہ حق کی طرف رجوع کرے اور یا مصلح کے لئے غفور ہے اس کی اصلاح کے لئے کہ اس کا اصلاح اس کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور یہ تمام معانی بعید ہیں۔

---

[517] ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص79 ۔ابن جزری، النشر فی القراءات العشر ،ج2 ،ص226

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ)احکام شرعیہ سے دوسرے حکم شرعی کا بیان ہے۔اور تکرار نداء عہد کے بعد اظہار اعتناء کے لئے ہے۔اور ،الصیام ،الصوم کی طرح مصدر ہے ،صام سے۔جو لغت میں روکنے کے معنی پر آتا ہے۔اور اسی سے خاموشی کو بھی صوم کہتے ہے کیونکہ اس میں کلام سے امساک ہوتا ہے۔ابن دریدؒ ([518]) فرماتے ہے۔ہر ایک چیز جو اپنے حرکت کو ختم کرے تو اس نے روزہ رکھا۔اور اسی سے نابغہؒ ([519]) کا یہ قول،

خيل صيام و خيل غيرصائمة تحت العجاج و اخرىٰ تعلک اللجما، ([520])

ترجمہ۔کچھ گھوڑے اپنے چاروں پاؤں پر کھڑے ہیں اور کچھ ایک پاؤں سے گرد و غبار کے نیچے اپنے لگاموں کو چھپاتے ہیں۔ ہوا رک گئی اور شمس ساکن ہوا جب وہ نصف نہار کو برابر کھڑا ہو جائے۔اور اصطلاح میں ،اشیاء مخصوصہ سے زمان مخصوصہ میں بوجہ مخصوصہ صفات مخصوصہ سے منع ہونا ہے۔(كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ)انبیاء کرام اور امم سابقہ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک جیسا کہ موصول کی عموم سے ظاہر ہوتا ہے۔ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔حسنؒ، شعبیؒ اور سدیؒ سے روایت ہے کہ اس سے نصاریٰ مراد ہے۔اور اس میں حکم کی تاکید ترغیب اور مخاطبین کے لئے خوشحالی ہے کیونکہ امور شاقہ جب عام ہو جائے تو آسان ہو جاتا ہے۔اور مماثلت سے مراد یا تو اصل وجوب میں مماثلت ہے جیسا کہ ابو مسلمؒ اور جبائیؒ کی رائے ہے۔اور یا وقت اور مقدار میں مماثلت مراد ہے اس بناء پر کہ اہل کتاب پر رمضان کے روزے فرض تھے۔تو یہود نے اسے ترک کرکے سال میں صرف ایک دن روزہ رکھتے تھے اس گمان پر کہ اس دن فرعون غرق ہوا تھا۔تو اس میں نصاریٰ نے احتیاط کے بناء پر آگے پیچھے ایک ایک دن زیادہ کئے یہاں تک کہ پچاس دن تک پہنچ گئے۔تو گرمی کی موسم میں اس پر روزے مشکل ہو گئے۔تو انہوں اس رمضان کو موسم بہار کو منتقل کیا۔ابن حنظلہؒ، نحاسؒ ([521]) اور طبرانیؒ نے مغفل

---

[518]۔ابو بکر محمد بن الحسین بن درید الازدی بصرہ میں 321ھ/838ء میں پیدا ہوئے۔لغت وادب کے بڑے ماہر تھے۔پھر عمان منتقل ہوئے بارہ سال تک وہاں مقیم رہے۔آپ کے قابلیت کے بارے میں لوگ فرماتے تھے کہ ابن درید شعراء میں سب سے زیادہ ماہر اور علماء میں سب سے زیادہ قابل تھے۔آخری عمر میں بغداد منتقل ہوئے اور وہاں پر 321ھ/933ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص80

[519]۔ابو لیلی قیس بن عبد اللہ بن عمرو بن عدس الجعدی ، طویل عمر پائی ہے۔جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا ہے۔نبی کریم ﷺ کو بھی شعر پیش کئے۔جاہلیت میں شاعری کرتا تھا پھر تیس سال تک کچھ شعر نہیں کہے۔پھر اچانک پھوٹ پڑے اسی وجہ سے نابغہ کہلاتے ہے۔ 50ھ/650ء کو وفات پائی۔ابن الاثیر ،اسد الغابۃ،ج5،ص304

[520] ۔الذبیانی،دیوان النابغۃ،ص130۔الازہری،تہذیب اللغۃ،ج1 ،ص313

[521] ۔ احمد بن محمد بن اسماعیل،المرادی، المصری،ابوجعفر النحاس۔قرآن مجید کے مفسر اور ادیب تھے۔مصر میں پیدا ہوئے۔سن ولادت معلوم نہیں۔نفطویہ اور ابن الانباری کے ہم درس رہے ہیں۔امام نسائی اور اخفش صغیر سے کسب فیض کیا۔تصانیف میں تفسیر القرآن،ناسخ القرآن ومنسوخہ اور معانی القرآن وغیرہ شامل ہیں۔338ھ/950ء کو فوت ہوئے۔ذہبی،العبر فی خبر من غبر،ج2،ص54

ابن حنظلہؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ نصاریٰ پر رمضان کے روزے فرض تھے۔([522]) تو اس کا بادشاہ بیمار پڑ گیا تو انہوں نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے بادشاہ کو شفاء دی تو ہم اس میں دس دن کا اضافہ کریں گے۔ پھر ایک اور بادشاہ تھا جس نے گوشت کھایا اور اس کے منہ میں درد پیدا ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے بادشاہ کو شفاء دی تو ہم اس پر سات دن کا اضافہ کرے گے۔ پھر اس پر ایک اور بادشاہ آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان تین دنوں کو پورہ کرنے سے ہم کو کس نے روکا ہے۔ اور اپنے روزے کو موسم بہار میں لے آنے سے تو اس نے ایسا کیا تو یہ پچاس دن بن گئے۔([523])

اور (كَمَا) کے اعراب میں پانچ وجوہ ہیں۔ اول وجہ یہ کہ اس کا محل نصب ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای،کتب كتباً مثل ما كتب، دوسری وجہ یہ کہ محل نصب میں ہے اور مصدر معرف سے حال ہے۔ ای،کتب علیکم الصیام الکتب مشبهاً بما كتب ، اور اس دونوں صورتوں میں، ما، مصدری ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ لفظ صیام مصدر کا صفت ہے۔ ای ،صوماًمماثلاً للصوم المكتوب على من قبلكم، چوتھی وجہ یہ کہ یہ صیام سے حال ہے۔ ای،حال كونه مماثلاً لم كتب، اواس دونوں صورتوں میں، ما، موصولہ ہوگا۔ پانچویں وجہ یہ کہ یہ محل رفع میں ہے کہ یہ صفت ہے الصیام کا اس بناء پر کہ معرف بلام نکرہ کے قریب ہوتا ہے۔(لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) تاکہ تم گناہوں سے بچو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔ جو کہ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اور وہ اسے توڑ دیتا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیحین میں عبد اللہؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو نکاح کی قدرت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ شادی کرے۔ اس لئے کہ شادی نظر کو زیادہ نیچے رکھنے اور شرمگاہ کے لئے سب سے زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر روزہ ہے

اس لئے کہ روزہ ڈھال ہے۔([524]) اور یہ بھی احتمال ہے کہ مفعول، الاخلال بادائہ، مقدر ہو۔ بناء بر تفسیر اول تشبیہ کو نظر کئے بغیر یہ کلام (كُتِبَ) کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اور بناء بر تفسیر ثانی تشبیہ کو نظر کرتے ہوئے کہ تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح

---

522 ۔ سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرۃ : 183

523 ۔ حدثنا موسى بن هارون نا إسحاق بن راهويه نا معاذ بن هشام حدثني أبي عن قتادة عن الحسن عن دغفل عن النبي صلى الله عليه و سلم قال كان على النصارى صوم شهر رمضان وكان عليهم ملك فمرض فقالوا لئن شفاه الله لنزيدن ثمانية أيام ثم كان عليهم ملك بعده فأكل اللحم فوجع فقالوا لئن شفاه الله لنزيدن ثمانية أيام ثم كان عليهم ملك بعده فقال ما ندع من هذه الأيام أن نتمها ونجعل صومنا في الربيع ففعل فصارت خمسين يوما ، الطبرانی ، المعجم الاوسط، رقم 8193۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ السلسلۃ الصحیحۃ، ج2، ص172۔

524 ۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف علی نفسہ العزوبۃ، رقم:1905

کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم اس کی ادائیگی میں خلل سے بچو اس کے اصل پر علم کے حصول کے بعد اور ،اعلمتکم الحکم المذکور ،کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کو لازمی مانے ،تاکہ تم اس روزے کے ذریعے تقوی کے رتبہ کو پہنچ جاؤ۔ (أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ) معین عدد کے ساتھ یا تھوڑے دن اس لئے کہ قلیل کو شمار کرنا آسان ہوتا ہے۔تاکہ اسے شمار کیا جائے۔اور کثیر تو اتفاقی لیا جاتا ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہے کہ معدودات یا معدودہ قرآن میں کہی بھی استعمال ہوئی ہے اس کا اطلاق چالیس سے کم پر ہوتا ہے زیادہ پر نہیں ہوتا۔ابن عباسؓ،ابو مسلمؒ ([525])اور اکثر محققین نے ان ایام سے مراد رمضان لیا ہے۔امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ پر روزے فرض کر دیئے گئے پھر اس کو اپنے اس قول( أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ) بیان فرمایا تو کچھ ابہام زائل ہو گیا۔ پھر اس کی وضاحت اپنے اس قول سے(شَهْرُ رَمَضَانَ) ([526])بیان فرمائی نفس کو اس پر آگاہ اور امادہ کرنے کے لئے۔اس پر اعتراض ہوتا ہے۔اگر اس سے یہی مراد ہے تو مسافر اور مریض کا ذکر تکرار ہو گا۔تو جواب یہ ہے۔کہ ابتداءً روزہ واجب ہوا فدیہ اور روزہ کے تخیر کے ساتھ پھر جب تخیر کا حکم منسوخ ہوا تو روزہ ہی بالتعین واجب ہوا۔ پھر اس سے ایک توہم پیدا ہوتا ہے۔کہ یہ حکم سب کو شامل ہو گا کہ مریض اور مسافر بھی مقیم اور تندرست کی طرح ہے۔تو مریض اور مسافر کا حکم الگ سے ذکر کیا اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ ان کی رخصت بحال باقی ہے۔کہ ان کے حکم میں مقیم اور مسافر کے حکم کی کوئی تغیر نہیں آئی ۔باقی رہی یہ بات کہ رمضان کی روزے کی فرضیت سے قبل ہر ماہ تین دن کے روزے تھے۔وہ ایام بیض کے تھے جس طرح کہ عطاءؒ سے مروی ہے۔اور اس کو ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قتادہؒ سے روایت ہے کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل ہر ماہ کے تین دن اور یوم عاشورہ کے روزے تھے۔اور اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ ان کا وجوب صوم رمضان کی وجہ سے منسوخ ہو گئی۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔تو اگر اس حکم پر ایک مدت طویلہ تک عمل رہا جیسا کہ بعض نے فرمایا ہے تو ناسخ کس طرح متصل ہو گیا۔اور اگر اس پر عمل نہ رہا تو نسخ درست نہیں ہے اس لئے کہ قبل از عمل نسخ ہوا کرتا۔اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اختیار اول کی صورت میں ناسخ کا تلاوت میں متصل ہونا اتصال فی النزول پر دال نہیں۔اور ثانی کو اختیار کرنے کی صورت کا یہ جواب دیا گیا کہ قبل از عمل نسخ جائز ہے پس غور و فکر کرو۔

---

[525] ۔عبداللہ بن ثوب الحولانی ابو مسلم کبار تابعین میں سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وفات سے پہلے ایمان لے آئے تھے مگر آپ ﷺ سے نہیں ملے تھے۔ زہد و عبادت میں مشہور تھے۔لوگ آپ کے بارے میں فرماتے تھے ابو مسلم اس امت کے حکیم ہے۔ خلافت ابی بکر میں مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ پھر وہاں سے شام چلے گئے۔62ھ/682ء کو دمشق میں وفات پائی۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج3،ص192

[526] ۔سورۃ البقرۃ:185

اور(أَيَّامًا) صیام کی وجہ سے منصوب نہیں ہے۔جیسا کہ بعض نے فرمایاہے۔کیونکہ ان دونوں کے درمیان شئ اجنبی سے فاصلہ ہے۔بلکہ یہ ضمیر سے منصوب ہے جس پر،صوموا،دلالت کرتاہے۔یابناء بر ظرفیت یامفعولیت منصوب ہے اس کی اتساع کی وجہ سے۔اور یہ فرمایاگیاہے کہ یہ منصوب ہے اس فعل کی وجہ سے کو مستفاد ہے کاف تشبیہی کی وجہ سے اوراس میں وجہ مماثلہ کا بیان ہے۔گویاکہ ایسا کہا گیاہے۔کہ تم لوگوں پر روزے فرض کر دیئے گئے ان لوگوں کے روزوں کی مماثل جو تم سے پہلے تھے اس کے چند ایام معین میں یعنی ان دونوں روزوں کے درمیان سے اس وجہ کے اعتبار سے مماثلت واقع ہے۔اور یہ ان میں سے ہر ایک کے مدت غیر مطولہ کے ساتھ تعلق کا ہوتاہے۔توکلام،زید عمرو کی طرح فقیہ ہے،کے قبیل سے ہوگا۔اور یہ بھی فرمایاگیا ہے کہ یہ منصوب ہے۔کتب،کی مفعول ثانی کی وجہ سے کیونکہ مفعول میں اتساع ہوتاہے۔اور،البحر المحیط،میں اس پر رد کیاگیا ہے۔(527) کہ اس کااتساع مبنی ہے اس کا،کتب،فعل کے لئے ظرف واقع ہونے کے جواز پر اور یہ درست نہیں ہے۔اس لئے کہ ظرف محل فعل ہواکرتاہے۔اور کتابت یعنی فرضیت ایام میں واقع نہیں ہوتاہے۔بلکہ ان ایام میں ان کا متعلق واقع ہے۔اور وہ روزہ رکھنا ہے۔اس کا جواب یہ دیاگیاہے کہ ظرفیت کے لئے متعلق ظرفیت کا ہونا کافی ہے۔جیسا کہ اس آیت میں ہے۔(يَعْلَمُ مَا فِيْ السَّمٰوٰتِ وَ الأَرْضِ)(528)اور یہ بھی ہے کہ (كُتِبَ) بہ معنی فرضیت ہےاور روزوں کی فرضیت ایام میں واقع ہے۔( فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا)پس تم میں کوئی شخص مریض ہوایسی بیماری کی جس کی وجہ سے اس پر روزہ رکھنا مشکل ہو جیسا کہ اس کامابعد اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتاہے(يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) (529)اور یہ اکثر فقہاء کا قول ہے۔اور ابن سیرینؒ،عطاءؒاور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مرخص مطلق مرض ہے لفظ کے مطلق ہونے پر عمل کرتے ہوئے۔اور یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ لوگ رمضان میں ابن سیرینؒ کے پاس آئے کہ وہ کھانا کھارہے تھے۔

توانہوں نے اپنے انگلی میں درد کاعذر پیش کیا ۔(530)اور شوافع کا بھی قول ہے۔ (531)( أَوْ عَلَى سَفَرٍ)یعنی وہ ایسے سفر کا مسافر ہو جس پر قدرت رکھتاہو اس طور پر کہ وہ اس میں فجر سے پہلے مصروف ہواہو۔پس اس میں اشارہ ہے کہ جس نے درمیان

---

527 ۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 183

528 ۔سورۃ التغابن:4

529 ۔سورۃ البقرۃ:185

530 ۔أن أي مريض كان ،وأي مسافر كان فله أن يترخص تنزيلاً للفظه المطلق على أقل أحواله ،وهذا قول الحسن وابن سيرين ،يروى أنهم دخلوا على ابن سيرين في رمضان وهو يأكل،فاعتل بوجع أصبعه ،

امام رازی، مفاتیح الغیب، سورۃ البقرۃ : 183

531 ۔امام شافعی، ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، دار الفکر، بیروت، 1403ھ/1983ء، ج2 ، ص89

دن میں سفر شروع کیا وہ افطار نہ کرے۔اور بعض نے مطلق سفر سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ سفر قلیل اور سفر معصیت میں بھی افطار کی رخصت ہے۔اور اکثر علماء نے اسے مباح اور چیز کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جس سے عام طور پر مشکل لازم آتی ہو۔اور یہ سفر شریعت میں ایک معین مقدار تک ہے۔

(فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) پس اس پر روزہ ہے سفر اور مرض کے ایام کی عدت یعنی گنتی دوسرے ایام میں سے اگر روزے نہ رکھے ہو۔اور شرط اور دونوں مضافوں کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔شرط تو اس طرح کہ مریض اور مسافر خطاب عام میں داخل ہیں۔تو یہ دلالت کرتا ہے ان دونوں پر روزہ واجب ہونے پر۔پس اگر یہاں حکم اس کے ساتھ مقید نہ ہوتی تو مرض اور سفر کا مشکل (عسر) کے لئے موجب ہونا لازم آتا ہے جو کہ موجبات یسر میں سے ہیں عقلاً و شرعاً۔اور مضاف اول تو اس لئے حذف ہوا کہ کلام روزہ اور اس کے وجوب کے بارے میں ہے۔اور مضاف ثانی اس لئے کہ جب کہا گیا کہ بیمار یا مسافر ہو تو اس پر گنتی ہے۔یعنی ایسے شمار شدہ ایام کی گنتی جو متصف ہو اس دوسرے ایام کے ساتھ۔پس معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ وہ ایام شمار شدہ ہو مرض اور سفر کے گنتی کے ساتھ اور اضافت سے مستغنی ہوئی۔اور یہ افطار مشروع ہے رخصت کے طور پر۔پس مریض اور مسافر اگر چاہے تو روزہ رکھے اور اگر چاہے تو نہ رکھے۔جس طرح کہ اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے۔سوائے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ روزہ رکھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں۔کہ افطار زیادہ بہتر ہے اور ظاہر یہ کا مذہب وجوب افطار ہے۔اور یہ ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو ان کا روزہ درست نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت سے پہلے ہے جس کا ظاہر آیت مقتضی ہے۔اور یہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اور امامیہ بھی اسی کے قائل ہے۔اور انہوں نے اہل بیت کی طویل روایت سے استدلال کیا ہے۔اور بعض نے آیت سے قضاء کے مسلسل (غیر متفرق) اور متفرق ہونے کے جواز پر استدلال کیا۔اور اس بات پر کہ قضاء فوراً واجب نہیں ہے۔بخلاف داودؒ کے۔اور اس بات پر (بھی استدلال کیا ہے) کہ جس نے مکمل رمضان کے روزے نہیں رکھے تو ایام معدود میں قضاء کرے۔پس اگر یہ تام ہوتا تو اس کو ناقص مہینہ کافی نہیں۔یا اگر وہ ناقص ہوتا تو اس پر کامل مہینہ لازم نہیں۔بخلاف اس کے جو اس دونوں صورتوں میں مخالفت کرتا ہے۔اور اس سے ان لوگوں نے دلیل اخذ کیا ہے۔جو فرماتے ہیں کہ قضاء کے ساتھ فدیہ نہیں ہے۔اور اسی طرح (ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے) جو فرماتے ہیں کہ مسافر جب مقیم ہو جائے۔اور مریض شفاء یاب ہو جائے۔درمیان دن میں تو اس پر بقیہ دن کا امساک لازم نہیں ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایام اُخر سے گنتی کو واجب قرا دیا۔اور انہوں نے حالت مرض اور سفر میں روزہ نہ رکھا۔تو افطار کا حکم ان کے لئے باقی ہے۔اور اس کے لئے حکم میں یہ بھی ہے کہ روزہ ایک دن سے زیادہ واجب نہ ہو۔اور اگر ہم نے اس کو امساک کا حکم دیا۔پھر قضاء کا تو ہم نے ایک دن کے بدلے اس سے زیادہ واجب کیا۔اور جو کمزوری اس میں ہے مخفی نہیں ہے۔اور (فَعِدَّةٌ) کو نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا۔([532]) فعل محذوف کے

---

532۔زمحشری، تفسیر کشاف سورۃ البقرۃ :184۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:184

لئے فعول کی بناء پر۔یعنی پس اسے چاہئے کہ وہ گنتی کے روزے رکھے اور جس نے وہاں شرط کو مقدر مانا ہے یہاں بھی اس نے اسے مقدر مانا ہے۔ ( وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ)یعنی ان لوگوں پر جو روزوں کے طاقت رکھتے ہیں۔اگر انہوں نے روزے افطار کئے ہو۔(فِدْيَةٌ)یعنی فدیہ دینا(طَعَامُ مِسْكِينٍ)اس کی مقدار یہ ہے جو یومیہ کھاتا ہے۔اور اہل عراق کے ہاں یہ گندم کا نصف صاع یا ایک صاع ہے جوءا گندم کے علاوہ سے۔اور اہل حجاز کے ہاں ہر دن کے لئے ایک مد یعنی ایک پیمانہ۔اور یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اس لئے کہ جب لوگوں پر روزہ فرض ہوا اور وہ اس کے عادی نہیں تھے۔تو ان کو مشکل لگی تو ان کو افطار اور فدیے کی رخصت دی گئی۔امام بخاریؒ۔امام مسلمؒ ابوداودؒ اور ترمذیؒ،نسائیؒ اور طبرانیؒ اور دوسروں نے نقل کیا ہے۔کہ سلمہ بن اکوعؓ([533])نے فرمایا کہ جب یہ آیت (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ)نازل ہوئی تو ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا اور فدیہ دے دیتا اسی طرح ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے۔اور اسے منسوخ کر دیا۔وہ ناسخ یہ ہے۔(فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ) ([534])([535])اور سعید بن المسیبؒ نے اسے، يُطِيقُونَهُ، یائے اولیٰ کے ضمہ اور یائے ثانیہ کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔([536]) اور مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے طا ءاور یائے ثانیہ کے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔([537])او یہ دونوں قراءتیں مبنی للفاعل معروف کے صیغے پر ہیں۔اس بناء پر کہ اس کی اصل ،یطیقونہ،اور،یتطیقونہ ،ہے۔باب فَيْعَلَ ور تَفَيْعَلَ سے۔نہ کہ ،فَعَّلَ اور تَفَعَّلَ سے۔اور پھر واو کے ساتھ ہوتا نہ کہ ،یاء کے ساتھ اس لئے کہ یہ،طوق سے ہے اور واوی ہے۔واو کو یاء بنا دیا گیا اور پھر یاء کو یاء میں مدغم کر دیا۔اور اس کا معنی ہے۔یتکلفونہ،یعنی ان کو مکلف بنا دیتے ہیں۔اور حضرت عائشہؓ نے ،یطوقونہ، مبنی للمفعول (مجہول) کے صیغہ کے ساتھ باب تفعیل سے پڑھا ہے۔([538])یعنی ان کو اس کا مکلف بنا دیا گیا ہے اور ان کو طاقت دی گئی ہے اور ذمہ داری سونپی گئی ہے۔اور یہ تینوں اقوال ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔

---

[533] ۔سلمہ بن عمرو بن سنان الاکوع،الاسلمی صحابی ہیں۔بیعت رضوان میں حاضر رہے رسول اکرم ﷺ کی معیت میں سات غزوات میں حصہ لیا۔نڈر،شجاع اور تیر انداز تھے۔سیدنا عثمان ذوالنورین کے زمانہ میں افریقی کی جنگ لڑی۔آپ سے 77 احادیث مروی ہیں۔74ھ/693ء کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ابن عبدالبر،الاستیعاب،ج1،ص330

[534]۔سورۃ البقرۃ: 185

[535]۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ { وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ } كَانَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتْ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ مَاتَ بُكَيْرٌ قَبْلَ يَزِيدَ ، صحیح بخاری،کتاب الصوم،باب فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ،رقم:4507

[536]۔الفیومی،القراءت الشاذہ،ص12 ۔ابن جنی،المحتسب،ج1 ،ص118

[537] ۔ایضاً

[538]۔ ابن جنی، المحتسب،ج 1،ص118

(539)اور ابن عباسؓ سے بمعنی،یتقلدونہ،یتکلفونہ،اوریطوقونہ،تاء کا طاء میں ادغام کے ساتھ۔(540)اور اس کے عدم نسخ کی طرف گئے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ اور ابوداودؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بہت بوڑھے اور بوڑھی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اور وہ لوگ جو نسخ کے قائل نہیں وہ بھی قراءت متواترہ پر ہیں۔(541)اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ روزے رکھتے ہیں جہد اور طاقت کے ساتھ۔اور یہ مبنی ہے اس بات پر کہ ،وسع،نام ہے کسی شئ پر آسانی کے ساتھ اور ،طاقت، نام شدت اور مشقت کے ساتھ قدرت رکھنے کا۔تو معنی یہ ہوا کہ ان لوگوں پر جو رمضان کا روزہ مشقت اور تکلیف کے ساتھ رکھتے ہیں۔تو یہ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو بھی شامل ہوا۔ مع اس کے کہ جو طاقت رکھتا ہو اور اس میں مشقت برداشت کر سکتے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ سلب کے لئے ہو مطلب یہ کہ ان کی طاقت سلب کر دی گئی ہے۔ بایں طور کے اس کے نفس کو جہد کا مکلف بنا دیا تو اس سے طاقت سلب ہو گئی۔اس کے تمام ہونے کے وقت اور یہ مبالغہ ہو گا بزل جہد میں۔اور صحیح یہ ہے کہ قراءت میں سے ہر ایک کو اس پر حمل کر سکتے ہیں جو نسخ کا احتمال رکھتا ہو اور اس پر جو نسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہو۔اور ہر ایک کی طرف بعض حضرات گئے ہیں۔اور حضرت حفصہؓ سے روایت کی گئی ہے۔کہ آپ نے (وَعَلَى الَّذِينَ لاَيُطِيقُونَهُ) پڑھا ہے۔(542)اور نافعؒ اور ابن عامرؒ نے فدیہ کو بعام کی اضافت اور اور مسکین کے جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔(543)اور یہ اضافت کسی شئ کی اپنی جنس کی طرف اضافت کے قبیل سے ہو گا۔ جیسا کہ خاتم فضۃ،ہے۔اس لئے کہ بعام مسکین اور غیر فدیہ ہوتا ہے۔اور مسکین کو جمع لایا گیا کیونکہ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ) میں بھی جمع ہے۔ پس جمع،جمع کے مقابلے میں آگیا۔اور (فِدْيَةٌ) کی جمع نہیں لائی گئی اس لئے کہ یہ مصدر ہے۔اور اس میں تاء تانیث کے لئے ہے نہ کہ مرۃ(ایک مرتبہ) کے لئے۔اس لئے کہ جب اس کی اضافت اپنے مضاف کی طرف جو جمع کو مضاف ہوئی ہے تو اس سے جمع فہم میں آتی ہے۔

---

539۔ ابن جنی، المحتسب،ج 1،ص118

540 ۔ ایضاً

541 ۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فَلَا يُطِيقُونَهُ { فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ } قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ لَا يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا فَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا ، صحیح البخاری،کتاب الصوم، باب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ،رقم :4505

542۔ وقيل:معناه لا يطيقونه فأضمر،لا،لقراءة حفصة كذلك وعلى هذا لا يكون منسوخاً، نسفی،ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، سورۃ البقرۃ:183

543 ۔ ابو عمرو الدانی،التیسیر فی القراءت السبع،ص79۔ابن الجزری،النشر فی القراءات العشر،ج 2،ص226

( فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ فدیہ میں مقدار مذکورہ سے زیادتی کی ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ یازیادتی کی اس شخص کے عدد پر جس کو لازم ہو کھانا کھلانا تو وہ دو مسکینوں کو یا اس سے زیادہ کو کھلائے۔ابن شہابؒ فرماتے ہیں۔کہ کھانا کھلانا اور روزہ رکھنا جمع کیا ہے۔( فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ)یعنی تطوع یا وہ خیر جو اس نے زیادہ کی ہے۔اور بعض نے خیر اول کو مصدر ،خرت یا رجل وانت خائر، آپ اچھے ہوئے اے آدمی اور آپ اچھے ہیں۔ کی طرح اور خیر ثانی کو اسم تفضیل مانا ہے۔اور یہ بلاشک حمل کا فائدہ دیتا ہے۔اور ،ھو، میں ضمیر (مَنْ) کو راجع کرنا۔یعنی تطوع افضل ہے غیر سے تطوع کی وجہ سے اور اس بات کا بعد مخفی نہیں ہے۔(وَأَن تَصُومُواْ) اے طاقت رکھنے والو، مقیمو، تندرستو بوڑھے اور بوڑھیو جن کو طاقت دی گئی۔یا وہ مرخص افطار کرنے میں دونوں طائفہ میں سے اور بیماروں اور مسافروں۔اور اس میں غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ روزے کی مشقت کو پورہ کرنے اور مخاطب کی لذت کی وجہ سے۔اور ابیؓ نے (وَالصِّيَامُ) پڑھا ہے۔([544])(خَيْرٌ لَّكُمْ)تمہارے زیادہ بہتر ہے فدیہ سے یا تطوع خیر پہلے دو باتوں پر اور قضاء کو موخر کرنے سے۔(إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ)روزے کی فضیلت۔اور (إِن) کا جواب محذوف ہے۔کیونکہ اس کا ظاہر ہونا واضح ہے۔یعنی اگر تمہیں معلوم ہوتی روزے کی فضیلت تو اسے اختیار کر لیتے۔اور اس قول کے مطابق یہ جملہ خیریت صوم کے لئے تاکید ہو گی۔اور قول اول کے مطابق بنیاد ہو گی۔ (شَهْرُ رَمَضَانَ) یہ مبتداء ہے اور اس کا خبر موصول ہے جو اس کے بعد ہے۔اور اس جملے کا ذکر کرنا مقدمہ ہو گا روزے کی فرضیت کے لئے اس کی فضیلت ذکر کرنے کی وجہ سے۔یا(فَمَن شَهِدَ)اور ،فاء، متضمن ہے معنی شرط کو اس کے موصول کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے۔یا خبر ہے مبتداء محذوف کے لئے اس کی تقدیر یوں ہو گی،ذالکم الوقت الذی کتب علیکم الصیام، یہ وہ وقت ہے جس میں تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے۔یا تقدیر یہ ہے۔المکتوب شہر رمضان، کہ فرض کیا ہوا ماہ رمضان ہے۔یا یہ صیام سے بدل ہے بدل الکل مضاف کے تقدیر کے ساتھ ،یعنی ،کتب علیکم الصیام صیام شہر رمضان، کہ تم پر ماہ رمضان کے روزے فرض کر دیئے گئے۔اور ان دونوں کے درمیان جو فصل کا خلل آیا ہے۔وہ متعلق ہے۔(كُتِبَ)([545])لفظاً یا معنی پس یہ مطلق اجنبی نہیں ہے۔اور اگر اس میں بدل اشتمال کا اعتبار کیا جائے تو تقدیر سے مستثنیٰ ہو جائے گے۔ مگر یہ کہ سابقہ حکم (روزہ کی فرضیت) مقصود بالذات ہے۔اور مبدل منہ کا ذکر نہ کرنا بدل کے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے یہ بات دور ہے۔اور (شَهْرُ) کو نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے([546])،صوموا، فعل محذوف کے لئے مفعول ہونے کی وجہ سے۔اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ (وَأَن تَصُومُواْ) ([547])کے لئے مفعول

---

[544] ۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ :184

[545]۔ سورۃ البقرۃ :183

[546]۔الفیومی، القراءت الشاذۃ، ص12

[547]۔ سورہ البقرۃ:184

ہے۔اوراس سے اجزاء مصدر یہ میں خبر سے فصل لازم آتا ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ (تَعْلَمُونَ)([548]) کا مفعول ہو مضاف کی تقدیر کے ساتھ۔یعنی، شرف شہر رمضان، یااس جیسا کوئی اور تقدیر۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تقدیر کو حاجت نہیں ہے۔اوراس سے مراد یہ ہے۔اگر تم جانتے اس ماہ کو اوراس میں شک نہیں کرتے ہو۔اوراس میں یہ خبر ہے کہ روزہ شک کے ساتھ جائز نہیں ہے۔اور یہ کوئی معتبر قول نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔اور ماہ وہ مدت معینہ ہے۔ جس کی ابتداء چاند کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔اوراس کی جمع قلت اشہر آتی ہے۔اور جمع کثرت شہور آتی ہے۔اوراس کی اصل،شہر الشئی اظہرہ۔کسی شئی کو مشہور اور ظاہر کرنا ہے۔اور یہ عبادات اور معاملات کے لئے ایک معین وقت کی وجہ سے لوگوں کے درمیان مشہور ہو گئی۔اور رمضان ،رمض کا مصدر ہے، عین کے کسرہ کے ساتھ باب سمع سے بمعنی جل جانا۔اور، شمس العلوم،([549])۔میں ان مصادر میں سے جس میں افعال مشترک ہوتے ہیں۔ فعلان بفتح الفاء والعین،اور اکثر جواس کا معنی آتا ہے۔وہ آنے اور جانے اور اضطراب کے معنی میں آتا ہے۔جس طرح کی خفقان اور عسلان اور لمعان۔اور مجیئ اور ذہاب کے معنی کے علاوہ بھی آیا ہے۔جس طرح کہ ،شنأتہ شنأناً اذا یعضتہ،اور بحر المحیط میں جو ہے([550]) کہ اس کا مصدر ہونا نقل کی طرف محتاج ہے۔اس لئے کہ ،فعلان، یہ فعل لازم کا مصدر نہیں ہے پس جو اس وزن پر آجائے تو وہ شاذ ہو گا۔تواولی یہ ہے کہ مرتجل ہو نہ کہ منقول جو کہ قلت اطلاع کی وجہ سے ناشئ ہے۔اور امام خلیلؒ فرماتے ہیں کہ یہ رمض سے ہے میم کے سکون کے ساتھ وہ بارش جو حزان سے پہلے آتی ہے اور زمین کے اوپر والی حصہ کو گرد و غبار سے پاک کرتی ہے۔([551])اور مضاف اور مضاف الیہ کے مجموعے کو معلوم ماہ معلوم کے لئے نام بنا دیا گیا۔اور اگر یہ نہ ہو تو ماہ کی اضافت (شَهْرُ) کو حسن نہیں ہے۔جس طرح کہ ،انسان زید، اضافت اچھا نہیں۔اور عام کی اضافت خاص کی طرف کرنا درست ہے۔جب کہ خاص کا اس کے افراد میں سے ہونا مشہور ہو جائے۔اور اسی وجہ سے ،شہر شعبان اور شہر رجب عرب سے مسموع نہیں ہے۔پس اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ علم (نام) تین ماہ میں مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ ہے۔شہر رمضان، شہر ربیع الاول اور شہر ربیع الثانی اور باقی مہینوں میں شہر کی اضافت نہیں ہو گی اور بعض نے اس کو نظم میں پڑھا ہے۔

| | |
|---|---|
| ولا تصف شہراً الی اسم شہر | الا لما اولہ الرا فادر |
| واستثن منہا رجباً فیمتنع | لانہ فیما رووہ ما سمع([552]) |

---

548۔ سورہ البقرۃ:184

549 ۔ الحمیری، نشوان بن سعید، شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم، دار الفکر المعاصر،بیروت،1420ھ/1999ء،ج 1،ص38

550 ۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط،سورۃ البقرۃ: 185

551 ۔الفراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین،ج7 ،ص39

552 ۔کافی جستجو اور کوشش کے بعد اس کا قائل معلوم نہ ہو سکا۔

ترجمہ۔ شہر کی اضافت کسی شہر کی اسم کی طرف نہ کر مگر وہ جس کے اول میں ،را، آتا ہو۔اور مستثنیٰ کر ان میں سے رجب کو۔ کہ اس میں ممتنع ہے۔اس لئے کہ یہ مسموع نہیں ہے جو انہوں نے نقل کیا ہے۔

پھر اضافت میں اس کا اعتبار اسباب منع صرف اور لام کے ممتنع ہونے کا اور اس کا واجب ہونا مضاف الیہ کی حالت میں۔ پس دخول لام اور منصرف ہونا (شَهْرُ رَمَضَانَ) اور ابن دابۃ میں ممتنع ہے۔اور منصرف ہوگا شہر ربیع الاول اور ابن عباس جیسی ترکیب میں۔اور امرؤالقیس، جیسی ترکیب میں لام واجب ہے۔ کیونکہ یہ لام اس کا جز واقع ہوا ہے۔اور ابن عباس جیسی ترکیب میں بھی جائز ہے۔ بہرحال لام کا داخل ہونا اس کے اصل کو مد نظر رکھنے کی وجہ سے ہے۔اور اس کا داخل نہ کرنا اس کی اصل اس سے خالی ہونے کی وجہ سے ہے۔اسی بناء پر کہا گیا ہے۔ کہ (مَنْ صَامَ رَمَضَانَ) میں علم کے ایک جز کو عدم التباس کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔اور اس میں بحث ہے۔اولاً یہ کہ عام کی اضافت خاص کی طرف کرنا ذوق کی وجہ سے ہے۔اسی وجہ سے کبھی اضافت درست ہوتی ہے جیسے، شجر الاراک،اور کبھی غلط ہوتی ہے جیسے ،انسان زید،اور (شَهْرُ رَمَضَانَ) جیسی ترکیب میں قبح نہیں ہے مگر ان کے ہاں جس کا ذوق روزے کی اثر سے متغیر ہو۔اور ثانیاً یہ کہ ان کا یہ قول۔ لم یسمع شہر رجب، تو اس کا کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ ان مثالوں میں سے ہے جسے متاخرین سے سنا گیا ہے۔اور ،تسہیل، کے شرح میں ہے کہ شہر کی اضافت تمام مہینوں کے ناموں کی طرف جائز ہے۔اور یہی اکثر نحات کا قول ہے۔ پس اتفاق ہونے کا دعوی کرنا متفق علیہ نہیں ہے۔اور ،ادب الکاتب، میں متاخرین کی غلطی کا منشاء یہ ذکر کیا کہ ،الکتاب، کا اصطلاح یہ ہے کہ جب انہوں نے تاریخ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وضع کی اور سال کا شروع محرم بنا دیا۔ تو وہ اپنی تاریخ میں شہر نہیں لکھتے تھے۔ مگر ربیع الاول اور الثانی اور رمضان کے ساتھ۔ پس یہ ایک اصطلاحی کام تھا نہ کہ وضع لغوی تھا۔اور رمضان میں تو قرآن کی موافقت کی وجہ سے ہے۔اور ربیع میں ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کے لئے کیا ہے۔اسی لئے امام سیبویہؒ نے شہر کی اضافت تمام مہینوں کے ناموں کو صحیح قرار دیا ہے۔اور اس کے ذکر اور عدم ذکر میں فرق ہے۔ کہ جب اسے ذکر کیا جائے تو عموم کا فائدہ نہیں دیتی۔اور جب حذف کر دیا جائے تو عموم کا فائدہ دیتی ہے۔اور اسی سے انسان زید اور (شَهْرُ رَمَضَانَ) کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔اور اس میں کوئی گرد و غبار نہیں ہے۔اور ثالثاً اس کا یہ قول کہ اضافت میں منع صرف کا اعتبار کیا جانا، تو نحاۃ نے اس کی خلاف تصریح کی ہے۔اس لئے کہ ،ابن دابۃ، کا غیر منصرف اور منصرف ہونا دونوں طرح عرب سے مسموع ہے۔ جیسا کہ شاعر کا یہ قول

ولما راءیت النسر عز۔ابن دایۃ۔ و عشش فی وکریہ جاش لہ صدری [553]

[553] ۔ یہ کمیت بن زید کا شعر ہے۔ دیوان کمیت بن زید، ص236

ترجمہ۔جب میں نے بڑھاپا دیکھا تو جوانی کی قدر و قیمت معلوم ہوا جیسا کہ درخت کا گھونسلہ اچھا اور عمدہ ہوتا ہے پہاڑی کے گھونسلے سے تو اس جوانی کے لئے میرا دل جوش مارنے لگا۔

انہوں نے فرمایا ہے کہ ہر ایک کے لئے وجہ ہے۔ غیر منصرف تو اس لئے کہ دونوں کلمے نام رکھنے کی وجہ سے ترکیب میں ایک کلمہ بن گیا تو یہ طلحہ کی طرح ہوگا مفرد ہونے کی وجہ سے۔اور طلحہ غیر منصرف ہے۔اور منصرف تو اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ اصل میں اسم جنس ہوا کرتا ہے۔اور ان میں سے ہر ایک منفرداً علم نہیں ہے۔ بلکہ علم ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ پس تعریف اس میں اثر نہیں کرتا۔اور غیر منصرف کا اس میں کوئی دخل نہیں پس اسے یاد رکھا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دار و مدار اس بات پر ہے۔کہ رمضان اکیلے علم جنس ہے جیسا کہ معلوم ہے۔اور بعض نے اس بات سے منع کیا ہے کہ رمضان بغیر شہر کے کہا جائے۔ جس طرح کہ ابن ابی خاتمؒ،ابو الشیخؒ،ابن عدیؒ([554])، بیہقیؒ اور دیلمیؒ([555]) نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً نقل کیا ہے۔کہ صرف رمضان مت کہو اس لئے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ بلکہ رمضان کا مہینہ کہو۔([556])اور یہ مجاہدؒ کی بھی رائے ہے۔اور صحیح قول جواز کا ہے اور یہ اصحیح میں مروی ہے۔([557])اور احتیاط مخفی نہیں ہے۔

اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس ماہ کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا کہ اس میں گناہ جلتے ہیں([558])۔اور یہ بات انسؓ اور عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام یہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ سخت گرمی میں

---

[554] ۔عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد ابن مبارک بن قطان جرجانی۔277ھ/890ء کو پیدا ہوئے۔علم کے حصول کے لیے دمشق، صیدا، القدس، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور عراقین کا سفر کیا۔ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے کسب فیض کیا جن میں امام بغوی اور امام ابن صاعد جیسے اساطین علم بھی ہیں۔اپنے گاؤں میں ابن القطان اور بیرونی دنیا میں ابن عدی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ عربیت میں ذرا کمزور تھے۔ لحن کا شکار ہوا کرتے تھے لیکن حدیث کے معاملے میں نہایت ثقہ مانے گئے ہیں۔365ھ/976ء کو وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج16، ص154۔الزرکلی، الاعلام، ج4، ص103

[555] ۔ابو عبداللہ فیروز الدیلمی الفارسی، نجاشی بادشاہ کا بھتیجا تھا۔ صحابی تھے فارسی نسل سے تھا۔آپ ﷺ کے ساتھ مختلف وفود میں ملاقات کی آپ سے کئی روایات منقول ہیں۔ پھر یمن آیا مدعی نبوت اسود عنسی کے قتل میں معاونت کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں مصر آیا اور وہی پر اقامت اختیار کی۔53ھ/673ء کو وفات پائی۔ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج6، ص366

[556] ۔ابن ابی خاتم، تفسیر القرآن العظیم، سورۃ البقرہ: سورۃ البقرۃ :184

[557] ۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ : عَلِىُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الصَّفَّارُ حَدَّثَنَا ابْنُ نَاجِيَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِى مَعْشَرٍ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو سَعْدٍ الْمَالِينِىُّ وَأَبُو مَنْصُورٍ: أَحْمَدُ بْنُ عَلِىٍّ الدَّامَغَانِىُّ قَالاَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِىٍّ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِى مَعْشَرٍ حَدَّثَنِى أَبِى عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِىِّ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم-لاَ تَقُولُوا رَمَضَانَ.فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ،وَلَكِنْ قُولُوا شَهْرُ رَمَضَانَ، سنن بیہقی۔ تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب الصوم، باب ماروی فی کراھیۃ قول القائل جاء رمضان وذھب رمضان، رقم،8158 ۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے باطل کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[558] ۔قرطبّی، تفسیر قرطبّی، سورۃ البقرۃ : 185۔سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرۃ:185

واقع ہوتا تھا۔اس لئے کہ انہوں نے مہینوں کے نام قدیم لغت سے نقل کئے ہیں۔اور اسے قبل اس کا نام ناتق تھا۔ شائد جو آپ ﷺ سے مروی ہے وہ وضاحت کرتا ہے اس بات کی کہ یہ تسمیہ مسلمانوں کے نزدیک ہو۔ ورنہ یہ نام روزوں کی فرضیت سے پہلے کثرت سے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔(الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ)یعنی قرآن پاک کو نازل کرنے کی ابتداء اس میں ہوئی۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔ وہ لیلۃ القدر تھی۔ ابن عباسؓ،ابن جبیرؒ اور حسنؒ سے روایت کہ گئی ہے۔ کہ قرآن اس رات میں سارا کا سارا آسمانی دنیا کی طرف نازل ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ زمین کی طرف تدریجاً تئیس سال میں نازل ہوتی رہی۔ اور بعض نے فرمایا ہے۔ کہ قرآن پاک اس کی شان میں نازل کی گئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ) ([559]) ہے۔ امام احمدؒ اور طبرانیؒ نے واثلہ بن اسقعؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان کی پہلے رات میں نازل ہوئے،انجیل تیرہ رمضان اور توراۃ چھبیس رمضان کو اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوئی۔([560])اور جب کتب الٰہیہ اور ماہ رمضان کی بڑی مناسبت تھی تو اسی ماہ کو کتب الٰہیہ کی نزول کے ساتھ مختص کیا۔ جو عبودیت کی نشانیوں میں ایک بڑی نوع ہے۔ اور یہ ایک قوی سبب ہے روابط بشریہ کے زائل کرنے میں جو کہ انوار ابدیہ کے روشن ہونے سے مانع ہے۔(هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ)یہ دونوں قرآن سے حال لازم ہے۔ اور اس میں عامل،أُنْزِلَ، ہے۔ یعنی نازل کیا قرآن کو اس حال میں کہ وہ لوگوں کے لئے ہدآیت ہے۔ اپنے مختص معجزہ کے ساتھ۔ جس طرح کہ تنکیر اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور واضح آیات ہیں ان تمام کتب الٰہیہ میں جو حق کی طرف ہدآیت دیتی ہے۔ اور معارف اور احکام عملیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فرق کرتی ہے۔ جیسا کہ واضح احکام اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ ہادی ہے دو باتوں کے واسطے ایک مختص اور دوسرا غیر مختص پس ھدیً مکرر نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مکرر ہے بلندی اور امر تعظیم کی وجہ سے اور تاکید کی وجہ سے اور اس میں ہدآیت کے معنی کے لئے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں علم نحریر۔

( فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) اور(مِنْ)شرطیہ یا موصولہ ہے۔ اور فاء یا جواب شرط ہے یا خبر میں زائدہ ہے۔ اور (مِنكُمُ) محل نصب میں(شَهِدَ) کے ضمیر مستکن سے حال ہے۔ اور یہ قید صبی اور مجنون کی اخراج کے لئے ہے۔ اور (شَهِدَ) شہود سے ہے اور یہ ترکیب اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حضور ذاتی یا علمی ہے۔ اور یہاں پر یہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اور (الشَّهْرَ) بناء بر اول مفعول فیہ ہے اور مفعول بہ متروک ہے کیونکہ اس کا مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس تقدیر البلد اور

---

[559] ۔سورۃالبقرۃ: 183

[560] ۔ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ أَبُو الْعَوَّامِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُنْزِلَتْ صُحُفُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَتْ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَضَيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَالْإِنْجِيلُ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْفُرْقَانُ لِأَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ ،مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:16984۔ حکم حدیث:شعیب نے اسے حسن کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

المصر کو کوئی حاجت نہیں۔اور بناء بر قول ثانی مفعول بہ ہے حذف مضاف کے ساتھ،ای هلال الشهر ،اور الف الام اس دونوں تقدیروں میں عہدی ہے۔اور ضمیر کی جگہ ظاہر کا لے آنا تعظیم کے لئے ہے۔اور،فَلْيَصُمْهُ، میں ضمیر متصل اتساع کے لئے ہے۔کہ یہ روزہ لازم ہے تو مطلب یہ کہ جو کوئی اس ماہ میں موجود ہو اور مسافر نہ ہو تو اس میں روزہ رکھے۔اور یا جس کو ہلال شہر کا یقین آجائے تو روزہ رکھے۔آیت کا فائدہ یہ ہے کہ جس کو ہلال میں شک ہو اس پر روزہ لازم نہیں ہے۔اور مضاف کو مقدر لیا ہے کیونکہ مہینے کا مکمل ہونا اس کے ختم ہونے سے ہے۔کیونکہ پھر تو مہینہ ختم ہونے کے بعد صوم کے واجب ہونے کا کوئی ترتب نہیں ہوتا۔اور اسی تفسیر سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول(وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) تخصیص ہو جائے گا مریض اور مسافر دونوں کو نظر کرتے ہوئے۔پہلے احتمال کے ساتھ مخصص ہے اول کو نہ کہ ثانی کو۔اور اس کا تکرار بھی اسی تخصیص کے لئے ہوگا۔اور یا اس لئے کہ کوئی نسخ کا وہم نہ کرے۔جس طرح قرینہ نسخ ہوا ہے۔اور احتمال اول ان حضرات کی رائے کے موافق جنہوں نے مخصص کے لئے شرط رکھا ہے کہ مخصص میں تراخی اور اتصال ہوگا۔اور دوسرا احتمال ان حضرات کے رائے کے موافق جنہوں نے مخصص کے تقدیم کو جائز کیا ہے۔یہ اس صورت میں جب آیت سابقہ کو مخصص مان لیا جائے۔اور (مَا) یہاں پر محض دفع توہم کے لئے ہے۔اور دونوں معنوں میں سے پہلے کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ اس میں تقدی کو احتیاج نہیں ہے۔اور (فَمَن شَهِدَ) میں ،فاء، اپنی معنی میں ہے اور تفصیل کرنے والی ہے اس اجمال کی جو اللہ تعالیٰ کے اس قول (شَهْرُ رَمَضَانَ) میں تعظیم کے وجوب میں۔جو مستفاد ہے اثر سے کہ جو کوئی اس مہینے کو پائے اور پانے والا یا حاضر ہوگا یا مسافر ہوگا۔پس اگر حاضر تو اس کے لئے روزہ رکھنے کا حکم ہے۔اور یہ بات درست اور حسن نہیں ہے کہ جس کو ہلال کا علم ہو وہ روزہ رکھے۔اور جو کوئی مریض اور مسافر ہو پس قضاء لے آئے کیونکہ قسم ثانی اول میں داخل ہے۔اور عطف تفصیلی ان دونون کے درمیان مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔لیکن مریض کا ذکر اس توجیہ کو قوی کرتا ہے مخصص ہونے کو داخل ہونے کی وجہ سے،مَنْ شَهِدَ، میں دونوں وجہوں سے۔اس وجہ سے اکثر نحویوں نے فرمایا ہے کہ ،الشہر، مفعول بہ ہے اور فاء سببیت یا تعقیب کے لئے ہے نہ کہ تفصیل کے لئے۔ ( يُرِيدُ اللهُ)اس رخصت کے ساتھ( بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)تو یہ رخصت انتہائی مہربانی اور وسعت رحمت کی وجہ سے ہے۔اور معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔انسان سے کبھی کبھار وہ افعال صادر ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہ کیا ہو۔اس لئے کہ مریض اور مسافر جب بمشقت روزہ رکھے تو دونوں نے اللہ کے ارادے کے خلاف کام کیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسانی کا ارادہ کیا اور مراد حاصل نہیں ہوا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حق میں آسانی کا ارادہ کیا۔ان کے لئے روزہ کے افطار کا۔اور وہ حاصل ہوا مجرد حکم سے اللہ تعالیٰ کے اس قول(فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) بغیر تاکید کے۔اور بحر محیط میں یہاں ارادہ طلب کے معنی میں ہے([561])۔اور اس میں معتزلوں کی مذہب کی تردید لازم آتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کا افعال عباد کے لئے ارادہ امر سے عبارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یسر طلب نہیں کیا بلکہ جائز کیا ہے۔اور یسر

[561] ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 185

مصدر کی تفسیر ،بمایسر ، سے بعید ہے۔اور ابو جعفرؒ نے (الْيُسْرَ )اور (الْعُسْرَ ) دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔([562]) ( وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) فعل محذوف کے لئے علت ہے جس پر (فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ ) دلالت کرتا ہے۔یعنی مشروع کیا تمہارے لئے شاہد کے حضور کو صوم شہر پر جو اللہ تعالی کے اس قول سے مستفاد ہے۔(فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ)اور مرخص کو قضاء پر حکم دیا جیسے بھی ہو مسلسل ہو یا غیر مسلسل اور گنتی کے روزے جو کھائے ہیں ان کی رعایت کے ساتھ بغیر کسی نقصان کے جو کہ اللہ تعالی کے اس قول ( فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ) سے مستفاد ہے۔اور رخصت حاصل ہے اللہ تعالی کے اس قول سے (يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ) اللہ تعالی کے اس قول سے مستفاد رخصت مستفاد ہے (فَعِدَّةٌ)اور لتكملوا سے۔اور اول امر کے لئے علت ہے اداء میں عدت شہر کی رعایت کے ساتھ اس مہینے میں حاضر ہونے کے ساتھ۔اور عذر کی بنیاد پر افطار کی حالت میں قضاء کے ساتھ۔تو یہ دو معلل کے لئے علت بن جائے گا۔یعنی ہم تمہیں ان دو امروں پر حکم کرتے ہیں۔یعنی مہینے کی گنتی کو پورا کرو اداء اور قضاء کے ساتھ تو تم ان کے نیکی کو حاصل کرلوں گے اور ان کے برکات میں سے کوئی چیز فوت نہیں ہوگی چاہے دن کامل ہو یا ناقص۔(وَلِتُكَبِّرُواْ اللهَ) یہ امر کے لئے علت ہے قضاء کے ساتھ اور اس کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔(وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) یہ رخصت اور آسانی کے لئے علت ہے۔اور تغیر اسلوب اس اشارہ کے لئے ہے کہ مطلوب بمنزلہ اس شئ کے ہے جس کی امید کی جاتی ہے بوجہ اسباب متاخذہ اس کے حصول میں۔اور وہ رخصت کا نعمت ہونا ظاہر ہے۔اور مخاطب اس کی مہربانی اور کرم کا بمع اس مہینے کے برکات کے عدم فوت کا یقین رکھتا ہے۔اور یہ لف نشر مرتب کا ایک قسم ہے جو باریک مسلک اس کی طرف جاتے ہیں۔کیونکہ مقتضی ظاہر ،واو، کا ترک کرنا ہے۔کیونکہ یہ ماقبل کے لئے علت ہے۔اور اسی وجہ سے ان حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ زائدہ ہے یا عاطفہ ہے۔علت مقدرہ کی وجہ سے۔اور اول قول اختیار کرنے کا وجہ ظاہر ہے۔اور دوسرے قول میں احکام سابقہ کے تاکید کا قصد کیا ہے بغیر کسی مشقت کے اور فعل مقدر اس طرح ہو کہ ماسبق پر اجمالاً مشتمل ہو اور ماسبق اس پر قرینہ ہو گا تعلیل کو اپنے حالت پر باقی رکھنے کے ساتھ اور اجمال میں اس کا مغائر ہو۔اور تفصیل میں اس کا عطف اس پر صحیح ہو گا اور حکام ذکر میں اولاً تفصیل ہے اور ثانیاً اجمال ہے۔اور سامع کی فہم کی اعتماد کی وجہ سے ان کے دلائل متعین نہیں کئے۔کیونکہ سامع پے درپے ان احکام کا ملاحظہ کرتا ہے۔اور ہر ایک علت واپس ہوتا ہے اس حکم کو جس کے ساتھ اس کا مناسبت ہو۔جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ افعال مقدرہ کے لئے علل ہو اور ہر ایک فعل اپنے علت کے ساتھ ہو۔اور تقدیر اس طرح ہے۔،ولتكملوا العدة،یعنی واجب کیا تم پر اور دنوں کے گنتی کو اور یہ کہ اللہ تعالی کی بڑائی بیان کرو اس پر جس کی تم کو ہدایت اور علم دی کیفیت قضاء کی۔( وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) کہ تمہیں سفر اور مرض میں افطار کی رخصت دی۔اور اگر تم چاہو تو اس کو علت مقدرہ پر عطف کرو۔ای ليسهل عليكم،اور یا،لتعلموا ما تعملون ولتكملوا، یا یہ کہ ان مجموع علتوں کو احکام سابقہ پر عطف کرو۔بااعتبار نفس کے یا با

[562] ۔ابن الجزری،النشر فی القرءات العشر،ج 2 ،ص 226

اعتبار یہ کہ تم کواس پر علم دیا۔اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی شئی کو بھی مقدر نہ نکالو۔ بلکہ اس کو،الیسر،پر عطف کرو۔ای یرید بکم لتکملوا العدۃ،اوراس میں ان مقدرہ کے بعد لام زائد ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ارادہ فعل کے بعد لام زائد ہوتا ہے۔ جیسا کہ تمہارے قول میں۔جئتک لاکرامک،اس میں لام زائد ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ لام بمعنی،ان،ہے جیسا کہ ،رضی، میں ہے۔ پس اس صورت میں (وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) عطف ہوگا(یُرِیدُ) پر کیونکہ پھر ہمارے قول کا کوئی معنی نہ ہوتا،یرید لعلکم تشکرون،اوراسی طرح متعاطفات میں جدائی بھی ہو جائے گی تو یہ توجیہ بعید ہے۔اور وہ اس طرح کہ اس میں کثرت حذف آتی ہے۔اور بعض توجیہات اس میں غیر ظاہر ہیں۔اور بعض حضرات نے ان سب توجیہات سے عدول کیا ہے۔اور کلام کو میلان کے معنی میں لیا ہے۔کیونکہ ماقبل اس میں رخصت کی علت ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ آپ کو افطار میں رخصت دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ کرتا ہے سوائے اس کے کہ تم پورے کروگے بعد میں۔اور تم پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ کہ کتاب اللہ کے شان کے ساتھ کیا لائق ہے۔اور تکبیر سے مراد مجازاً حمد و ثناء ہے۔ کیونکہ حمد و ثناء تکبیر کے افراد میں سے ہے۔اسی وجہ سے اس کے ،علیٰ، سے متعدی کیا۔اور یہ اعتبار کرنا کہ تکبیر متضمن ہے حمد کو یہ قول درست نہیں ہے۔ کیونکہ حمد تو نفس تکبیر ہے۔اور اس اعتبار سے کہ یہ عبادت قولی ہے تو یہ مناسب ہے کہ یہ حکم قضاء کی علت ہو جو کہ وہ بھی نعمت قولی ہے۔ابن منذرؒ وغیرہ نے زید بن اسلمؓ سے روایت کی ہے۔ کہ تکبیر سے مراد عید کی تکبیر ہے اور ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ تکبیر چاند کے دیکھنے کے وقت ہے ([563])۔اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ مسلمانوں پر واجب ہے جب وہ شوال کا چاند دیکھے تو تکبیر پڑھیں۔ یہاں تک کہ عید سے فارغ ہو جائے ([564])۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔( وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ )تو ان دونوں قولوں کے موافق یہ مناسب نہیں کہ یہ احکام سابقہ کے لئے علت مانا جائے۔اور (ما) میں یہ احتمال ہے کہ مصدر یہ ہو یا موصولہ ہو۔،ای الذی ھداکموہ او ھداکم الیہ،اور شکر سے مراد وہ ہے جو عام ہو ثناء سے۔اسی لئے مناسب ہے کہ اس کو رخصت کے لئے علت بنایا جائے جو کہ نعمت فعلی ہے۔اور ابو بکرؒ نے عاصمؒ سے (وَلِتُكَمِّلُواْ) تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔([565])

---

[563] ۔سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرہ:185۔ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرہ:185

[564] ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 185

[565] ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص79، ابن الجزری، النشر فی القرءات العشر، ج 2، ص226

# فصل دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 186 تا 188 کا اُردو ترجمہ، تخریج و تحقیق

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُواْ لِي وَلْيُؤْمِنُواْ بِي
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ 186 أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ
اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ
وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى
الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ آيَاتِهِ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ 187 وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا
مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ 188

**ترجمہ۔**اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں توان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستہ پائیں186۔ روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو اللہ کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے۔ سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے در گزر فرمائی اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورہ کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ ان کے پاس نہ جانا اسی طرح اللہ اپنی آیاتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں187۔ اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃ) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو188۔

(وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي) اس عمدہ خطاب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور عظمت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ (عَنِّي) یعنی میرے قریب اور بعید ہونے کے اعتبار سے کیونکہ سوال ذات کے بارے میں نہیں ہے۔ ( فَإِنِّي قَرِيبٌ ) یعنی ان کو میرت قریب ہونے کے بارے میں خبر دو جس طریقے سے بھی ہو۔ اور اس میں تقدیر نکالنا ضروری ہے کیونکہ بغیر تقدیر کے شرط پر مرتب نہیں ہوتی۔ اور تقدیر پر تصرتح نہیں جس طرح کہ دوسرے مثالوں میں اس اشارہ کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے جواب دینے کی ذمہ داری لی ہے۔ اور اس کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد نہیں کیا اس کی کمال لطف پر تنبیہ ہے۔ اور قرب حقیقت ہے قرب مکانی میں۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ کی علم بندوں کے افعال، اقوال اور اس کے تمام احوال پر اطلاع سے استعارہ ہے۔ سفیان ابن عیینہؒ اور عبد اللہؒ نے ابیؓ سے روایت نقل کیا ہے فرماتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ قریب ہے کہ ہم چپکے سے باتیں کرے یا دور ہے کہ ہم آوازیں دیں ([566])۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ) قریب ہونے کے لئے دلیل اور تاکید ہے۔ اور کمال

[566]۔ سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورہ البقرۃ :186۔ ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ البقرۃ :186

اتصال کی وجہ سے عطف نہیں کیا۔اور اس میں داعی کے لئے دعا کی قبولیت کی فی الجملہ وعدہ ہے۔ جس کی طرف کلمہ (إِذَا) سے اشارہ کیاہے۔اور کلی طور پر ہر دعا قبول نہیں ہوتی۔اور کوئی ضرورت نہیں کہ اس حکم کو مقید کیا جائے مشئیت کے ساتھ جس پر اللہ تعالیٰ کا قول دوسرے آیتوں میں خبر دیتا ہے۔(فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ) ([567])اور نہ اس قول کی حاجت ہے۔ کہ دعا کی اجابت الگ چیز ہے اور قضاء حاجت الگ چیز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول، میں حاضر ہوں میرے بندے، اور قبولیت کا وعدہ ہر مومن کے ساتھ کیا گیا ہے جو بھی دعا مانگے۔اور نہ اس تخصیص کو حاجت ہے کہ جس میں گناہ نہ ہو اور نہ رشتہ داری کو قطع کرنے کے لئے دعا ہو۔ یا ایسا بلانے والا جو پوشیدہ ہو۔ہاں اس دعا کا قبول ہونا اس طرح کہ اس کے قبل ہونے کی امید رکھا جائے خاص طور پر خاص اوقات میں، خاص مکانات میں اور کیفیت مشہورہ سے۔ کبھی کبھار اس دعاء کی قبولیت کو موٴخر کرتا ہے۔اور کبھی کبھی ایک دوسرے بدل کی طرف لوٹ کرتا ہے۔ صحیح میں حضرت ابو سعید خدریؓ([568]) سے روایت ہے فرماتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، نہیں ہے کوئی مسلمان کہ وہ دعا مانگے کہ جس میں گناہ نہ ہو اور قطع تعلق کا نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک چیز اس کو دے دیتا ہے۔ یا تو جلد ہی بغیر کسی تاخیر کے اس کے دعا کو قبول کیا جاتا ہے۔اور یا اس کے لئے ذخیرہ کیا جاتا ہے۔اور یا یہ کہ اس کے مثل اس سے مصیبت اور بدی کو روکا جاتا ہے([569])۔اور اس کی تحقیق عن قریب ان شاء اللہ آجائے گی۔(فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي) پس میرے قبولیت کو طلب کرے اپنے لئے جب مجھے پکارے۔اور میرے حکم کو قبول کرے جب میں اسے اپنے طرف ایمان اور طاعت کی طرف بلاؤ۔ جیسا کہ میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ اپنے حاجتیں مجھے پیش کرے۔اور استجاب اور اجاب ایک معنی پر آتے ہیں۔اور یہ، جوب، سے ہے بمعنی قطع اور اس کا معنی ہے کی کسی کو اپنے مراد تک پہنچانا ہے۔اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس سے اعراض نہیں کیا ہے۔(وَلْيُؤْمِنُوا بِي) کیونکہ یہ ایمان پر ثابت قدم رہنے اور اس پر مداومت کا حکم ہے۔(لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ) یعنی کہ ہدآیت اور رہنمائی پائے اپنے دنیوی اور اخروی مصالح کی طرف اور اصل باب خیر کو پہنچانا ہے۔اور ،يَرْشُدُونَ، کو شین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے([570])۔اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رمضان کے مہینے کا حکم دیا اور اس کے گنتی کا خیال رکھنے کا اور ان کو تکبیر اور شکر کے ساتھ قیام اللیل پر

---

[567] ۔سورۃ الانعام: 41

[568] ۔ سعد بن مالک بن سنان، ابو سعید، خدری، انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔10ق ھ/613ء کو پیدا ہوئے۔رسول اللہ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔بارہ غزوات میں حصہ لیا۔74ھ/693ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ابن عبد البر، الاستیعاب، ج1، ص181

[569] ۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنْ السُّوءِ مِثْلَهَا قَالُوا إِذًا نُكْثِرُ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 11133۔ حکم حدیث: شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[570] ۔ابو عمرو الدانی، القراءات الشاذۃ، ص12

ابھارا۔اس کے بعد یہ آیت لے آیا جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے افعال پر باخبر ہے اور ان کے اقوال کو سننے والا ہے۔ان کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔اس آیت کے لئے تاکید اور تشویق ہے۔اور یا یہ کہ جب بعض احکام روزہ میں منسوخ ہو گئے۔تو یہ آیت ذکر کیا جو دلالت کرنے والا ہے اس کے کمال علم کا اس کے بندوں کے احوال پر۔اور ان کے کمال قدرت اور بندوں پر نہایت مہربانی پر نسخ احکام کے دوران اس کی ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لئے۔اور ان کے دعاؤں کو قبول کرنے کے لئے تاکید ہے۔کیونکہ نسخ کا مقام وسوسے اور تزلزل کا مقام ہوتا ہے۔پس دونوں تقریروں کے مطابق مذکورہ جملہ معترضہ ہو گا معنی کے اعتبار سے دو متصل کلاموں کے درمیان۔ایک کلام جو پہلے گزرا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا یہ قول (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ) امام احمدؒ اور ایک جماعت نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہے۔رمضان شریف میں جب ایک آدمی روزہ رکھ لیتا اور پھر سو جاتا تو اس پر کھانا پینا اور اپنی بیوی حرام ہو جاتی یہاں تک کہ وہ کل کو افطار کر لیتا۔پس عمرؓ ایک رات نبی کریم ﷺ سے باتیں کر کے واپس آئے۔پس آپ نے اپنی بیوی کو نیند کی حالت میں پایا۔پس اس کو جگایا اور اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا۔پس اس نے کہا کہ میں تو سو گئی تھی۔پس آپ نے فرمایا تو نہیں سوئی تھی اور اس سے جماع کیا۔اور اس طرح کا واقعہ کعب بن مالکؓ نے بھی کیا تھا۔پس کل عمرؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اس معاملہ کی خبر دی۔پس یہ آیت نازل ہوئی([571])۔ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے۔کہ حضرت عمرؓ سوئے ہوئے تھے۔کہ آپ کے نفس نے اپنے آپ کو مزین کیا خواب میں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ جماع کیا۔پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اپنا عذر پیش کرتا ہوں۔اپنے نفس کے اس خطاء کے بارے میں۔کیونکہ اس نفس نے مجھے اس کو مزین بنا دیا اور میں نے اس سے جماع کیا۔کیا میرے لئے رخصت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اے عمر تمہارے شان کے ساتھ یہ لائق نہیں تھا۔پس عمر جب اپنے گھر پہنچ گئے۔تو آپ کے پاس کسی کو بھیج دیا اور قرآن کے آیت کے ذریعے خبر دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اس آیت کو سورۃ البقرہ کے مائۃ وسطیٰ کے درمیان رکھو([572])۔پس فرمایا(أُحِلَّ لَكُمْ)الخ،اور روزہ کی رات وہ رات ہے۔جس میں روزہ دار صبح کو روزہ رکھے۔پس یہ اضافت معمولی مناسبت کی وجہ سے ہے۔اور مراد اس سے جنس ہے۔اور اس کو نصب دیا ہے،رفث،مذکورہ نے یا محذوف نے جو کہ دال ہے اس پر اس بناء پر کہ مصدر ما قبل میں عمل نہیں کرتا۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ،احل،کے لئے ظرف ہو۔کیونکہ روزہ کی رات کو جماع کا جائز کرنا۔اور جماع کا اس

---

[571]۔ أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ قَالَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ جُبَيْرٍ مَوْلَى بَنِي سَلِمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ النَّاسُ فِي رَمَضَانَ إِذَا صَامَ الرَّجُلُ فَأَمْسَى فَنَامَ حَرُمَ عَلَيْهِ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ وَالنِّسَاءُ حَتَّى يُفْطِرَ مِنْ الْغَدِ فَرَجَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَقَدْ سَهِرَ عِنْدَهُ فَوَجَدَ امْرَأَتَهُ قَدْ نَامَتْ فَأَرَادَهَا فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ نِمْتُ قَالَ مَا نِمْتِ ثُمَّ وَقَعَ بِهَا وَصَنَعَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ مِثْلَ ذَلِكَ فَغَدَا عُمَرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى { عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ }مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:15795۔حکم حدیث:شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[572]۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:187

رات میں یہ ایک دوسرے لازم وملزوم ہے۔وَالرَّفَثُ، رفث سے ہے یعنی اس نے فحش گوئی کی اور اس سے واضح اور اشکارہ کرنا کنایہ ہے۔اور یہاں پر اس سے مراد جماع ہے کیونکہ جماع بے پردہ ہونے سے خالی نہیں ہوتا۔اور جو روایت کیا گیا ابن عباسؓ سے کہ اس نے شعر کہہ دیا اور وہ حالت احرام میں تھے۔

وھن یمشین بنا همیساً ان صدق الطیر ننک لمیسا ([573])

اور وہ ہم پر نرمی کے ساتھ چلے اگر پرندے نے سچ کہا ہو تو یہ ان کے لئے لائق نہیں۔

پس آپ کو کہا گیا کہ آپ نے فحش گوئی کی تو آپ نے فرمایا کہ فحش گوئی تو وہ ہوتی ہے جو عورتوں کے ساتھ ہو ([574])۔رفث میں قولاً اور فعلاً دونوں کا احتمال ہے۔اور اصل اس میں یہ ہے کہ متعدی ہوتا ہے، با، کے ساتھ اور جب متضمن ہو حاجت پورہ کرنے کے معنی کو۔اور شروع حکم سے اس کو کنایہ نہیں بنایا کیونکہ اس سے مقصود جماع ہے۔پس اس کی طرف مسافت کو مختصر کیا۔اور اس بات پر خبر دینا کہ یہ کنایہ ہے۔تو تمام قرآن میں یہ ڈھانپنے، مباشرت، مسح کرنے اور دخول کے معنی میں ہے۔اس فعل کی قبیح ہونے کی وجہ سے جو اباحت سے پہلے اس میں پائی جاتی ہے۔اسی وجہ سے اس کو ابحت کے بغیر خیانت کہا گیا ہے۔اور نسآء نسوۃ کی جمع ہے اور یہ جمع الجمع ہے۔اور امراءۃ کی غیر لفظ جمع ہے۔اور اس کا اضافت ضمیر مخاطبین کی طرف اختصاص کیوجہ سے ہے۔کیونکہ اس سے جماع صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے لئے یا تو تزویج یا تملیک کے ساتھ خاص ہو۔اور عبداللہؓ نے اس کو (الرفوث) پڑھا ہے ([575])۔( هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ) یعنی وہ تمہارے لئے سکون کا سامان ہے اور تم اس کے لئے سکون کا سامان ہو۔یہ ابن عباسؓ کا قول ہے جب آپ سے نافع بن ازرقؒ ([576]) نے پوچھا۔کہ کیا عرب اس کے بارے میں جانتے ہیں تو آپ نے ذیبانیؒ کا یہ شعر پڑھا۔

اذا ما الضجیع ثنی عطفه تثنت علیه فکانت(لباسا) ([577])

ترجمہ۔اور جب مرد وعورت ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملتے ہیں۔اور ہر ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے۔اور ہر ایک کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی وجہ سے لباس سے تشبیہ دی گئی۔اور یا اس وجہ سے کہ ہر ایک ایک دوسرے کو ڈھانپتا ہے اور اس کو

---

573 ۔کافی جستجو اور کوشش کے بعد اس کا قائل معلوم نہ ہو سکا

574 ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:187

575 ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 187۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 187

576 ۔ابو راشد نافع بن الازرق بن قیس بصرہ میں پیدا ہوئے۔فرقہ ازارقہ کا امیر تھا۔اپنے زمانے میں بڑا فقیہ تھا۔امیر بصرہ مسلم بن عیس کے لشکر کے امیر تھے۔اپ کے وفات کے بعد آپ امیر لشکر بن گئے۔عبداللہ بن زبیر کے دور میں خوارج کی طرف مائل ہوئے تھے۔65ھ/685ء کو وفات پائی۔ابن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج1، ص396

577 ۔الجعدی، دیوان النابغہ، ص81

گناہ سے منع کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جس نے شادی کی اس نے اپنے ثلث دین کو محفوظ کر لیا([578])۔اور دونوں جملے جملہ مستانفہ (مستقل جملے) ہیں۔اور اگر بیانیہ ہوتے تو اس کا مزہ اور ذوق ختم ہو جاتا۔اور اس کا مضمون حکم سابق کے سبب کے لئے بیان ہے اور وہ ان عورتوں سے تھوڑا صبر کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے جملے سے مستفاد ہوتا ہے۔اور اس کام سے سختی سے اجتناب کرنے کی وجہ سے۔ جیسا کہ دوسرے جملے سے مستفاد ہوتا ہے۔اور آدمی کا عورت کی طرف ضرورت ظاہر ہونے کی وجہ سے اور اس سے کم صبر کی وجہ سے۔اس وجہ سے پہلے کو مقدم کیا گیا۔اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ کوئی خیر نہیں ہے عورت میں اور نہ اس سے صبر ہو سکتا ہے۔ یہ عورتیں کریم پر غالب آتے ہیں اور بدکار آدمی ان عورتوں پر غالب آتے ہیں۔(اور آپ ﷺ نے فرمایا) میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میں کریم اور مغلوب ہوں اس سے کہ میں بدکار اور غالب ہو([579])۔(عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ) یہ جملہ معترضہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول، (أُحِلَّ) اور اس کے درمیان جو اس سے تعلق رکھتا ہو جو کہ (فَالآنَ) ہے۔ ان کے حال کو بیان کرنے کے لئے اس نسبت سے جو زیادتی قبل جواز اس سے سرزد ہوئی تھی۔اور (عَلِمَ) کا معنی کہ اس کا علم متعلق ہو۔اور اختیان کا معنی انسان کے شہوت کو خیانت کرنے کے لئے حرکت دینا۔اور یا خیانت بلیغہ مطلب یہ کہ اپنے نفسوں کو عذاب کے لئے پیش کرنا اور اپنے ثواب میں کمی کرنا۔اور اپنے آپ پر ظلم کرنا۔اور اس سے مراد اس پر دوام ہے ماضی میں اس کے خبر دینے سے پہلے۔ جیسا کہ ماضی اور مضارع کے صیغے اس پر خبر دیتا ہے اور وہ علم کے متعلق ہے۔اور جو صیغہ اولیٰ سے فہم میں آتا ہے۔ کہ اس خیانت پر علم پہلے سے تھا۔اور اس کو ازلی پر حمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اس کی طرف بعض حضرات گئے ہیں۔ (فَتَابَ عَلَيْكُمْ) یہ عطف ہے (عَلِمَ) پر۔اور فاء صرف تعقیب کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ علم رکھتے تھے آپ کے توبہ سے پہلے اور مراد اس سے گناہ کرنے سے پہلے توبہ کرنا۔(وَ عَفَا عَنكُمْ) یعنی اس کے اثر کو ختم کر دیا اور اس کے حرام ہونے کو زائل کر دیا۔اور کہا گیا ہے کہ اول تحریم کے ازالہ کے لئے ہے اور یہ دوسرا گناہوں کی مغفرت کے لئے ہے۔( فَالآنَ) یہ مرتب ہے اللہ تعالیٰ کے قول(أُحِلَّ لَكُمْ) پر۔ مقصود کو نظر کرتے ہوئے جو کہ تحریم کا زائل کرنا ہے۔یعنی جب آپ کے لئے حرمت کو منسوخ کیا اور وہ رمضان کی رات ہے۔ جیسا کہ آنے والی غایہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چار احکام کے لئے ہے جن کا یہ ظرف ہے۔اور حضور تحریم کی منسوخ ہونے سے فہم ہوتا ہے۔اور یہ حاضر مراد نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول(بَاشِرُوهُنَّ) کو نظر کرتے ہوئے۔اور کہا گیا ہے۔ کہ اگرچہ وقت حاضر میں حقیقت ہے۔ لیکن کبھی کبھار اس کا اطلاق مستقبل قریب پر ہوتا

---

578 ۔ إذا تزوج أحدُكم عجَّ شيطانُه يقول يا ويلَه عَصَمَ ابن آدم منى ثلثى دينه،سیوطی، جامع الکبیر، داراحیاء التراث، بیروت، س۔ن، رقم:1629

579 ۔ فقلت يا أمير المؤمنين قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إنهن يغلبن الكرام ويغلبهن اللئام، اس الفاظ سے حدیث موجود نہیں ہے۔ یہ حضرت معاویہؓ کا قول ہے جو ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن، تاریخ مدینہ ودمشق، المعروف بتاریخ ابن عساکر، داراحیاء التراث، بیروت، س۔ن، ج19 ، ص448

ہے۔اور اس کو حاضر کے منزلہ میں نازل کرنا اور یہی مراد ہے یہاں۔اور یا یہ اپنے حقیقت پر حمل ہے۔اور تقدیر اس کا یوں ہے کہ بے شک ہم نے تمہارے لئے اس سے مباشرت کو حلال کر دیا۔اور مباشرت اصل میں چمڑے کو چمڑے کے ساتھ پیوست کرنا ہے۔اور اس کا اطلاق جماع پر کیا گیا ہے کیونکہ یہ پیوست کرنا اس کے ساتھ لازم ہے۔

(وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ)یعنی طلب کرو اس اولاد کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لوح محفوظ میں مقرر کیا ہے۔اور یہ ابن عباسؓ،ضحاکؒ اور مجاہدؒ وغیرہ سے روایت ہے۔اور مراد اس سے دعا کرنا ہے کہ بندہ یوں فرمائے۔اے اللہ جو آپ نے ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے اسے ہمیں دیجئے۔اور یہ دعا اس پر موقوف نہیں کہ کسی کو یہ علم ہو کہ اس کے لئے اولاد مقرر کیا ہے۔اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے مراد جو تمہارے جنس کے لئے مقرر کیا ہے۔اور اس کی تعبیر،ما،سے وصف کو نظر کرتے ہوئے کیا ہے جیسا کہ (وَالسَّمَاءَ وَماَ بَنٰہاَ) ([580])میں ہے۔اور آیت میں دلیل ہے کہ مباشرت کرنے والا نکاح(جماع) کے ذریعے حفظ نسل کا پختہ ارادہ کرے۔صرف شہوت پورہ کرنا اس کا مقصد نہ ہو۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے شہوت جماع کو ہماری نسل کی بقاء کا ذریعہ بنایا ہے۔جس طرح کہ ہمارے وجود کی بقاء کے لئے خوراک کی طرف شہوت کو ٹھہرایا ہے۔اور صرف شہوت کو پورا کرنا مناسب نہیں مگر صرف جانوروں کے لئے۔اور بعض نے اس شہوت کے طلب کرنے کو عزل سے منع کرنے کو کنایہ ٹھہرایا ہے۔اور یا بے حیائی کو آنے سے کنایہ ہے۔اور بعض نے اس کی تفسیر یہ کی جو اول مرتبہ میں اس کے لئے لکھا ہے۔جو صحیح طریقے سے اپنے محل میں پانی کو بہائے۔یعنی کہ اس کو طلب کرو عزل اور بے حیائی کے علا وہ ا ور مشہور اس دونوں کا حرمت ہے۔پس جو پہلا ہے تو کتب میں مذکور ہے کہ آزاد عورت سے اس کے اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں ہے۔اور کنیز منکوحہ سے اس کے رضا کے بغیر۔اور یا اپنے آقا کی اجازت سے بغیر امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف کے ساتھ۔اور اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے لونڈی سے اس کے رضامندی کے بغیر عزل کیا جائے۔اور جو دوسرا ہے اس پر تفصیلی کلام ان شاءاللہ عن قریب آجائے گا۔اور حضرت انسؓ سے اس کی تفسیر لیلۃالقدر سے روایت کی گئی ہے۔اور ابن عباسؓ سے بھی اس طرح مروی ہے۔اور قتادہؒ سے روایت ہے کہ اس سے مراد یہ کہ وہ رخصت طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ رخصت کو پسند کرتا ہے۔جس طرح کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں کو قبول کر لیا جائے۔اور اسی تفسیر سے یہ جملہ تاکید یہ ہوگا ما قبل کے لئے۔اور حضرت عطاء سے روایت ہے۔کہ آپ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اس آیت کو آپ کس طرح پڑھتے ہیں۔(ابْتَغُواْ)یا(اتَّبِعُوْا)پس آپ نے فرمایا دونوں میں جو تم جو چاہتے ہو۔لیکن تم پر لازم ہے کہ پہلے قراءات کے ساتھ پڑھو۔([581])

---

[580] ۔سورۃالشمس:5

[581] ۔ابن جریر،تفسیر طبری،سورۃالبقرۃ: 187

( وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ)یعنی تمام رات(حَتَّى يَتَبَيَّنَ)یعنی ظاہر ہو جائے۔(لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ)اور یہ وہ ہے جو صبح صادق سے پہلے جو جو اسمان کے کناروں پر انتشار سے پہلے عرضاً ہوتا ہے۔اور فجر کاذب جو مستطیلًا ہوتا ہے اس پر اس کا حمل کرنا وہم ہے۔( مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ)اور یہ وہ صبح کی سفیدی ہے ہے جو شب کی آخری حصے کی تاریکی کے ساتھ ہوتا ہے۔(مِنَ الْفَجْرِ) یہ خیطین میں سے اول کے لئے بیان ہے اور دوسرا اس سے واضح ہوتا ہے۔اور اس کو بیان کے ساتھ خاص کیا کیونکہ یہی مقصود ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے لئے بیان ہے۔اس حیثیت سے کہ فجر ان دونوں کے مجموعے سے عبارت ہے۔الطائی ([582])کی قول کی وجہ سے۔

وارزق الفجر يبدو قبل ابيضہ۔([583])

ترجمہ۔اور فجر کی زرقت اس کی سفیدی سے پہلے ظاہر ہوتی ہے۔

پس یہ آیت آپ کے اس قول کے وزن پر ہے۔ یہاں تک کہ قوم کے عالم جاہل سے جدا اور واضح ہوئے۔اور اس تفسیر سے خیطان استعارہ سے نکل کر تشبیہ بن گیا۔کیونکہ انکے نزدیک اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو باالکلیہ نسیاًمنسیاً کیا جائے گا۔اور یہ دعوی کرنا کہ مشبہ ہی مشبہ بہ ہے۔اگر قرینہ نہ ہو۔اور بیان اس کی خبر دیتا ہے۔کہ اس کا مراد اس طرح ہوگی۔کہ ،مثل هذا الخيط وهذاالخيط، کیونکہ یہ دونوں مشبہ اور استعارہ کا محتاج نہیں۔اور یہ بھی جائز ہے کہ (مِنَ) تبعیضیہ ہو کیونکہ فجر کا ایک جز ظاہر ہونا ایسا ہے جیسا کہ فجر پوری ظاہر ہوئی۔اس حیثیت سے کہ یہ اسم ہے کل اور جز کے درمیان قدر مشترک کے لئے۔اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ پہلا (مِنَ) ابتداء غایہ کے لئے ہے۔اور اس میں فعل متعدی ممتد ہو گا۔اور یا شئ ممتد کے لئے اصل ہو گا۔اور اس کی علامت یہ ہو گی کہ اس کے مقابلے میں (اِلیٰ) یا وہ جس سے اس کا معنی مستفاد ہوتا ہے مستحسن ہو گا۔اور یہاں پر جو ہے وہ اس طرح نہیں ہے۔پس ظاہر یہی ہے کہ یہ متعلق ہے (يَتَبَيَّنَ) کے ساتھ تمیز کے معنی کے ساتھ متضمن ہونے کی وجہ سے۔اور اس کا معنی یہ ہو گا۔یہاں تک کہ آپ کو فجر واضح ہو جائے جو رات کے اندھیرے سے ممتاز ہو۔پس اس کا غایہ مقدم کا مباح ہونا ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے واضح اور جدا ہو جائے۔اور اسی وجہ سے ،حتى يتبين لكم الفجر ،اور ،يتبين كلم الخيط الابيض من الفجر ،پر عدم اکتفاء کیا۔کیونکہ فجر کے ظاہر ہونے کے لئے مراتب زیادہ ہیں۔پس پھر حکم مجمل ہوتا اور بیان کا محتاج ہوتا۔اور جو امام بخاریؒ،امام مسلمؒ وغیرہ نے سہل بن سعدؓ سے روایت نقل کیا ہے

---

582۔ کعب بن اشرف الطائی۔ بنو نبہان سے تعلق تھا۔ جاہلی شاعر تھا۔اُس کی ماں بنونضیر سے تھی اس لیے کعب بن اشرف نے بھی یہودیت اختیار کی۔ اپنی ننہال میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کے قریب ایک قلعہ میں رہائش تھی جس میں کھجور اور خورد ونوش کے اشیاء کی تجارت کرتا تھا۔ اسلام کے صفِ اول کے دشمنوں میں تھا۔ مسلمان عورتوں کو دیکھ کراُن کی ہجو کرتا تھا۔ 3ھ/624ء کو رسول اللہ نے پانچ صحابہ کرام بھیج کراُسے قتل کرانے کا حکم دیا۔ السہیلی، عبدالرحمان، الروض الانف، دارُاحیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ/2000ء، ج2، ص 284۔ الزرکلی، الاعلام، ج5 ، ص225

583 ۔ دیوان بحتری، اور اس شعر کا اول حصہ یہ ہے، واول الغيث قطر ثم ينكسب۔ ج1، ص171

فرماتے ہیں۔ کہ (وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ)نازل ہوا تھااور (مِنَ الْفَجْرِ)نازل نہیں ہوا تھا۔ پس کچھ لوگ تھے۔ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاؤں میں سفید اور کالے دھاگے باندھ لیتے تھے۔ اور اس کے دیکھنے تک کھاتے پیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد (مِنَ الْفَجْرِ)نازل فرمایا۔ پس وہ جان گئے کہ اس سے مراد دن اور رات ہے۔([584])پس اس میں کوئی نص نہیں ہے کہ آیت بیان سے پہلے اس طرح تھا کہ اس سے مقصود فہم نہیں ہوتا تھا مگر اس بیان سے۔ اور یہ بات کہ بوقت ضرورت بیان کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔ اس بات کو جائز کرنے کے لئے کہ ان دونوں دھاگوں سے یہ مراد لینا مشہور ہے۔ مگر یہ بات درست ہے کہ بیان پر تصریح کی کہ بعض لوگوں پر اشتباہ آیا تھا۔ اور آپ ﷺ کے ارشاد سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کا وصف بیان کیا تھا جو قبل تصریح بیان اس پر نہیں سمجھتے تھے سادگی کی وجہ سے۔ اور اگر یہ حکم موقوف ہوتا بیان پر پھر تو اس میں ذہین اور کند ذہن برابر ہوتے۔ سفیان ابن عیینہؒ، امام احمدؒ۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ۔ ابوداودؒ، اور ترمذیؒ نے عدی بن حاتمؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت (وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ)نازل ہوئی۔ تو میں سفید اور کالہ دھاگہ لیا اور اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ پس میں ان دونوں کو دیکھتا۔ پس مجھے سفید اور کالے دھاگے کے درمیان تمیز نہ ہو سکی۔ جب صبح ہوئی تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا واقعہ بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ آپ کا تکیہ اس طرح بڑا ہوگا۔ اور اس سے رات کے اندھیرے سے صبح کی سفیدی مراد ہے۔([585])

ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تو بڑے گردن والا ہے۔([586])اور یہ بات کہ آیت کی نزول رمضان کے داخل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے تو یہ قول مبہم ہے۔ اور بیان ضروری تھا مگر یہ وقت خطاب سے مؤخر کیا نہ کہ وقت حاجت سے مؤخر

---

584 ۔حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ح حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أُنْزِلَتْ {وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنْ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ} وَلَمْ يَنْزِلْ {مِنْ الْفَجْرِ} فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ وَلَمْ يَزَلْ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدُ {مِنْ الْفَجْرِ} فَعَلِمُوا أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ، صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنْ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنْ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ} رقم:1917

585 ۔حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيٍّ قَالَ أَخَذَ عَدِيٌّ عِقَالًا أَبْيَضَ وَعِقَالًا أَسْوَدَ حَتَّى كَانَ بَعْضُ اللَّيْلِ نَظَرَ فَلَمْ يَسْتَبِينَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلْتُ تَحْتَ وِسَادِي عِقَالَيْنِ قَالَ إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَعَرِيضٌ أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ ، صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنْ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنْ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ}، رقم:4509

586 ۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا { الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنْ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ } أَهُمَا الْخَيْطَانِ قَالَ إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ ثُمَّ قَالَ لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ، صحیح بخاری، کتاب الصوم ،بَاب قَوْلِهِ { وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى

کیااور اس میں کوئی نقصان نہیں۔اور اس میں جو کمی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ابو حیانؒ فرماتے ہیں۔کہ یہ نسخ کے باب میں سے ہے۔کیاتو نہیں دیکھتا کہ صحابہ کرامؓ نے آیت کے ظاہر پر عمل کیا جس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔پھر یہ بیان کے ذریعے مجاز ٹھہرایا گیا۔لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نسخ مستقل کلام کے ذریعے ہوتا ہے اس طرح نہیں ہوتا۔([587])

ان اوامر میں دلیل ہے اس بات پر کہ کتاب اللہ کا نسخ سنت رسول سے جائز ہے۔بلکہ اس کے واقع ہونے کا۔اس قول کے ذریعے کہ حکم منسوخ حرمت جماع، کھانا پینا سنت کے ذریعے سے ثابت ہو گیا ہے۔اور قرآن میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔اور (أُحِلَّ) بھی اس پر دلالت کرتا ہے مگر یہ بغیر بدل کے نسخ ہے اور یہ مختلف فیہ ہے۔اور آیت سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ جنبی کے لئے روزہ رکھنا درست ہے۔کیونکہ مباشرت کا مباح ہونا صبح کے ظاہر ہونے تک ہے۔اس مباشرت کے مباح ہونے کا ثبوت رات کے آخری وقت جو کہ صبح کے ساتھ متصل ہے۔جب اس آدمی نے آخری جز میں جماع کیا تو اس پر حالت جنب میں صبح ہو گئی۔اگر صوم جائز نہ ہوتا تو پھر کیوں اس کے لئے مباشرت جائز تھی۔کیونکہ جنابت اس کے ساتھ لازم ہے۔اور لازم کا منافی ملزوم کا منافی ہوتا ہے۔اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ منی کا خروج جو جماع سے حاصل ہو وہ اگر صبح کے بعد ہو۔کیونکہ یہ روزہ کو فاسد کرتا ہے۔اور یہ ہی جماع کے مکملات میں سے ہے۔پس یہ جماع ہے جو صبح میں واقع ہوا ہے۔اور جنابت کی طرح جماع کا لازم نہیں ہے۔اور بعض نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کے صحت کا انکار کیا ہے اس گمان سے کہ غایہ اپنے کام سے متعلق ہوتا ہے جو کہ جماع ہے۔اور انہوں نے استدلال کیا ہے ان آثار سے جو محدثین کے نزدیک اس کا خلاف درست ہے۔([588])اور اسی سے استدلال کیا ہے ان حضرات کے لئے کھانے کے جواز پر جو صبح میں شک کرتے ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مباح کر دیا ہے جو مباح ہوتے صبح کے ظاہر اور واضح ہونے تک اور شک کے ساتھ واضح نہیں ہوتے۔کیونکہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔خلاف ثابت ہے امام مالکؒ اور مجاہدؒ کے لئے اس کے عدم قضاء پر۔ ([589])کیونکہ اس نے تو کھانا اس وقت میں کھایا ہے جس میں اس کے لئے مباح تھا۔اور سعید بن منصورؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔([590])اور یہ المنصورؒ نہیں ہے۔ائمہ اربعہ کے

---

يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنْ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنْ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ إِلَى قَوْلِهِ يَتَّقُونَ }،رقم:4510

[587]۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:187

[588] ۔قرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، سورۃ البقرۃ: 187

[589]۔سیوطی، استنباط التنزیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن، ص42

[590]۔سنن، سعید بن منصور، ج2 ،ص701

نزدیک نہار شرعی کا اول طلوع فجر ہے۔پس کوئی فعل محظور صبح کے داخل ہونے کے بعد جائز نہیں ہے۔اور اعمشؒ (591) نے اس کی مخالفت کی ہے۔اور اعمشؒ کی تابعداری سوائے اعمی کے کسی نے نہیں کی ہے۔پس اس کا خیال ہے کہ نہار کا اول طلوع شمس ہے جیسا کہ عرفی دن ہے۔اور طلوع فجر کے بعد محظورات کو جائز قرار دیتا ہے۔اور اسی طرح امامیہ بھی فرماتے ہیں۔اور انہوں نے (مِنَ الْفَجْرِ) حمل کیا ہے تبعیض پر اور اس سے جزآخیر کا مراد لیا ہے۔اور اس کے لئے اس خبر سے دلیل لیتے ہیں۔صلاۃ النہار عجماء،(592) اور فجر کا نماز اس میں نہیں ہے بلکہ وہ لیل میں ہے۔اور بعض نے اس کی تاکید اس طریقے سے کی ہے کہ جس طرح غروب شمس کے بعد کا اندھیرا رات کے آنے کے لئے کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔اس طرح طلوع شمس سے پہلے کا اندھیرا بھی ہے۔اور ایک چیز کے دونوں اطراف مساوی ہوتے ہیں۔اور حکمت کے اعتبار سے اچھے ہوتے ہیں۔اور ابتداء کی طرف عود ہوگا۔اور اس میں اشارہ ہے کہ دن کا خبر تسلیم صحت کے بعد یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ معنی عرفی میں ہو۔اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے یہ ہوتا جس طرح ان لوگوں کا گمان ہے تو اس طرح فرماتے،کلوا واشربوا الی النہار،( ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ) اس کے ساتھ کہ یہ زیادہ مختصر اور دلائل کے زیادہ موافق ہے۔اس سے جس کی طرف عدول کیا ہے۔اس حیثیت سے نہ کیا جائے۔کہ حکم فجر کے ساتھ مربوط ہے۔نہ کہ طلوع شمس کے ساتھ برابر بات کہ یہ دن سے حساب کیا جائے یا نہ کیا جائے۔اور جو استحسان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔کہ ان کے دونوں اطراف مساوی ہونا چاہئے۔اس طرح کہ وہ نہ تو فربہ کرتا ہے اور نہ بھوک کو مٹاتا ہے۔تو اس باب میں اس کا معارضہ اس طریقے پر ہوگا۔کہ اول نہار کا اول لیل کی طرح ٹھہرایا جائے۔اور یہ دونوں متقابلین میں سے ہے۔جو کہ دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عظیم قدرت پر جو حکیم ذات ہے۔اور انتہاء کو دیکھ کر غایہ اتمام ہے۔اور جائز ہے کہ اس کو الصیام سے حال ٹھہرایا جائے۔اور محذوف کے متعلق ہو جائے۔اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو صرف ایجاب کے لئے غایہ ٹھہرایا جائے کیونکہ اس میں امتداد نہیں ہے۔اور دونوں تقدیروں پر آیت دلالت کرتا ہے کہ رات صوم کا محل نہیں ہے۔اور یہ کہ دو دن کا روزہ ایک دن کا ہو جائے۔جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صوم وصال کی حرمت پر استنباط کیا ہے۔امام احمدؒ نے لیلیٰ حضرت بشیر بن خصاصیہؓ سے نقل کیا ہے۔فرماتی ہے۔کہ میں نے متواتر دو دن بغیر افطار کے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔تو میرے شوہر بشیر نے مجھے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔اور فرمایا کہ رسول اللہ

591 ۔ سلیمان بن مہران،اسدی،ابو محمد،اعمش،تابعی ہیں۔61ھ/281ء کو پیدا ہوئے۔کوفہ میں سکونت تھی اور وہیں 148ھ/765ء کو وفات پائی۔قرآن وحدیث اور علم فرائض [میراث] کے بہت بڑے عالم تھے۔صدق و سچائی کی وجہ سے، مصحف ،کے نام سے مشہور تھے۔1300 احادیث کے راوی ہیں۔ذہبی،تذکرہ الحفاظ،ج1 ،ص45۔الزرکلی،الاعلام،ج3 ،ص135

592۔عبد الرزاق عن بن جريج قال أخبرني عبد الكريم الجزري عن الحسن قال صلاة النهار عجماء لا يرفع بها الصوت إلا الجمعة والصبح وما يرفع، مصنف عبدالرزاق، تحقیق:شعیب الارنوؤط،کتاب الصلاۃ،باب تردید الایۃ فی الصلاۃ وباب قراءۃ النہار،رقم:4199 ۔ حکم حدیث:شعیبؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور فرمایا کرتے کہ نصاریٰ ایسا کرتے تھے۔لیکن تم اس طرح روزے رکھا کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا ہے۔کہ تم اپنے روزوں کو رات تک رکھا کرو اور جب رات یعنی غروب آفتاب ہو جائے تو افطار کیا کرو۔([593])اور آیت دلالت نہیں کرتا اس بات پر کہ جب روزہ کے درمیان افطار متخلل ہو جائے تو روزہ درست نہیں ہے۔خلاف ثابت ہے ان حضرات کے لئے جو اس کے خلاف گمان رکھتے ہیں۔اس آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ روزے کا دن کے وقت میں نیت کرنا درست ہے۔اور اس کی اثبات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول(ثُمَّ أَتِمُّوا)عطف ہے(بَاشِرُو هُنَّ) پر اور اس سے لے کر (حَتَّى يَتَبَيَّنَ)تک پر عطف ہے۔اور لفظ(ثُمَّ)تراخی اور تعقیب کے لئے ہے۔اور(الصِّيَامَ)میں لام عہد کے لئے جیسا کہ اصل یہ ہے۔پس(ثُمَّ أَتِمُّوا)کا مفاد اتمام صیام پر امر ہے۔جو کہ معہود ہے۔یعنی وہ خاص امساک جس پر انتہاء کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے۔خواہ اس کی تفسیر مکمل اور پوری طرح کرنے سے ہو یا اس کو امور مذکورہ میں سے متراخی کے لئے ٹھہرایا جائے۔جو طلوع فجر کے ہونے سے تقاضا کرتا ہے(ثُمَّ)کے معنی کو ثابت کرنے کے لئے۔ پس روزے کا نیت فجر کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد ہو گیا۔اس لئے کہ ایک فعل کا قصد کرنا اس وقت لازم اور ضروری ہوتا ہے۔جس وقت خطاب متوجہ ہو جائے۔اور خطاب اس کو صبح کے تام ہونے کے بعد متوجہ ہوتا ہے۔کیونکہ یہ اس جز کے بعد ہوتا ہے جو رات کا انتہاء ہے۔تراخی کے معنی ثابت کرنے کے لئے۔اور رات ختم نہیں ہوتا مگر اس کا ایک جز فجر کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔پس نیت فجر کے اس جز کے بعد ہو گا جس پر رات کا انتہاء ہوتا ہے۔اور امساک اس میں حاصل ہوتا ہے۔اگر کہا جائے اگر اس طرح ہے تو اس کے گزرنے کے بعد نیت واجب ہوتا ہے۔تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا۔کہ اس کا ترک کرنا اجماع سے ثابت ہے۔اور یہ کہ عمل کرنا دو دلیلوں پر اگرچہ ایک وجہ سے ہو۔یہ اولیٰ ہے اس سے کہ ایک کو مہمل چھوڑا جائے۔اگر ہم آیت پر عمل کرتے ہوئے وجوب نیت کا قول کرے۔تو اس حدیث پر عمل ترک ہو جائے گا۔،جس نے رات سے نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ہے۔([594])اور اگر نیت کو اس سے پہلے شرط قرار دیا جائے حدیث پر عمل کرتے ہوئے تو پھر آیت پر عمل نہیں ہو سکتا ہے۔پس ہم نے دونوں پر عمل کرتے ہوئے نیت کے جواز کا کہہ دیا ہے۔اگر کہا جائے کہ آیت کا مقتضی وجوب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور خبر واحد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔تو اس کا جواب دیا جائے گا کہ اس کا متروک ہونا اجماع سے ثابت ہے۔تو کوئی قاطع باقی نہیں رہا۔اور خبر واحد اس کے لئے بیان ٹھہرایا جائے گا۔اور بعض لوگوں کے استدلال کا اثبات ایک الگ طریقے سے ہے۔اور جو ہم نے ذکر کیا یہ آسان ہے

---

[593]۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدُ وَعَفَّانُ قَالَا ثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ إِيَادٍ حَدَّثَنَا إِيَادٌ يَعْنِي ابْنَ لَقِيطٍ عَنْ لَيْلَى امْرَأَةِ بَشِيرٍ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أَصُومَ يَوْمَيْنِ مُوَاصِلَةً فَمَنَعَنِي بَشِيرٌ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهُ وَقَالَ يَفْعَلُ ذَلِكَ النَّصَارَى وَقَالَ عَفَّانُ يَفْعَلُ ذَلِكَ النَّصَارَى وَلَكِنْ صُومُوا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَأَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ فَأَفْطِرُوا،مسند امام احمد، تحقیق:شعیب الارنوؤط،رقم:21955۔حکم حدیث:شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[594]۔ایضاً

پس غور و فکر کرو۔اور بعض شوافع نے گمان کیا ہے۔کہ آیت رات کے گزرنے اور شب بیداری پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ (ثُمَّ أَتِمُّوا)کا معنی یہ ہے۔کہ اس کو پورہ صبح کے ظاہر ہونے کے بعد تک۔اور یہ اس میں پہلے سے شروع کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔اور یہ صرف نیت سے ہوتا ہے۔کیونکہ اس سے پہلے توامساک کا وجوب نہیں ہے۔اوراس میں جو کمزوری ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

(وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ)یعنی کہ اس میں اعتکاف کرتے ہو۔اعتکاف لغت میں مطلق ٹھہرنا اور لازم رہنے کو کہتے ہے۔اوراسی سے یہ قول ہے۔

فباتت بنات الليل حولی۔عکفاً۔عکوف۔ بواکی حولهن صريع[595]

ترجمہ۔عورتوں نے میرے ارد گرد پوری رات گزاری اوراس رات میں ان کے درمیان رونے اور تیز آواز کی چیخیں تھی۔

اور شریعت میں مخصوص طریقے سے وقت گزارنے کو اعتکاف کہتے ہے۔اور یہ نہی ما قبل اوامر پر عطف ہے۔اوراعتکاف میں مباشرت ایسا ہے جیسا کہ مسجد میں مباشرت ہو۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ مباشرت سے مراد جماع ہے۔مگر یہ کہ اباحت جماع سے لازم آتا ہے بوس وکنار اور چھونے کی اباحت وغیرہ۔بخلاف نہی کے کیونکہ جماع میں منع ہونے کے ساتھ یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں سے نہی کیا جائے۔پس یا تو یہ دونوں مباح ہوں گے اتفاقاً جب یہ بغیر شہوت کے ہو۔اور یا حرام ہوں گے جب یہ شہوت کے ساتھ ہو اور اعتکاف باطل کرتا ہے جب تک انزال نہ ہو۔کبار شوافعؒ نے ان دونوں کے بطلان کو صحیح قرار دیا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مباشرت سے مراد دو جسموں کا ملنا ہے۔تو یہ قول کہ آیت میں مطلق مباشرت سے منع ہے یہ درست نہیں ہے۔کیونکہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے سر میں کنگھی کیا کرتے تھے۔اس حالت میں کہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے۔[596]اوراعتکاف کا مسجد کے ساتھ مقید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف بغیر مسجد کے درست نہیں ہے۔اگر مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں جائز ہوتا تو گھر میں بھی جائز ہوتا اور گھر میں اعتکاف کا ناجائز ہونا اجماع سے ثابت ہے۔اور امام زہریؒ کے نزدیک جامع مسجد کے ساتھ خاص ہے۔اورامام ابوحنیفہؒ سے روایت نقل کیا گیا ہے۔اعتکاف اس مسجد میں جائز ہے جس کا باقاعدہ امام اور مؤذن ہو۔اور حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اعتکاف تین مساجد تک خاص ہے۔اور حضرت علیؓ سے روایت کہ اعتکاف جائز نہیں مگر صرف مسجد حرام میں۔اور سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ صرف مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جائز ہے۔امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق اعتکاف تمام مساجد میں مطلقاً جائز ہے۔لفظ کے عموم پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔اوراس اعتبار سے کہ مطلق کو کامل کی طرف راجع کیا جائے گا۔اور آیت سے استدلال کیا ہے کہ عورت کا اعتکاف مسجد کے علاوہ گھر میں جائز ہے۔اس اعتبار سے کہ عورتیں مردوں کے خطاب میں داخل نہیں۔اور اعتکاف میں روزے کا شرط کرنا اس لئے کیونکہ خاب کا حصر صرف صائمین میں

---

595۔دیوان الطرماح، ص295

596۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا يُنَاوِلُهَا رَأْسَهُ ، صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب المعتکف یدخل راسہ البیت للغسل، رقم:2046

ہے۔پس اگر روزہ اعتکاف کے لئے شرط نہیں ہوتا تو اس یہ معنی نہیں ہوتا۔اور یہ ابن عمرؓ کے مولیٰ نافعؒ اور عائشہؓ سے روایت ہے۔اسی وجہ سے اعتکاف ایک دن سے کم جائز نہیں جس طرح روزہ دن سے کم جائز نہیں۔اور امام شافعیؒ اعتکاف کے لئے روزہ اور دن کو شرط قرار نہیں دیا۔جیسا کہ دار قطنیؒ اور حاکمؒ سے روایت ہے۔(اور حاکمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)ابن عباسؓ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔معتکف پر روزہ لازم نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے آپ پر لازم کر دے۔([597])اور ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔حضرت علیؓ سے دو روایتیں یں جو ابن ابی شیبہؒ نے دو طریقوں سے نقل کیا ہے۔ایک میں روزہ شرط ہے اور دوسرے میں شرط نہیں ہے۔اور یہ کہ جب معتکف مسجد سے نکل جائے اور مسجد سے باہر جماع کیا تو جائز ہے۔کیونکہ اس کو جماع سے منع کیا ہے اس حال میں کہ جب وہ مسجد میں موجود ہو۔تو اس کا جواب دیا جائے گا کہ معنی یہ ہوگا تم اس سے جماع نہ کرو اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والوں ہو۔اور جو کوئی قضائے حاجت کے لئے مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف باقی ہے۔اور اس کی تائید وہ روایت کرتا ہے جو قتادہؒ سے روایت کیا گیا ہے۔کہ لوگ اعتکاف میں تھے اور اپنی بیوی کے پاس نکل جاتا اور اس سے مباشرت کرتا اور پھر واپس لوٹ جاتا۔پس اس سے ان کو منع کیا گیا۔اور اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ وطی اعتکاف کو فاسد کرتی ہے کیونکہ نہی تحریم کے لئے ہے۔اور وطی عبادات میں فساد کو واجب ٹھہراتی ہے۔اور اس میں منہی عنہ (جس سے منع کیا گیا ہو) مباشرت ہے حالت اعتکاف میں۔اور اعتکاف عبادات میں سے نہیں ہے۔یہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ جب ایک امر منہی عنہ عبادات میں واقع ہو جائے جیسا کہ اعتکاف میں جماع ہے۔تو یہ عبادت بھی منہی ہوگا اس اعتبار سے کہ یہ عبادت بھی منہی پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ متصل ہے۔تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس میں فرق ہے۔کسی چیز کا منہی عنہ ہونا اس اعتبار سے کہ وہ اس کے ساتھ مقارن ہے۔اور مقارن کا منہی ہونا جو اس شئ میں ہو۔اور اعتراض اول پر ہے اور ہماری تفصیل دوسرے قسم سے ہے۔ (تِلْكَ) چھ احکام مذکورہ جو ایجاب، تحریم اور اباحت پر مشتمل ہیں۔( حُدُودُ اللهِ)یعنی حق و باطل کے درمیان حائل ہونے والے(فَلاَ تَقْرَبُو هَا)تاکہ باطل کے قریب نہ جائے۔اور اس حدود یعنی احکام کے قریب جانے سے منع کرنا یہ باطل کے قریب جانے سے کنایہ ہے کیونکہ اول لازم ہے ثانی کے لئے۔اور یہ کلام (لاَتَعْتَدُوْ هَا) سے بلیغ ہے۔کیونکہ یہ نہی ہے باطل کے قریب جانے سے جو صریح سے زیادہ بلیغ ہے۔اور یہ باطل میں واقع ہونے سے بطریق صریح نہی ہے۔اسی بناء پر اشکال وارد نہیں ہوتا کہ ان احکام کے قریب نہ جاؤان کے مشتمل ہونے کے ساتھ جو تم نے سنا اور نہ اس میں

---

[597] ـحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّوسِىُّ مِنْ كِتَابِهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ نَصْرٍ الرَّمْلِىُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنُ أَبِى عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِى سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَمِّ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِىَّ قَالَ : لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صِيَامٌ إِلاَّ أَنْ يَجْعَلَهُ عَلَى نَفْسِهِ.،دار قطنی،ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی البغدادی، سنن، تحقیق: ناصر الدین الالبانی،دار المعرفہ، بیروت، 1386ھ/1966ء کتاب الصوم، باب الاعتکاف، رقم: 2380۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

واقع ہونے کے ساتھ۔اور دوسرے آیت میں( فَلاَ تَعْتَدُوْهَا) ([598])ہے جب جمع حاصل ہوا تو یہ صحیح ہوا کہ ان تمام کے نزدیک مت جاؤ۔ کہا گیا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ حدود اللہ سے اللہ تعالیٰ کے محارم اور نواہی مراد ہے۔ یا تو اس اعتبار سے کہ اوامر سابقہ مستلزم ہیں نواہی کو اور یا اس اعتبار سے کہ اس کا مشار الیہ (وَ لاَ تُبَاشِرُوهُنَّ)اور اس کے امثال ہیں۔ابو مسلمؒ فرماتے ہیں ۔(فَلاَ تَقْرَبُوهَا) کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں تغیر مت کیا کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول(وَ لاَتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ) ([599])ہے۔پس یہ شالم ہو گا تمام احکام کو۔اور ان دونوں طریقوں میں جو تکلف ہے وہ مخفی نہیں ہے۔اور یہ قول کہ ، تلک، کا مشار الیہ احکام ہیں۔اور ، حد، یا تو منع اور یا دو چیزوں کے درمیان حائل شئ کو کہتے ہے۔پس اول معنی کے اعتبار سے اس سے مراد کہ یہ احکام اللہ تعالیٰ کے ممنوعات ہیں غیر کے لئے اور کسی اور کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی چیز کا حکم دے۔پس(فَلاَ تَقْرَبُوهَا) کا معنی یہ کہ اپنے اوپر یا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اپنی طرف سے کوئی حکم مسلط نہ کرو۔ کیونکہ حکم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔دوسرے معنی کے اعتبار سے مراد یہ ہے کہ یہ احکام اللہ تعالیٰ اور ان کے بندوں کے درمیان حدود ہیں۔پس اللہ حکم کرتا ہے اور عباد اس کی تابعداری کرتے ہیں۔پس اس منہی احکام کے قریب مت جاؤ تا کہ اللہ تعالیٰ پر شرک کرنے والے نہ بن جاؤ۔قریب ہے کہ کوئی ذی عقل پر یہ منہی عنہ پیش ہو جائے اور وہ اس پر راضی ہو جائے۔اور یہ مقصود سے بہت بعید ہے۔(كَذَلِكَ) یعنی اس طرح کا بیان جو احکام روزہ میں واقع ہے۔(يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ) یا تو مطلقاً آیات اور یا وہ ایات جو دلالت کرنے والے ہیں ان تمام احکام پر جو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے۔(لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ)اس کے اوامر اور نواہی کے مخالفت سے۔اور یہ معطوف معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے احکام سابقہ کی تقریر اور اثبات کے لئے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب ہے۔کہ یہ احکام تم لوگوں کے متقی بننے کے واسطے مشروع کئے گئے ہیں۔اور جب اللہ تعالیٰ نے روزہ اور اس میں جو احکام ہیں ذکر کئے۔تو اس کے بعد اکل حرام کے نہی کو ذکر کرتے ہیں جو کہ روزہ اور اعتکاف کے عدم قبولیت کو مفضی ہے۔تو فرمایا ۔ (وَ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ)اَکل سے مراد عام ہے لینے اور دینے میں،اور اس سے تعبیر اس لیے کہ کیا یہ (اکل) اہم حوائج میں سے ہے،اور اسی (کھانے) کے ساتھ اکثر مال کا تلف ہونا حاصل ہوتا ہے،اور معنٰی یہ ہے کہ تم میں سے بعض بعض کا مال نہ کھائے،اور یہ نہ کھانا ایک معین مقدار تک ہے(وَ لاَ تَلْمِزُوْا أَنْفُسَكُمْ)([600]) اور تم نہ نکالو اپنے نفوس میں عیب، اور یہ جمع سے جمع پر تقسیم کرنا نہیں ہے، جیسے اس قول میں (رکبوا دوابہم)وہ سب سوار ہوئے اپنے اپنے سواریوں پر۔ جہاں تک معنٰی ہو جائے تم میں سے ہر ایک اپنے مال کو نہ کھائے اس دلیل کے اللہ سبحانہ کا قول ہے۔(بَيْنَكُم)اس لیے کہ یہ واسطہ کے معنٰی میں ہے یہ (بَيْنَكُم) تقاضا کرتا ہے مال منسوب ہو اس کی طرف دونوں طرف تقسیم ہونے کے ساتھ، کہ کھانا اور مال کھانے

---

[598]۔سورۃ البقرۃ:255

[599]۔سورۃ الانعام:152

[600]۔سورۃ الحجرات:11

کے وقت دونوں کے درمیان برابر ہو،اور یہ بات ظاہر ہے معنیٰ مذکور سے،اور ظرف (بَيْنَ) یہ متعلق ہے (تَأْكُلُوا) سے جیسے جار مجرور اس کے بعد اسی کے متعلق ہے۔ اور یا محذوف کے ساتھ جو اموال سے حال ہے۔اور ،ب، سببیت کیلئے ہے اور باطل سے مراد حرام ہے، جیسے چوری اور غصب ،اور ہر وہ چیز جس کا شریعت نے اجازت نہ دی ہو۔(وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ)عطف ہے (تَأْكُلُوا) پر وہ منہی عنہ ہے۔اور یہ اپنے ماقبل کے مثل (تَأْكُلُوا) کی طرح مجزوم ہے۔اور نصب ،أن ،مضمر کی وجہ سے ہے اور اس طرح کی ترکیب اگرچہ جمع سے نہی کے لئے ہے۔ مگر یہ اس کے منافی بھی نہیں ہے کہ ہر ایک امر منہی عنہ ہو۔اور ،إدلاء،اصل میں کنویں میں رسی ڈالنے سے مأخوذ ہے۔پھر اس کو استعارۃً کسی چیز کسے ساتھ ملنے کے لئے لیا گیا ۔یا القاء کیلئے لیا گیا اور ،ب ،ادلاء، کا صلہ ہے اور ،ب، سببیت کیلئے بھی جائز قرار دیا ہے اور ضمیر مجرور (بِهَا) مال کیلئے ہے یعنی اس سے وصیلہ نہ پکڑو۔ یا یہ کہ حکومت کے ساتھ نہ ملاؤ اور اس میں خصومت حکام کی طرف نہ لے جاؤ۔ بعض کہتے ہیں! برے حکام کی طرف نہ ڈالو رشوت کے طور پر،اور ابیؓ نے (وَ لاَ تُدْلُوْا) پڑھا ہے۔ ([601])(لِتَأْكُلُوا) فیصلہ کے ذریعے اور اس کے سامنے مسئلے کو اٹھا کر۔ (فَرِيقًا) بعض اور یا سب (مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ) یعنی اس سبب سے جو گناہ کو ثابت اور واجب کرتا ہے جیسے جھوٹی شہادت اور فسق وفجور ہر قسم کے۔اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ ،ب، مصاحبت کے لیئے ہو، یعنی گناہ کے ساتھ ملتبس ہو کر،اور جار مجرور بناء بر قول اول متعلق ہے،تأکلو، کے ساتھ۔ اور بناء بر قول ثانی یہ اپنے فاعل سے حال ہے۔ (وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ) علم کا مفعول محذوف ہے یعنی،تَعْلَمُونَ، تم جانتے ہو کہ تم باطل پر ہو۔اور اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جو نہیں جانتا کہ وہ باطل پر ہے،اور حاکم نے اس کے حق میں فیصلہ کیا تو اس کے لئے اس مال کا لینا جائز ہے۔ ،ابن ابی حاتمؒ سعید بن جبیرؒ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں کہ عبدان بن اشوع حضرمیؓ ([602])اور امرءالقیس بن عابسؓ ([603])ایک زمین کے بارے میں لڑے اور گواہ نہیں تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ امرءالقیسؓ قسم کھائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت تلاوت فرمایا تھا (إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ االلهِ وَاِيْمَانهم ثمنًا قليلًا)([604])تو امرؤالقیسؓ نے قسم سے انکار کیا اور زمین عبدانؓ کے

[601]۔امام فراء، معانی القرآن، سورۃ البقرۃ:188۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ :188

[602]۔ربیعہ بن عبدان (عین کے کسرے سے) بن اشوع الحضرمی حضر موت کے رہنے والے تھے۔ بڑے فقیہ تھے۔فتح مصر میں موجود تھے۔امیر معاویہ کے دور خلافت میں لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے اور امن کا درس دیا کرتے تھے۔ابن الاثیر،اسد الغابۃ،ج2،ص256

[603]۔ امرءالقیس بن عابس بن المنذر الکندی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ مشہور شاعر تھے۔بنو کندہ کے کچھ لوگ اور آپ کے چچا مرتد ہو گئے تھے مگر آپ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ پھر شام کو چلے گئے۔جنگ یرموک اور مرتدین کے خلاف کئی جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔ابو بکر صدیق کے دور خلافت میں کندہ کے عامل تھے۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی۔ابن عبدالبر،الاستیعاب،ج1،ص105

[604]۔سورۃ ال عمران:77

حوالے کر دی۔ پس آیت نازل ہوتی۔(605) اور اس سے استدلال کیا ہے کہ قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوتا ہے، پس حقیقت میں اس کا لینا حلال نہیں ہوگا۔اور یہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ (606)اور امام محمدؒ (607) کی رائے ہے۔اور اس کی تائید ہوتی ہے اس روایت سے جو بخاریؒ اور مسلمؒ نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں بشر ہی ہو اور تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو اور ہو سکتا ہے تم میں سے بعض بعض پر اپنی چرب زبانی کی وجہ سے غالب آجائے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کرو۔ پس جس کے لیے میں نے فیصلہ کیا اس کے بھائی کے حق میں سے پس وہ اس کو نہ لے گا اس لیے کہ میں آگ کا شعلہ اس کیلئے قطع کرونگا۔(608)اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے۔ کہ جب حاکم فیصلہ کر دے گواہوں کے ساتھ عقد کے منعقد ہونے کا یا فسخ عقد کا، جو ظاہر ہو پس وہ نافذ ہوگا ظاہراً او باطناً اور یہ ہو جائے گا اس عقد کی طرح کہ ان دونوں نے حاکم کے سامنے آپس میں عقد کیا ہے اگر چہ گواہ جھوٹے ہو۔ جیسا کہ روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجا تو اس عورت نے انکار کر دیا ۔اس آدمی نے حضرت علیؓ کے پاس دعویٰ کیا کہ اس نے اس عورت کے ساتھ شادی کی ہے اور دو گواہ قائم کر لیئے،

---

605۔ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ:188۔اور مسند احمد، میں یہ واقعہ عدی ابن عمیرہ الکندیؒ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ عَدِيٍّ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجَاءُ بْنُ حَيْوَةَ وَالْعُرْسُ ابْنُ عَمِيرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَدِيٍّ قَالَ خَاصَمَ رَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ يُقَالُ لَهُ امْرُؤُ الْقَيْسِ بْنُ عَابِسٍ رَجُلًا مِنْ حَضْرَمَوْتَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضٍ فَقَضَى عَلَى الْحَضْرَمِيِّ بِالْبَيِّنَةِ فَلَمْ تَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ فَقَضَى عَلَى امْرِئِ الْقَيْسِ بِالْيَمِينِ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ إِنْ أَمْكَنْتَهُ مِنْ الْيَمِينِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَهَبَتْ وَاللَّهِ أَوْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ أَرْضِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ أَخِيهِ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ رَجَاءُ وَتَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا،مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم:17716۔حکم حدیث: شعیبؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

606۔ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی ابو یوسف،امام ابو حنیفہ کے سب سے قریبی ساتھی ہیں۔کوفہ میں 113ھ/731ء کو پیدا ہوئے۔فقیہ،علامہ اور حافظ حدیث تھے۔مہدی ،ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں قاضی اور چیف جسٹس رہے ہیں۔امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق سب سے پہلے اصول فقہ کی تدوین کی۔تفسیر،مغازی اور ایام عرب کے بلا مدافعت امام ہیں۔182ھ/798ء کو وفات پائی۔خطیب بغدادی،تاریخ بغداد،ج14،ص242۔الزرکلی،الاعلام،ج8،ص183

607 ۔ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد بنو شیبان کے موالی میں تھے۔فقہ اور اصول کے امام تھے۔امام ابو حنیفہؒ کے علم کو آپ نے پھیلایا ان کی اصل دمشق کے گاؤں حرستہ سے تھا۔131ھ/748ء کو واسط مین پیدا ہوئے۔کوفہ میں پلے پڑھے امام ابو حنیفہؒ کے ور یبی ساتھی رہے ہے۔ان سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے وہاں ہارون الرشید نے انہیں قضاء کی ذمہ داری سونپ دی۔پھر انہیں معزول کیا۔خراسان کے سفر کے دوران 189ھ/804ء کو،رے، میں وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص80

608۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنْ النَّارِ،
صحیح بخاری،کتاب الشہادات، باب اذا غصب جاریۃ فزعم انہا ماتت، رقم:6967

عورت نے کہااس نے شادی نہیں کی ہے اور اس نے عقد نکاح کو طلب کیاتو حضرت علیؓ نے فرمایا، یقیناً دو گواہوں نے تمہاری شادی کرادی ہے۔([609])اور امام صاحبؒ نے فرمایاہے۔اس آدمی کے بارے میں جو اپنے حق کا دعویٰ کرے اس چیز پر جو دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ اور پھراس پر گواہ قائم کیے یہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اس کی ہے ۔حاکم نے حکم دیاتواس کیلئے وہ لینامباح نہیں ہے۔اور اگر حاکم حکم دے اس کیلئے مباح نہیں ہے منع کرنے سے پہلے اور حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا،اور آیت نص نہیں ہے اپنے مخالف کے مدعی میں اس لیے کہ وہ اگر ارادہ کریں وہ دلیل ہے مطلقا نفاذ نہ ہوتے پر تو یہ ممنوع ہے (یعنی ہم نہیں مانتے)اور اگر وہ ارادہ کریں یہ دلیل ہے فی الجملہ عدم نفوذ پر تو یہ تسلیم ہے اور اس بات میں نزاع نہیں ہے،اس لیے کہ امام اعظمؒ یہ بات فرماتے ہیں اور لیکن جو آپ نے سنااور یہ مسئلہ معروف ہے فروعات میں اور اصول میں اور اس کی تفصیل (اُدب القاضی)([610])میں ہے اس کی طرف مراجعت کرو۔

---

[609] ۔جصاص،احکام القران،سورۃ البقرۃ :188

[610]۔امام ابویوسف،ادب القاضی۔دار الفکر،بیروت،س۔ن،باب الشہادات،ج2،ص278

# فصل سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 189 تا 192 کا اُردو ترجمہ، تخریج و تحقیق

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوْاْ الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا
وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُواْ الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ 189 وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ
اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ 190 وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم
مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ
فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ 191 فَإِنِ انتَهَوْاْ فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 192

ترجمہ۔(اے محمد ﷺ) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں)اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے اور نیکی اس بات میں نہیں کہ (احرام کی حالت میں) گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیز گار ہو اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ نجات پاؤ189۔اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا190۔اور ان کو جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے)وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو اور (دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل وخونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو کافروں کی یہی سزا ہے191۔اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے192۔

(يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأهِلَّةِ)ابن عساکرؒ نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے۔کہ معاذ بن جبلؓ اور ثعلبہ بن غنمؓ ([611]) نے فرمایا یارسول اللہ چاند کو کیا ہو گیا ہے ظاہر اور طلوع ہوتا ہے باریک دھاگے کی طرح پھر زیادہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ بڑا اور برابر ہوتا ہے اور گول ہوتا ہے پھر مسلسل کم ہوتا ہے اور باریک ہوتا ہے یہاں تک کہ لوٹتا ہے جیسے وہ تھا ایک حالت پر نہیں رہتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔([612])ایک اور روایت میں ہے کہ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ یہود ہم سے چاند کے بارے میں بہت سوال کرتے ہیں،

تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔([613]) پس جمع سے مراد پہلی روایت پر ایک سے اوپر ہے، یا جو حاضرین انتظار کرنے والے ہیں ان کے جواب کو اتارا گیا ہے سائل کے منزلہ پر۔اور روایت ثانیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کا سوال بعض صحابہ سے رسول اللہ سے

---

[611]۔ثعلبہ بن غنم بن عدی بن سنان بن عمرو،الانصاری صحابی ہیں۔ان ستر آدمیوں کے وفد میں سے تھے جو ہجرت سے پہلے نبی کریم ﷺ سے ملنے آئے تھے۔غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے۔بنو سلمہ کے بتوں کو توڑنے والوں میں سے تھے۔غزوہ خندق میں ہبیرہ بن ابی وہب نے شہید کیا تھا۔ابن الاثیر،اسد الغابہ،ج1،ص360

[612]۔واحدی،اسباب النزول،ص47۔اور امام حافظ ابن حجر نے اس روایت کی سند پر رد فرمایا ہے۔ابن حجر،العجاب فی بیان الاسباب،دار المعرفہ، بیروت،س۔ن،ج1 ،ص455

[613]۔واحدی،اسباب النزول،ص47۔امام حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند معاذ تک نہیں پہنچی ہے۔شائد کہ یہ ابن عساکر والی یہ روایت،قال نزلت في معاذ بن جبل وثعلبة بن عنمة وهما رجلان من الأنصار قالا يا رسول الله ما بال الهلال يبدو ويطلع دقيقا مثل الخيط ثم يزيد حتى يعظم ويستوي ويستدير ثم لا يزال ينقص ويدق حتى

سوال کے منزلہ پر ہے اس لیے کہ آپ ﷺ ان کے جاننے کا مأویٰ ہیں اور ان کے فیوضات کا مرکز ہیں۔ اور، الاھلہ، ھلال کی جمع ہے اور اس کا مشتق منہ، استہل الصبی ابکی وصاح حین یولد، یعنی بچے کا رونا اور آواز بلند کرنا جب وہ پیدا ہوتا ہے، اور اسی سے ہے، اھل القوم بالحج، جب لوگ ھلیہ کے لیے آواز بلند کرتے ہیں۔ اول شہر سے دو راتوں تک اس کو قمر کہا جاتا ہے۔ یا تیسرے دن میں یا بالکل تنگ ہو جاتے اس طور پر کہ گول باریک خط کی ہو جائے اور اسی قول کو اصمعیؒ (614) نے اختیار کیا ہے۔ یا یہ کہ اس کی روشنی رات کی تاریکی میں ظاہر ہو جائے۔ اور ان میں سے بعض سات راتوں میں ظاہر ہو جاتے ہے۔ اس وجہ سے قمر نام رکھا گیا، اس لئے کہ جب لوگ دیکھتے ہیں تو اس کے ذکر نے کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں یا تکبیر کے ساتھ۔ اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے، اھل الھلال و استھل، اور یہ نہیں کہا جاتا۔ ھَلَّ، اور یہ احتمال بھی ہے کہ سوال غایت اور حکمت کے بارے میں ہو اور یا سبب وعلت کے بارے میں ہو اور ان دونوں میں سے کسی ایک پر نص قرآنی یا شبہ نہیں ہے، بہر حال آیت سے تو ظاہر ہے، اور محذوف ماننے کی صورت میں تو اس کا احتمال ہے کہ اس کا اختلاف کا سبب کیا ہے اور یہ بھی مقدور مانا جا سکتا ہے کہ اس کی حکمت کیا ہے، اور ظاہر میں سوال تعدد کے بارے میں ہے مگر یہ حقیقت میں متضمن ہے شکلوں کے اختلاف کو اس لئے کہ تعدد میں اختلاف بہت دور ہے، اگر چاند ایک صورت میں ہو تو تعدد حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے۔ بہر حال پس اس میں جنس اور حقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، پس اس صورت میں چاند کا معاملہ مسؤل حقیقتاً ہو گا اور اس کی کیفیت اس وقت جب وہ اپنی شکلوں کو تبدیل کرتی ہے پھر اس کا اس پر لوٹ آنا جیسے کہ وہ تھا، اور یہ امر مسؤل حقیقت سے ہے اور دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ پہلی صورت میں جواب ہو گا اللہ کے اس قول کے ساتھ (قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ) جو مطابق اور واضح ہو حکمت ظاہرہ کے جو تبلیغ عام کے لائق ہو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرنے والا اور صفت رحمت میں اضافہ کرنے کے لئے اور وہ لوگوں کے لیے نشانی ہو، اس کے ذریعے سے اپنے امور دنیاوی کرے اور کھیتی باڑی اور تجارت متعین کریں۔ اور عبادات کے لئے بھی نشانی ہے جیسے روزہ رکھنا افطار کرنا اور خاص طور پر حج کے ایام کو معلوم کرنا اس لئے کہ اس میں رعایت رکھی جاتی ہے اداء اور قضاء کی۔ اور اگر چاند سورج کی طرح گول ہو یا ایک ہی حالت پر برقرار ہو تو اوقات کا تعین اس سے آسان نہیں ہوتا، اور

---

یعود کما کان لا یکون علی حال واحد فنزلت " یسألونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس " في حل دينهم ولصومهم ولفطرهم وعدة نسائهم والشروط التي تنتهي إلى أجل معلوم ،اولاً مختصر اذکر کیا ہو پھر تفصیلا اذکر کیا ہو اور یہ روایت بنالیا ہو۔ ابن حجر، العجاب فی بیان الاسباب، ج 1، ص454

614 ۔ عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباہلی، ابو سعید الاصمعی، راویۃ العرب تھے، لغت، شعر اور جغرافیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ اپنے جد اعلیٰ اَصمع کی طرف نسبت ہے۔ بصرہ میں 122ھ/740ء کو پیدا ہوئے، رَاوِیۃ العرب سے مشہور ہیں، اکثر وبیش تر دیہات کے چکر کاٹتے رہتے جہاں سے علوم واَخبار جمع کرتے۔ ہارون الرشید اُنہیں شیطان الشعر کہا کرتے تھے۔ 216ھ/831ء کو بصرہ ہی میں وفات ہوئی۔ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص162

آپؐ نے اسی وجہ سے حکمتِ باطنہ کا ذکر نہیں فرمایا جیسے اختلاف شکلوں میں یہ عام یا خاص، اصل جائے پیدائش کے اختلاف کی وجہ سے جیسے ظاہر ہوا اپنے جگہ میں اس لئے کہ ہر ایک اس پر مطلع نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں، اسلوب حکیم ہوگا، اور اس کو، القول بالموجب، کہا جاتا ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ سائل کو اس طرح سوال کرنا چاہئے تھا جس طرح کہ جواب دیا گیا ہے اور یہی اولیٰ ہے۔ امام سکاکیؒ اور ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (615) تو اس جواب میں اشارہ ہوگا کہ پہلا اس طور پر ہوگا کہ سوال واقع ہوا ہے کہ انہوں نے سوال کیا ہے حکمت کے بارے میں نہ کہ سبب سے اس لئے کہ اس سے ان کی زندگی اور دوبارہ اٹھنے سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نبی ﷺ اس بات کو بیان کرنے کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ ایسے نہیں تھے جو علم فلکیات کے دقائق کے بارے میں جو فلسفیانہ دلائل اور رسدگاہوں پر موقوف ہو کے بارے میں علم حاصل کرتے تھے۔ جیسے کہ وہم کیا گیا ہے کیونکہ اگر اس وہم کو ان لوگوں کے حق میں مان لیں جو چلنے والے ہیں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ اور جو راضی ہونے والے ہیں شباب کے دہلیز میں اور انوار روشنی سے کامیاب ہونے والے ہیں اور دلوں کے باریکیوں پر مطلع ہو والے ہیں۔ اگرچہ یہ علم فلکیات سے نواقفیت صحابہ کرام کی قدر و منزلت میں کوئی نقص نہیں ہے مگر یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علوم ہیئت میں اختلاف کی وجہ سے کہ چاند کا سورج سے دور ہونا اور یا اس کے قریب ہونا۔ یہ باطل ہے اہل شرع کے ہاں اس لئے کہ یہ مبنی ہے ایسے امور پر جو یقیناً ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ پہلے فلاسفہ خیال کرتے تھے اس کی موافقت کا جیسے حکیم ذات نے ابتداء کی ہے جیسا کہ مولانا شیخ اکبرؒ نے (فتوحات) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (616) اور دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ مجرد خیال ہے جو حکمت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ متأخرین نے فلاسفہ کا راستے اختیار کیا ہے جیسا کہ ہرشل حکیم (617) اور ان کے پیروکار اصحاب الرصد اور زیج (618) علم فلکیات میں متقدمیں کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ سورج مرکز ہے (قائم ہے) اور زمین اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں اور چاند گرہن اور سورج گرہن کی بنیاد اسی پر ہے اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں، اور مخالفین کے دلائل کو رد کیا ہے اس باب میں بہت سے احکام ذکر کئے ہیں۔ اور ہر ایک دوسرے کے زعم کو رد کرتے ہیں۔ پس جہاں احکام متفق ہوں باوجود دونوں کے مبنی علیہ میں اختلاف اور ان کے متبعین کے اختلاف کے، اور ایک دوسرے کا گمان رد کرتے ہیں پس دونوں مذہبوں سے یقین اٹھ گیا پس رجوع لازم ہوا اس علم کی طرف جو رسالت مآبؐ کی طاقچے اور آپ ﷺ کی نور سے حاصل ہوا ہے اور جو شارعؐ نے بعد دقیق نظر کے فرمایا ہے اور جب ممکن ہو جمع کرنا جو

---

615 ۔ سکاکی، أبو یعقوب یوسف بن أبی بکر محمد بن علی السکاکی، مفتاح العلوم، دار المعرفہ، بیروت، س۔ن، ص 327

616 ۔ شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی، فتوحات المکیہ فی معرفۃ اسرار المالکیۃ والملکیۃ، دار صادر، بیروت، س۔ن، ج 3، ص 125

617 ۔ کافی جستجو اور تلاش کے بعد آپ کا ترجمہ نہ مل سکا۔

618 ۔ رصد اصل میں طریق الحراسۃ، یعنی چوکیداری کا راستہ، اور پھر منجمین کی اصطلاح میں اس سے مراد سیاروں کی حرکت اور مقام معین تک جانے کے راستے مراد ہیں۔ اور زیج سے مراد سیاروں کی حرکات اور ان کے مقادیر کے بارے میں جو جداول بنائے جاتے ہیں وہ علم مراد ہے۔ المعجم الوسیط، (زیج)۔ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، ج 2، ص 551

فلاسفہ نے کہا ہے اور جیسے بھی ہو اور جسے عقل تسلیم کرے اور جو حکماء کے سردار اور آسمان وزمین کے نور نے فرمایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ زیادہ مناسب ہے شکوک کو دور کرنے کیلئے جو کمزور مومنین کو بہت زیادہ پیش آتے ہیں اور جب یہ تطبیق ممکن نہیں ہے تو آپ پر وہ بات لازم ہے جس کا دار مدار اللہ تعالیٰ رسول اللہ اور قرآن پر ہو۔ شعر:

اذا قالت حذام فصدقوھا فان القول ما قالت حذام([619])

ترجمہ۔ جب عقلمند کہے تو ان کی تصدیق کرو اس لیے کہ قول تو وہی ہے جو عقلمند نے کہا ہے۔ اور عنقریب اس بحث کا نتیجہ آئے گا۔ المواقیت میقات کی جمع ہے صیغۂ آلہ ہے یعنی جس کے ذریعے وقت کی پہچان ہو اور اس کے اور مدت اور زمانے کے درمیان۔ امام راغبؒ([620]) کے کلام سے جانا جاسکتا ہے (وہ یہ ہے) مدت: مطلق آسمان کی حرکت کو کہا جاتا ہے ظاہر میں اس کے ابتداء سے انتہاء تک اور زمان: وہ مدت ہے جو تقسیم ہے سالوں مہینوں اور دنوں اور گھنٹوں کے درمیان اور وقت: زمانہ معین ومقدر کو کہا جاتا ہے۔([621]) اور قرأت کی گئی (عَنْ) کے نون کے ادغام کے ساتھ (اَهِلَّ) میں نقل وحذف کے بعد۔([622]) اور استدلال کیا ہے آیت سے احرام کے جواز پر حج کے ساتھ پورے سال اور اس کی طرف احتیاج پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ یہ خاص ہے معلوم مہینوں کے ساتھ، اس کی تمییز کرنا غیر سے۔ اور اس رائے کی طرف امام شافعیؒ گئے ہیں۔([623]) اور آیت کی مناسبت ماقبل سے ظاہر ہے اس لئے کہ وہ روزوں کے حکم کے بیان میں ہے، اور رمضان کے مہینے کا ذکر اور چاند کے بارے میں بحث اس کے مناسب ہے اس لئے کہ روزہ ملا ہوا ہے چاند کے دیکھنے کے ساتھ اور اسی طرح افطار اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند کو دیکھ کر۔([624])

---

[619] ۔ یہ لجیم ابن وہب کا شعر ہے۔ اور اس میں حذام شاعر کی بیوی کا نام ہے۔ جو کہ عتیک بن اسلم کی بیٹی ہے یہ اپنی بیوی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور لغوی معنی کی طرف بھی۔ ابن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، دار صادر، بیروت، س۔ن، ج3، ص363

[620] ۔ حسین بن محمد بن مفضل ابوالقاسم اِصبہانی[اِصفہانی] ادیب، حکیم اور عالم تھے۔ اِصبہان سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں امام غزالی کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ 502ھ/1108ء کو وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج 2، ص255

[621] ۔ امام راغب، ابی القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دار صادر، بیروت، س۔ن، وقت، ج2، ص248

[622] ۔ یہ ابن محیص کی قراءت شاذہ ہے۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 189

[623] ۔ امام نوویؒ نے اس قول کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے۔ کہ یہ قول امام شافعیؒ کا نہیں ہے۔ امام نووی، المجموع، دار العلم، بیروت، س۔ن، ج6، ص130

[624] ۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف علی نفسہ الغروبۃ، رقم: 1909

اشاری تفسیر: کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے قوانین عدالت کے قوانین میں سے ذکر کیا ہے، ان میں سے (ایک) قصاص ہے جسے فرض کیا گیا ہے، درندوں والی قوت کے ازالہ کیلئے، اور وہ سایہ ہے اس کے عدل کے سایوں میں سے، پس جب اس کو نافذ کیا جائے بندہ میں اس کے ختم اور قتل کرنے میں تلوار کے ساتھ اس کے محبوب کو آزاد کے بدلہ اس کی روح کی روح کے ساتھ، اور غلام کے بدل اس کی دل کا دل کے ساتھ اور مؤنث نفس کو نفس کے عوض، اس لئے کہ وہ جیسا فرض کیا گیا ہے قصاص مردوں میں، لکھا گیا ہے اس کے نفس پر رحمت مقتولوں میں، پس بعض آثار میں قوم کے طریقوں میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: جو میرے ساتھ محبت کرتا ہے تو میں اسے قتل کرتا ہوں اور جس کو میں قتل کروں میں اس کا دیت ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے مقاصد میں خاص تمہارے لئے جو ذکر کیا ہے بڑی زندگی ہے اس کے بعد موت نہیں ہے اے عقل والو جو خالص ہے اوھام کے پردوں سے اور عیبوں کے پردوں سے اور جرموں سے تاکہ تم ڈرو اس کے ترک سے یا تم اپنے وجود کے شریک کرنے سے۔ اور ان میں سے دوسرا یہ ہے وہ وصیت جو ایک دوسرا قانون ہے اس کو فرض کیا گیا ہے ملکیت والی قوت کے نقصان کے ازالہ کیلئے اور اس کے کم ہونے سے جس کا حکمت تقاضہ کرتی ہے تصرفات میں سے اور وصیت اللہ تعالیٰ کے اہل کی اللہ قدوس ان کی باریکیاں جو محفوظ ہیں ازال سے ترک ماسویٰ الحق کے ساتھ۔ اور ان میں سے (ایک) اور ہے وہ روزہ (ہے) وہ قانون ہے فرض کیا گیا ہے قوت حیوانیت کے تسلط کے ازالہ کیلئے اور وہ اہل شریعت کے نزدیک (نام ہے) ہر فعل و قول سے اور حرکت سے رکنا ہے جو حق (کے موافق) نہ ہو، اور گنے چنے ایام وہ ایام دنیا ہیں جو عنقریب تم گزار دو گے پس ان سب ایام کو روزہ کے ایام بنالو اور اپنے افطار کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات میں خوشی بنالو۔ اور رمضان کا مہینہ وہ وقت ہے نفس کو جلانے کا اور نفس کو بھرنا پر کرنا تجلیات کے انوار کے ساتھ وہ قرب جس میں قرآن نازل کیا گیا وہ علم اجمالی ہے جو جامع ہے لوگوں کی رہنمائی کیلئے وحدت کی طرف جمع کے اعتبار سے اور دلائل مفصلہ میں جمع ہے اور فرق یہ ہے کہ جس کے لئے یہ وقت حاضر ہو تم میں سے اور مقام شہود تک پہنچ گیا ہو ([625]) پس وہ روکے نہیں ہر چیز سے ہر چیز سے مگر اس کے لئے اور اس کے ساتھ، اور اس میں اور اس سے اور اس کی طرف، اور جو دل کے امراض میں مبتلا ہو اور نفسانی پردوں میں جو رکاوٹ ہیں دیکھنے سے، یا سفر میں ہو اور اس مقام کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لئے اس پر دوسرے مراتب ہیں اس کو کاٹے یہاں تک اس تک رسائی حاصل کرلے (يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ) اللہ تم سے ارادہ کرتا ہے آسانی کا، اور مقام توحید تک رسائی اور اس کی قدرت کا اندازہ (وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) وہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا ہے اور افعال کا مکلف ہونا کمزور نفس کے ساتھ (وَلِتُكْمِلُواْ) اور تاکہ تم مکمل کرلو بعض مراتب اور تاکہ تم اللہ کی تعظیم کرو اس کی ہدایت پر تمہارے لئے جمع کے مقام تک (وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) ([626]) تاکہ تم شکر گزر بنو استقامت کے ساتھ (وَإِذَا سَأَلَكَ

---

[625]۔ ھو رویۃ الحق بالحق، الجرجانی، ابو بکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد، کتاب التعریفات، دار الفکر، بیروت، س۔ن، ص 170

[626]۔ سورۃ البقرۃ :185

عِبَادِي)([627])اور جب آپ سے سوال کریں میرے بندے جو میرے لئے مختص ہیں میرے ہو کر رہ گئے ہیں میری معرفت سے (فَإِنِّي قَرِيبٌ)میں ان کے قریب ہوں، بغیر ادھر اُدھر کے اور غیر اجماع افتراق کے (أُجِيب)جو لسان حال سے مجھے پکارے،اور عطاء کی استعداد کے جو اس کی حالت تقاضہ کرتی ہے اور اسکی صلاحیت تقاضہ کرتی ہے (فَلْيَسْتَجِيْبُوْ ا)([628])اپنے استعداد کے تصفیہ سے اور مجھے گواہ اور حاضر رکھے اپنے تصفیہ کے وقت جب ان کے دلوں آرزو واضح ہو تاکہ وہ مضبوط رہیں مقام طمانیت میں اور تمکینات کے حقائق میں۔([629])اور جب انسان کے لیے بہت سے رنگ تھے اسماء کے مختلف ہونے کے حساب سے تو کبھی کبھی صفات روحانیہ کے علیہ کے اعتبار سے نہار میں رب تعالیٰ کی واردات میں اور اس وقت چھوڑ دیتا ہے انسانیت کے نصیب کو، اور کبھی کبھی حکم کے روعیہ کے ساتھ اور بشری حاجات کے ساتھ مردود ہو جاتا ہے حکمت کے تقاضہ کے مطابق حیوانیت کی تاریک صفات کی طرف اور یہ وقت غفلت کا ہے جو مخل ہوتا ہے اس امساک کا مباح ہے اس کیلئے تنزیل بعض گھڑیوں میں نفوس کے ملنے تک اور وہ جماع کرتا ہے عورتوں سے اور اس کو مکمل کیا ہے اللہ سبحانہ کے قول کے ساتھ (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ)وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو،یعنی تمھیں ان سے صبر نہیں ہے طبیعت کے مقتضیٰ کے مطابق تاکہ وہ تمہارا لباس اوڑھنا بچھونا بن جائیں اور تم ان کا لباس ہو جاؤ ضروری تعلق کی بناء پر (عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ)اللہ جانتے تھے کہ تم اپنے نفوس کے ساتھ خیانت کروگے۔اور تم ان کے باقی ماندہ حصوں کو کم کروگے ان فانی حصوں کے چھپانے کے ساتھ سلوک اور ریاضت کے زمانہ میں (فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ)پس اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور تم سے در گزر فرمایا پس اب یعنی استقامت کے وقت اور فناء کے بعد بقاء پر قدرت حاصل ہونے کے وقت (بَاشِرُوْ هُنَّ) حاجت ضروریہ کے بقدر (وَ ابْتَغُوْ ا)اور تلاش کرو۔اس مباشرت کی طاقت کے ساتھ (مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ)جو اللہ نے تمھارے لئے مقرر کیا ہے، تقویٰ اور تمکن اور حقوق پر استقامت اور عقلی مقامات کی رسائی کے ساتھ۔ (وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ)([630])اور کھاؤ پیئو۔جاگنے کی راتوں (رمضان) میں یہاں تک تمہیں نظر آئے اور اس کے انوارات غفلت کی اندھیری پر، پھر تم حقیقی امساک رکنے والے بن جاؤ صبح سے حق کے ساتھ یہاں تک غفلت ثانیہ کا زمان آجائے اس لیے کہ ہر دن کے واسطے اس کا حصہ ہوتا ہے،اور اگر یہ نہ ہو تو معاش کے مصالح معطل ہو جاتے اور اسی کی طرف اشارہ ہے خبر میں یعنی حدیث میں ہے۔میر االلہ کیلئے

---

[627]۔سورۃالبقرۃ:186

[628]۔ایضاً

[629] ۔مقام طمانیت سے مراد، کسی شئ کی طرف سکون قلب ہے اور اس کا عدم اضطرار ہے۔اور اسی سے اثر معروف ہے،الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ۔اور حقائق التمکن سے مراد فعل کے کرنے اور نہ کرنے کا قدرت ہے۔اور یہ طمانیت سے فوق مرتبہ ہے کیونکہ اس میں نفس کے ساتھ ایک قسم کا جھگڑا ہے کرنے اور نہ کرنے میں، ابن قیم ، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین، دار الکتاب العربی ، بیروت، 1393ھ/1973ء،ص503

[630]۔سورۃالبقرۃ : 187

خاص وقت ہے کوشش نہیں کرتا اس میں مقرب فرشتہ اور نہ نبی مرسل، اور میرے لیے وقت ہے حفصہ وزینب کے ساتھ۔([631])اور تم ان کے قریب نہیں جا سکتے حالت اعتکاف میں اور تمھارا حاضر ہونا قربت کے مقامات پر اور انس وصحبت اور دلوں کے سجدہ گاہ(وَلاَ تَأْكُلُواْ)تم نہ کھاؤ۔مال جاننے کے باوجود تمھارا( بَيْنَكُم)آپس میں باطل شہوت نفس کے ساتھ اور تم بھیجو خبیث نفس امارہ حکام کی طرف (لِتَأْكُلُواْ)تا کہ تم کھاؤ یعنی ایک گروہ(مِّنْ أَمْوَالِ)مال میں سے، قوت روحانیہ ظلم کے ساتھ تمہارا اس طرف خاص پھیرنے کی وجہ سے قوت نفسانیہ کے پناہ گاہ میں(وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ) ([632])اور تم جانتے بھی ہو کہ یہ گناہ ہے اور کسی شئ کو اپنے موضع میں نہ رکھنا ہے۔( يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأهِلَّةِ)اور وہ دل کے نور کا طلوع ہونا ہے جب روح کا نور چمک اٹھے۔ ( قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ)سالکین کیلئے جو ان کے ذریعے معاملہ کے وجوب کے اوقات،اللہ کے راستے میں اور سختی کا راستہ اور طواف کرنا بیت اللہ کا،اور وقوف عرفہ کی پہچان اور سعی کرنا صفا اور مروہ کی۔بعض فرماتے ہیں: اہل زاہدوں کے لیے ان کے اذکار کا وقت ہے اور اہل صدیقین کیلئے ان کے مراقبہ کا وقت ہے۔اور اول دونوں سے مراد غالباً ظاہر شریعت پر قائم رہنا ہے۔اور دوسرے آخریسے مراد احکام حقیقت پر عمل کرنا ہے۔پس اگر ظاہر ہوا ان پر وصف جلالیت کے ساتھ تو وہ خفیف الحرکت ہو جائیں،اور اگر ان پر ظاہر ہو جائیں جمال کے وصف کے ساتھ تو وہ زندگی پا لیں۔پس وہ جلال وجمال کے درمیان ہے، خضوع اور دلال کے درمیان ہے،اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا نفع دے اور ان کی برکات ہم پر نازل کرے۔ (وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوْاْ الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا)ابن جریرؒ اور بخاریؒ نے براءؓ سے روایت نقل کیا ہے فرماتے ہیں: کفار جب احرام باندھ لیتے تو گھروں میں پشت کی طرف سے (یعنی دیوار میں نقب لگا کر) آتے تھے

تو یہ آیت(وَلَيْسَ الْبِرُّ)نازل ہوئی۔([633]) گویا کہ وہ حرج سمجھتے تھے دروازے سے داخل ہونے میں اس وجہ سے کہ کہیں دروازے کی چھت ان کے اور آسمان کے درمیان حائل نہ ہو جاتے جیسا کہ تصریح کی ہے زہریؒ نے ابن جریرؒ کی روایت میں۔([634])اور وہ اس فعل کو نیکی سمجھتے تھے شمار کرتے تھے،توان کو بیان کیا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں ہے۔( وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ

---

631۔ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔اور اس میں یہ جملہ نہیں ہے۔ولی وقت مع حفصۃ وزینب،اور فرماتے ہیں کہ یہ بعض صوفیہ کا کلام ہے اور حدیث نہیں ہے۔القاری، علی بن سلطان الہروی، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب، س۔ن، ص259

632۔سورۃ البقرۃ:188

633۔حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَتَوْا الْبَيْتَ مِنْ ظَهْرِهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ { وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا }، صحیح بخاری،کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ { وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ }،رقم:4512

634۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:189

اتَّقَى)یعنی نیکی یہ ہے کہ جو بچا محارم اور شہوات سے یا یہ کہ نیکی والا یا نیکی جو بچا، اور ظاہر یہ ہے کہ جملہ نفی معطوف ہے قل کے مقولہ پر۔ پس لازمی ہے ان دونوں کے درمیان جمع ہو یعنی تطبیق ہو بھرحال اگر یہ کہا جائے، انہوں نے دو چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا جیسے بھی ہو سکے، تو ان دونوں کا جمع کرنا جواب میں اس بناء پر کہ دونوں کے سوال متفق تھے۔ اور دوسری صورت: اِلاَّ مقدر مانا جاتے کہ اس نے ذکر کو ترک کر ادیا ایمان کے طور پر اور اکتفاء کے طور پر جواب کی اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اور اجازت کے طور پر کہ یہ معاملہ جو نامناسب ہے جو واقع ہو تو احتیاجی پیدا ہوتی اس سے سوال کی، یا یہ کہا جائے! کہ سوال تو واقع ہو صرف چاند کے بارے میں اور یہ مستعمل ہے یا حفیۃ استطراد کیلئے ذکر کیا گیا ہے جب ذکر ہوا، حج کے اوقات، اور مذکور بھی ان کے افعال میں سے ہے مگر پانچ، یا یہ کہ تنبہ کرنے کیلئے کہ ان کی حالت کے لائق یہ تھا کہ وہ سوال کریں اس اصر کے مثل سے، اور انہوں نے تعارض نہیں کیا جو اہم ہیں تھا چاند کے معاملہ میں، یا یہ کہ استعارہ تمثیلیہ کے طور پر ہے اس طور پر کہ کبھی ان کی حالت کی تشبیہ ان کے سوال میں وہ نہیں سمجھتے تھے، اور اہم کو ترک کر دیا ترک باب کے حال سے اور ذکر کیا دوسرے طریقے پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ اس سوال میں ان کا معاملہ الٹ تھا۔ پس معنٰی: اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے مسائل کو الٹ کر دو لیکن نیکی یہ ہے کہ اس سے اپنے آپ کو روکو اور جراءت نہ کرے اس کے مثل پر، اور جائز قرار دیا ہے کہ عطف ہو اللہ سبحانہ کے قول (يَسْأَلُونَكَ) پر، اور ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ اول: ایسا قول جو مناسب نہیں ہے اور ثانی: ایسا فعل ہے جو مناسب نہیں ہے انصار سے واقع ہو جیسا کہ بعض روایات حکایت کرتی ہیں۔(وَأْتُواْ الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا)اس لئے کہ الٹے (راستے سے آنے میں) میں نیکی نہیں ہے، اور کاموں کو شروع کر وان کے سامنے سے، اور جملہ عطف ہے (وَلَيْسَ الْبِرُّ) پر یا اس وجہ سے کہ یہ اس کی تاویل میں ہے، اور تم نہ آؤ گھروں کی پشتوں سے، یا اس وجہ سے کہ قول کا مقولہ ہے اور انشاء کا عطف اخبار پر جائز ہے (جہاں) اعراب کا محل ہو خاص کر قول کے بعد اور ابن کثیرؒ اور بہت سے نے (الْبُيُوتَ) کو باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے ([635])، جہاں واقع ہوا۔(وَاتَّقُواْ اللّهَ)احکام کے بدلنے میں جیسے کہ گھروں میں دروازوں سے آنا، اور مناسب سوال کرنا، اور حکمتوں اور مصالح جو ودیعت رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں علم کے بعد اس نے کام چیز کو مضبوط کیا ہے یا تمام امور میں۔(لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)تاکہ تم کامیاب ہو مطلوب کے ساتھ ہدایت اور نیکی میں سے اس لیے کہ جو اللہ سے ڈرا پھوٹ پڑتی ہیں حکمت کے چشمے اس کے دل سے، اور کھول دیے جاتے ہیں اس کے لیے اسرار کے باریکوں کو اس کے تقویٰ کے مطابق۔ (وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ) تم جہاد کرو اللہ تعالیٰ کی دین کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، پس، السبیل، کا معنٰی ہے راستہ جو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے کلمہ کے لیے مستعار ہے۔ اس لیے کہ مومن اس کے ساتھ پہنچتا ہے اللہ کی رضاء تک، اور ظرفین جو مدلول ہے ترشیح میں استعارہ کے لیے ہے۔(الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ) کفار میں سے جو تمہیں قتال کے لیے پکارتے ہیں، اور یہ ابو

635 ۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص80۔ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص226

العالیہؒ(636) کی روایت ہے۔ اور یہ قول بھی ہے سے مشرکین سے قتال کرنے کے حکم سے پہلے جو پکارنے اور کہنے والے ہیں، پس اس صورت میں تقسیم ہو گی تخصیص کے بعد جو مستفاد ہے اس امر سے مقرر ہے منطوق کے لئے اور ناسخ ہے اس کے مفہوم کیلئے یعنی تم قتال نہ کرو ان سے جو نہ لڑیں اور ایسی طرح آنے والی نہی میں اس لئے کہ اس صورت میں مشتمل ہے نہی پر قتال سے بھی۔ بعض کہتے ہیں: اس کا معنی ہے جو تمہارے ساتھ قتال کھڑا کرتے ہیں اور ان سے توقع ہے جنگ کی نہ کہ غیر سے مشائخ، بچے اور عورتیں اور راہب، پس اس صورت میں آیت مختص ہو گی اس اصر کے عموم پر نکالنے کیلئے جو ان میں سے نہیں پڑتے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد جو تمام کفار کو عام ہو اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے قتال سے روکتے ہیں اور ان کے قصد سے پس وہ قتال کے حکم میں ہیں وہ قتال کریں یا نہ کریں اور پہلے کی تائید ہوتی ہے، جو ابو صالح نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو روکا حدیبیہ کے سال بیت اللہ کا طواف کرنے سے اور اس بات پر صلح کی کہ اگلے سال آئیں اور ان کے لیے مکہ تین دن کے لیے خالی کر دیا جائے گا تو بیت اللہ کا طواف کریں گے اور جو چاہیں کریں پس جب آئندہ سال آیا تو رسول اللہ اور ان کے صحابہ نے عمرۃ القضاء کی تیاری کی، اور اس بات سے ڈرے کہ قریش اس کی فاء نہیں کریں گے اور مسجد حرام سے روک دیں گے یا وہ مسلمانوں سے قتال کریں گے۔ اور صحابہ نے ان سے اشہر حرم میں قتال کو ناپسند سمجھا اور حرم میں تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔(637) اور جس نے اس کے اثر سے سمجھا ہے چوتھی وجہ بنائی ہے مراد میں مول کے ساتھ، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو مشرکین میں سے جو حرم میں قتال سے روکے اور شہر حرام میں جیسا کہ بعض نے کیا، یہ بعید ہے اس لئے کہ یہ تخصیص بغیر دلیل کے اور سبب کا خاص کرنا تقاضہ نہیں کرتا تخصیص حکم کا۔(وَ لاَ تَعْتَدُوا) یعنی قتل نہ کرو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو اور جو صلح کرے اور اپنے ہاتھ کو روکا پس اگر تم نے (ان سے لڑائی کی) تو تم نے تجاوز کیا، روایت کی ہے ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے (638) یا، ثم، تعتدی نہ کرو کسی طرح بھی جیسا کہ قتال کی ابتداء یا معاہدی (ذمی) سے قتال یا بغیر الموت کے ان پر چڑھائی کرنا یا ان کا قتل کرنا جن کے قتل سے تمہیں روکا گیا ہے، یہ ان میں سے بعض نے کیا ہے، اور تائید (حاصل کی ہے) کہ فعل منفی عموم کا فائدہ درستی ہے۔( إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ) یعنی اپنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو، اور وہ ما قبل کی تعلیل کی طرح ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے صحبت، شہود میں یہ عبادت ہے خبر کے ارادہ سے اور ان کیلئے ثواب اور کوئی واسطہ نہیں محبت اور بعض کے درمیان اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے، اور یہ انسان کی صحبت و بعض کے برعکس ہے اس لئے کہ ان دونوں کے

636 ۔ رُفَیع بن مہران ابو العالیہ الریاحی البصری۔ بنی ریاح بن یربوع کی ایک عورت کے مولیٰ تھے جو بنو تمیم کی ایک شاخ ہے۔ دور جاہلیت میں بھی رہے ہیں اور نبی کے وفات پا جانے کے بعد اسلام قبول کیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق سے اُن کی ملاقات ثابت ہے۔ سیدنا عمر کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی ہے۔ سال وفات میں اختلاف ہے۔ حافظ مزی نے 3 شوال 90ھ/708ء کو راجح قرار دیا ہے۔ مزی، تہذیب الکمال، ج9، ص214

637۔ واحدی، اسباب النزول، ص49

638۔ ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ: 190

درمیان واسطہ ہے اور وہ ان دونوں کا معدوم ہونا ہے۔( وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ)یعنی جہاں تم ان کو پاؤ جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا جب ان سے نافع بن ارزق نے سوال کیا، اور اس پر حسان بن ثابتؓ کا قول فرمایا۔

فإما (يثقفن) بنى لوى  جذمة أن قتلهم دواء ([639])

ترجمہ۔ پس جہاں بنی لوی کو یقیناً پاؤ تو ان کا قتل کرنا دواء ہے۔

اور ثقف کا اصل حذق ہے (تیز شرار، باکمال) یعنی عملاً کسی کے ادراک میں یا علماً اور بہت زیادہ مطلق ادراک میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے فعل (آتا ہے) جیسے کرم، وفرح (وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ)۔ یعنی مکہ سے اور فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ یہ کام کیا اور یہ امر معطوف ہے اپنے سابق پر، اور مراد یہ ہے کہ تم کروان دونوں اصروں میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو مشرکین کے حق میں (اس لیے وہ اعتراض) رفع ہو گیا جو کہا گیا ہے: ان کے نکالنے کا حکم قتل کے حکم کے ساتھ جمع ہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ قتل اور اخراج دونوں جمع نہیں ہو سکتے، اور کوئی حاجت نہیں ہے اس تکلف کی طرف کہ مراد ان کا نکالنا جو امن میں داخل ہو گئے ہیں یا انہوں نے امن پاتی ہے جیسا کہ (یہ بات) مخفی نہیں ہے۔ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ) یعنی ان کا حرم میں شرک کرنا زیادہ قبیح ہے، پس تم کوئی پرواہ نہ کروان سے قتال کرنا حرم میں، اس لیئے کہ یہ قبیح کا ارتکاب کرنا ہے اقبح کو دفع کرنے کے لیئے، وہ تمھارے لیے اجازت ہے، اور تمہاری (سیئات کو) مٹادے گا یا (مراد یہ ہے کہ) وہ مشقت جس کے ذریعے انسان کو فتنہ میں ڈالا جاتا ہے جیسے نکالنا محبوب وطن سے طبیعت سلمہ کو یہ وہ مشکل ہے اور ناگوار ہے قتل سے، مشقت کی ہمیشگی کی وجہ سے اور اس کے ساتھ نفس کو تکلیف کی وجہ سے اور اس (جگہ) کہا گیا ہے

(لقتل بحد سيف أهون موقعاً  على النفس من قتل (بحد فراق)  ([640])

ترجمہ۔ تیز دھار تلوار کا قتل نفس پر زیادہ ہلکا ہے، فراق کے قتل سے۔

---

[639] ۔ حسان بن ثابت، دیوان، دار صادر، بیروت، س۔ن، ص 65

[640] ۔ زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ: 191

اور جملہ بناء بر تفسیر اول تکمیل اور احتراس ([641]) کے باب سے ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَ اقْتُلُو هُمْ) ان کا تو ہم سے کہ حرم میں قتال کرنا قبیح ہے تو اس کی کس طرح اجازت دی گئی۔ اور ثانی (عطف کرنے کی صورت میں) تذییل ہے۔ ([642]) اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَ أَخْرِجُو هُم) اخراج کے حال کو بیان کرنا اور اس پر ترغیب دینا ہے۔ اور الفتنۃ اصل (میں کہتے ہیں) سونے کا آگ پر رکھنا تاکہ کھوٹ سے پاک ہو جاتے، پھر آزمائش، عذاب اور اللہ کے دین سے روکنا اور اس کے ساتھ شرک نے میں استعمال ہونے لگا، اور آیت کے اخیر میں ابو العالیہؒ نے تفسیر کی ہے۔ (وَلاَ تُقَاتِلُو هُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ) مومنین کو منع کیا گیا ہے کہ وہ قتال کی ابتداء کریں اس معزز مقام اور وطن میں یہاں تک وہ شروع کریں، اور نہی لڑائی سے جو دو طرف کا فعل ہے اس اعتبار سے کہ ان کو روکنا اس جگہ ابتداء کرنے سے جو اس کے حصول کا سبب ہو، اور اسی طرح کہ مقصود اور انتہاء ہو فتح کے اعتبار سے تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ اپنے نفس کے لیے غایت ہو۔ ( فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُو هُمْ) حرم میں قتال کرنے سے نفی ہے جس (بات) سے مسلمان ڈرتے تھے اور اس (قتال حرم) کو ناپسند کرتے تھے، یعنی اگر وہ تمھارے ساتھ وہاں قتال کریں تو ان کے ساتھ قتال کرنے میں کوئی پرواہ نہ کرو اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حرم کی بے حرمتی کی اور تم ان سے قتال کرنے میں قتل کو اپنے سے دفع کرتے ہو اور ظاہر یہ تھا کہ فاعل (کے صیغہ کے ساتھ) لانا، مگر اس سے عدول کی فعل کے صریح (یعنی صیغہ) کے ساتھ۔ بشارت وخوشخبری ہے مؤمنین کیلیئے کہ ان پر غلبہ (حاصل ہو گا) یعنی کفار نادم اور بے یار و مددگار ہونگے، اس طور سے کہ تم نے حکم دیا ان کے قتل کا اور (امام) حمزہؒ اور کسائیؒ (وَ لاَ تُقَاتِلُو هُمْ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُو هُمْ) نے پڑھا ہے ([643]) امام اعمشؒ نے امام حمزہؒ کی اس قرأت پر اعتراض کیا ہے اور آپ سے فرمایا ہے۔ کہ کیا آپ نہیں دیکھتے آپ کی قراءت (کے مطابق) جب آدمی مقتول ہو جائے تو اس کے بعد قاتل کیسے ہو سکتا ہے غیر کا (یعنی عنہ کو کہے قتل کر سکتا ہے) (جواب) (امام) حمزہؒ نے فرمایا، کہ عرب میں جب کوئی آدمی مارا جاتا تو وہ کہتے تھے: (قتلنا) قتل کیسے گیے، ہم نے قتل کیا، اور جب ان میں سے کوئی آدمی مارتا تو کہتے ہم نے مارا (ضربنا)۔ حاصل یہ ہے کہ کلام حذف مضاف الی المفعول پر ہے اور وہ (حذف) لفظ، بعض، ہے تو لازم نہیں آئے گا کہ مقتول کا قاتل ہونا، اور بہر حال فعل کی اسناد ضمیر کی طرف تو یہ مبنی

---

641 ۔ تکمیل، یہ ہے کہ ایک ایسے فضلہ (منصوبات وغیرہ میں سے کسی ایک) کو لایا جائے جو معنی کے حسن کو بڑھائے جیسے کہ، و یطعمو ن الطعام علی حبہ، اس میں الطعام، تکمیل کے لئے لایا گیا ہے۔ اور احتراس، یہ ہے کہ کسی ایسے کلام میں جو خلاف مقصود کا وہم پیدا کر رہا ہو ایک ایسی قید کا اضافی کر دیا جائے جو اس وہم کو دور کرے جیسے، فسقی دیارک غیر مفسدہا صوب الربیع ودیمۃ تہمی، اللہ تیری بستی کو موسم بہار کی مسلسل دھیمی برسنے والی بارش سے سیراب کرے دارانحالیکہ کہ وہ اسے نقصان پہنچانی والی نہ ہو۔ الحموی، تقی الدین، خذانۃ الادب وغایۃ الارب، دار العلم، بیروت، س۔ن، ج 2 ، ص 374۔386

642 ۔ تذییل، یہ ہے کہ کسی ایک جملے کے بعد کوئی ایسا دوسرا جملہ بڑھایا جائے جو پہلے کے معنی پر مشتمل ہو اور یہ بڑھانا پہلے جملے کو پختہ کرنے کے لئے ہو۔ جیسے، جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔ ایضاً، ج 1، ص 242

643 ۔ ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءت السبع ، ص 80۔ ابن الجزری، النشر فی القراءت العشر، ج 2، ص 227

ہے کہ فعل واقع ہے بعض سے بعض آخر کی رضامندی سے کل کی طرف مسند ہے اسناد میں جائز ہونے پر تو اس میں مقرر مانے کی کوئی حاجت نہیں ہے، اسی وجہ سے اعمش نے اکتفاء کیا ہے سوال میں مفعول کی جانب سے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول (وَ لاَ تُقَاتِلُو هُمْ) جائز ہے حقیقت پر بغیر کسی تاویل کے اس لیے کہ معنٰی سلب کلی پر ہے، یعنی تم میں سے ایک قتل نہ کرے ان میں سے ایک کو یہاں تک واقع ہو ان میں سے ان کے بعض کا قتل [644] پھر تاویل خاص ہے اس قرأت کے ساتھ اور کوئی حاجت نہیں ہے اس میں (لاَ تُقَاتِلُو هُمْ) اس لئے کہ معنٰی، لا تفاتحو ہم، یعنی ان کو فتح نہ دو اور مفاتحہ نہیں ہوتا مگر بعض کے شروع کے ساتھ بعض کے قتال کے ساتھ اس کو (یعنی اس قول کو) بعض محققین نے کہا ہے، اور بعض محققین و ناضرین پر پس تدبر کو۔(كَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ) ما قبل کے لئے ذلت ور سوائی یعنی ان کے ساتھ اس طرح کیا جاتے جس طرح انہوں نے کیا، اور (آیت میں) کافرین کو ضمیر کی جگہ اسم ظاہر میں ذکر کیا ان کے کفر کا عیب کے ساتھ یا اس سے مراد جنس ہے، اور داخل ہوتا ہے اس میں مذکور قول اولیٰ کے ساتھ، اور جار مشہور یہ ہے کہ خبر مقدم اور اس کے بعد مبتدأ مؤخر ہے اور ابوالبقاء نے فرمایا ہے کہ کاف، مثل، کے معنٰی میں ہے۔ اور مبتدأ ہے اور جزاء اس کی خبر ہے، تقدیم کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[645] ( فَإِنِ انتَهَوْاْ ) کفر سے توبہ کے ساتھ جیسا کہ مجاہدؒ وغیرہ سے روایت کی گئی ہے، یا کفر و قتال سے جیسا کہ بعض کا قول ہے دونوں امروں کے ذکر کے قرینہ سے۔( فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ) ان سے اللہ در گزر اور بخش دے گا جو اس سے پہلے (گناہ) ہوتے ہیں، بحر، میں اس سے استدلال کیا ہے کہ قاتل عمد کی توبہ سے، کفر بڑا گناہ ہے قتل سے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قاتل سے توبہ قبول ہونے کی خبر دی ہے۔[646]

---

644۔بیضاوی، تفسیر بیضاوی، سورۃ البقرۃ: 191

645۔ابوالبقاء، املاء ما من بہ الرحمٰن، سورۃ البقرۃ: 191

646۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 192

# فصل چہارم

## سورۃ البقرۃ آیت 193تا195کااُردو ترجمہ،

## تخریج و تحقیق

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّهِ فَإِنِ انتَهَواْ فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ 193 الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ 194 وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ 195

ترجمہ۔اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے۔اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے) 193۔ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں پس اگر تم پر زیادتی کرے تو جیسے زیادتی وہ تم پر کرے ویسے ہی تم اس پر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے 194۔اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے 195۔

(وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ) عطف ہے (وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ) پر ([647]) اور اول (وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ) ذکر کیا ہے اصل قتال کے وجوب پر، اور یہ (مذکورہ آیت) قتال کے غایت بیان کرنے کے لیے ذکر کیا ہے، اور، الفتنۃ ، سے مراد شرک ہے، جیسا کہ حضرت قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہم سے روایت ہے۔اور اس کی تائید (اس بات سے) ہوتی ہے کہ مشرکین عرب کے لیے اسلام یا تلوار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، اللہ کے قول کی وجہ سے (تقاتلونهم او يسلمون) ([648]) (وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّهِ) یعنی خالص اللہ کیلئے جیسا کہ لام اس کی طرف مشعر ہے اور یہاں کلمہ ،کلہ، نہیں لائے، جیسا کہ انفال میں ہے۔([649]) (اس لیے نہیں لائے) کہ یہاں مشرکین عرب ہیں، اور وہاں سورۃ انفال میں کفار عام ہے، تو وہاں عموم مناسب تھا اور یہاں ترک عموم۔ ( فَإِنِ انتَهَواْ) غایت کے مفہوم کی تفریح ووضاحت ہے، پس (اس کا) متعلق شرک ہے اور فاء تعقیب کے لیے ہے۔( فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ) جزاء محذوف کی علت ہے اس کے قائم مقام یہی ہے، اور تقدیری (عبارت ہے) (فان انتهوا اسلموا فلا تعتدو عليهم لان العدوان على الظلمين) اگر رکے اور اسلام لائے تو ان پر ظلم وتعدی نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ظلم وتعدی ظالموں پر ہے، اور رکنے والے ظالم نہیں ہیں، اور مراد اچھائی کی نفی ہے اور جوار نہ کہ نفی وقوع کے لیے ہے اس لیے کہ دشمنی وزیادتی واقع غیر ظالموں پر مراد عدوان سے قتل کی سزا ہے، اور قتل کو نام دیا گیا ہے عدوان کا اس حیثیت سے کہ میرا انھی دشمنوں کے لیے اور وہ ظلم ہے جیسا کہ اللہ کے قول میں ہے (فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ) ([650]) (وَجَزَاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا) ([651])

---

647۔سورۃ البقرۃ:190

648۔سورۃ الفتح:16

649۔سورۃ الانفال:39

650۔سورۃ البقرۃ: 194

651 ۔سورۃ الشوریٰ:40

اور اس کو خوبصورت بنایا ہے کلام کے باہم جوڑ اور امتزاج معنوی کی وجہ سے۔ اور یہ بھی ممکن ہے یہ کہا جائے: ظلم کی جزاء ظلم ہے اس لیئے کہ اگرچہ مجازا یہ عدل ہے لیکن ظاہر کے حق میں ظلم ہے اس کے نفس میں اس لیئے کہ ظلم ہے اس سبب کی وجہ سے یہ سزا لاحق ہوتی ہے اس کے ظلم پر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہمزا محذوف نہیں ہے، جو مذکور ہے وہی جزا ہے (اس) معنٰی پر کہ آزیادتی نہ کرو رکنے والوں پر، یا یہ کہ بنایا جائے (فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ) کو (فَلاَ عُدْوَانَ عَلَى غَيْرِ الظَّالِمِينَ) کے معنٰی پر، جو کنایہ ہے، المنتهين، سے، یا عدوان کو ظالمین کے ساتھ خاص کرنا، کنایہ ہے کہ جائز نہیں ہے زیادتی ان کے غیر پر اور وہ، المنتهون، رکنے والے ہیں۔ اور اعتراض کیا گیا ہے تقدیر اول پر: حکم ثبوتی جو مستفاد ہے قصر سے زائد ہو جائے گا۔ اور تقدیر ثانی پر مکنّٰی عنہ، مکنی بہ سے ہو جائے گا، اور جو قرار دیا ہے کہ مذکور ہو جاتے، وہ جزاء اور معنٰی ظالمین تجاوز کرنے والے قتال کے حکم کی حد سے، گویا کہ اس سے کہا گیا ہے: پس اگر وہ شرک سے باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر اللہ تعالٰی نے قتال کے لیے جو حد مقرر کی ہے اس سے تجاوز کرنے والوں پر اور وہ منتہیں (روکنے والوں) کیلئے رکاوٹ ہیں اور تاویل کریں گے معنٰی کہ اگر تم رکاوٹ بنو منتقین کے لیے تم ہو جاؤ گے ظالموں میں سے اور حال تحریر حال کو منعکس کریگا اور اس میں مبالغہ ہے نہی سے رکنے والوں سے قتال کرنے سے جو مخفی نہیں ہے اور بعض حضرات اس طرف گیے ہیں کہ یہ معنٰی تقاصر کرنا ہے حذف جزاء کا اور مذکور کو اس کے لیے علت بنا دیا ہے (اس) معنٰی پر: کہ اگر وہ رک جائیں تو تم ان کے لیے رکاوٹ مت بنو، تا کہ تم ظالم بن جاؤ، پس اللہ مسلط کر دے گا تمہارے اوپر جو تم پر تعدی کرتے ہیں، اس لئے کہ زیادتی (عدوان) نہیں ہوتی ظالموں پر ،اَوْ، یا اگر وہ رک جاتیں تمہارے اوپر مسلط کرے گا جو تم پر تعدی کریگا (اس) تقریر پر تمہارا ان پر تعرض کرنے اور اس وجہ سے تمہارا ظالم بن جانا، اور اس میں بُعد ہے جو مخفی نہیں ہے، غور کرو۔

( الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ) حدیبیہ کے سال مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ ذوی القعدہ میں تیر و پھروں کے ساتھ ہلکا قتال کیا تھا، اشہر حرم میں عمرۃ القضاء کے لیے نکلنے پر اتفاق ہو گیا تھا، انہوں نے ناپسند جانا کفار کے ساتھ لڑنا ان مہینوں کی حرمت کی وجہ سے پس کہا گیا ہے پر اشہر حرم اس کے ساتھ اور اس کی بے حرمتی اس کی بے حرمتی کے ساتھ ہے پس تم پر او وہ مت کرو۔ ( وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ) یعنی وہ امور جو ثابت کرتے ہیں، کہ قصاص والو پر محافظت کی جاتی برابری، اور وہ متضمن ہے حکم سابق پر حجت کے قائم ہونے کی وجہ سے گویا کہ کہا گیا ہے: تم ان پر سختی سے داخل ہونے کی پرواہ نہ کرو، اور اس شہر کی بے حرمتی ابتدا ٔغلبہ کے ساتھ، اس لیے کہ حرمات جاری ہوتی ہیں اس میں قصاص پس روکنا اس کا قصاص سختی ہے اگر وہ تمہارے ساتھ لڑیں قتال کریں تو قتل کریں تو تم ان کو قتل کرو۔ (فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ) ما قبل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور وہ اخص ہے اس سے مفاد ہے اس لیے کہ اول: مشتمل ہے جب حرام کی حرمت کی بے عزتی ہو اور شکار اور گھاس بر خلاف اس کے اور اس میں تاکید ہے اللہ تعالٰی کا قول ہے (الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ) اور یہ منافی نہیں ہے، اور معطوف ہے فاء کے ساتھ اور ام اباحت کے لیے ہے، اس لیے کہ عفو جائز ہے، اور ،من، احتمال رکھتا ہے

شرطیت کا اور موصولہ کا، اور دوسری صورت پر: (موصولہ ہونے کی صورت میں) فاء خبر میں صلہ ہوگا، اور باء احتمال رکھتا ہے زیادہ ہونے کا اور اصل کا، اور امام شافعیؒ نے ان سے استدلال کی ہے کہ قاتل کو قتل کی جائے گا اس کے مثل سے جس سے اس نے قتل کیا ہے لوہے میں سے، گلا گھونٹ کر یا جلا کر یا بھوکا رکھ کر یا غرق کر کے، یہاں تک اگر قاتل نے مقتول کو پھینکا ہو میٹھے پانی میں تو قاتل کو نمکین پانی میں نہیں ڈالا جائے گا، اور استدلال کیا ہے کہ جس نے کوئی چیز غصب کی اور پھر اس کو تلف کر دیا تو اس پر لازم ہے اس کا مثل رد کرے، پھر مثلی کبھی صوری ہوگی جیسا کہ ذوات الامثال میں اور کبھی معنوی ہوگی جیسا کہ قیمتی جسکی مثل نہیں ہے۔ ( وَاتَّقُواْ اللّهَ) اپنے باہمی مدد کرنے سے اور عدل کو ترک کرنے سے جس میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں ہے۔(وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ) نصرت و مدد کے ساتھ۔

(وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ) یہ عطف ہے (قَاتِلُوْا) پر [652] مطلب یہ ہے کہ تم خرچ کرو اللہ کے راستے میں (وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) جہاد کو چھوڑنے اور خرچ فی سبیل اللہ کو چھوڑ دینے کی وجہ سے تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور یہ سب معطوف اور معطوف علیہ متعلق ہیں اپنی اضداد کے اور تاکید ہیں اضداد کی۔ اس کی تائید ہوتی ہے حضرت ابی عمران رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو فرماتے ہیں کہ: ہم قسطنطنیہ میں تھے تو روم کی طرف سے ایک جماعت نکلی، تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی نکلا اور ان میں داخل ہو گیا تو لوگوں نے کہا: اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، یہ سننا تھا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ: اے لوگو! تم اس آیت کی یہ تاویل کر رہے ہو، جبکہ یہ آیت تو ہمارے انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت دی اور اسلام کے حامیوں کی تعداد بڑھ گئی تو ہم میں سے بعض نے بعض کو چپکے سے کہا کہ: ہمارا مال تو ضائع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اور اس کے دین کے مددگار بڑی تعداد میں ہو گئے، اگر ہم اپنا مال لے لیں اور جو ضائع ہو گیا اس کی اصلاح کریں تو اچھا ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ والی آیت کریمہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی: ہلاکت اس میں یہ تھی کہ انہوں نے مال کو بڑھانے کا سوچا تھا اور جہاد کو بالکل دیوار سے لگا دیا تھا۔ [653] امام جبائیؒ فرماتے ہیں کہ، مال کو فضول خرچ کرنا ہی ہلاکت ہے، اور اس آیت سے مراد فضول خرچی سے روکنا ہے خرچ کے حکم کرنے کے بعد تاکہ خرچ کرنے والا افراط اور تفریط سے بچ جائے۔

---

[652] ۔سورۃ البقرۃ: 190

[653] ۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ وَابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِى حَبِيبٍ عَنْ أَسْلَمَ أَبِى عِمْرَانَ قَالَ : غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نُرِيدُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَالرُّومُ مُلْصِقُو ظُهُورِهِمْ بِحَائِطِ الْمَدِينَةِ فَحَمَلَ رَجُلٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَقَالَ النَّاسُ : مَهْ مَهْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ يُلْقِى بِيَدَيْهِ إِلَى التَّهْلُكَةِ. فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ : إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ لَمَّا نَصَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ وَأَظْهَرَ الإِسْلاَمَ قُلْنَا : هَلُمَّ نُقِيمُ فِى أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحُهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى (وَأَنْفِقُوا فِى سَبِيلِ اللَّهِ وَلاَ تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) فَالإِلْقَاءُ بِالأَيْدِى إِلَى التَّهْلُكَةِ أَنْ نُقِيمَ فِى أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحَهَا وَنَدَعَ الْجِهَادَ ،سنن ابوداود، تحقیق:ناصر

امام بیہقیؒ نے ،شعب، میں حسنؒ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد بخل ہے۔([654]) کیونکہ یہ ہلاکت ابدی میں ڈال دیتا ہے تو نہی امرِ سابق کی تاکید ہے۔امام بلخیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بغیر اسباب کے میدان جنگ میں اترنے کے متعلق ہے کیونکہ اس سے انسان اپنی جان کو خطرے اور ہلاکت میں ڈالتا ہے تو اس صورت میں میں یہ متعلق ہوگا (قَاتِلُوْا) کے ([655]) تو اس کا مطلب ہوگا کہ لڑنے میں افراط اور تفریط سے کام نہ لے۔حضرت سفیان بن عیینہؒ اور ایک بڑی جماعت نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا(وَ لاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ) کہ ایک آدمی دشمن سے لڑتا ہے(ملتا ہے)اور خوب لڑتا ہے یہاں تک کہ خود شہید ہو جاتا ہے تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، لیکن وہ آدمی جو گناہ کرتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کریں گے۔([656])اور اسی طرح کی روایت عبیدہ سلمانیؒ سے بھی منقول ہے لیکن اس صورت میں یہ متعلق ہوگا اللہ تعالیٰ کے فرمان(فَإِنَّ اللّهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ) ([657])لیکن یہ بہت دور کی تاویل ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم کے علاوہ سب نے مسترد کیا ہے، جبکہ الفاظ سے عموم ظاہر ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کو اس کے اسفل کی طرف سے دیکھا جاتا ہے بعد پھر مجازی صورتیں بنائی جاتی ہیں جیسے کہا جاتا ہے ہر اس آدمی کے بارے میں کہ جو کام کو اپنے ذمے لے اور وہ کام پر سوار ہو جائے، اسی بارے میں مشہور شاعر لبیدؓ کا شعر ہے۔

حتى إذا ( ألقت ) يداً في كافر ... وأجن عورات الثغور ظلامها([658])

ترجمہ۔جب ہم نے اپنے ہاتھ کافر پر ڈالے — تو سوراخوں سے بھی سایہ آرہا تھا۔

اور ،الی، کے ساتھ متعدی کیا گیا کیونکہ یہ اپنے معنی میں شامل ہے پورے ہونے کو بھی اور ختم کرنے کو بھی اور باء اضافہ ہے مفعول میں اور نہی کی تاکید پختگی لانے کے لیئے کیونکہ ،القی، خود بخود متعدی ہوتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے (فَأَلْقَى مُوسَى

---

الدین الالبانی، کتاب الجہاد، باب فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَ لاَ تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ، رقم:2512۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[654]۔أخبرنا أبوعبد الله الحافظ ومحمد بن موسى قالانا أبو العباس الأصم نا إبراهيم بن مرزوق نا روح عن ميمون عن الحسن في قوله تعالى{ و لا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة } قال:هو البخل،البیہقی،شعب الایمان، رقم:10902

[655]۔سورۃ البقرۃ:190

[656]۔حدثني محمد بن عبيد المحاربي،قال: ثنا أبو الاحوص، عن أبي إسحاق،عن البراء بن عازب في قوله:ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة قال: هوالرجل يصيب الذنوب فيلقي بيده إلى التهلكة،يقول:لا توبة لي ۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 195

[657]۔سورۃ البقرۃ:192

[658] ۔لبید، دیوان لبید، ص316

عَصَاهُ)([659]) مفعول میں زیادتی کرنے کا کوئی قیاس نہیں ہے، اور بالأیدی سے مراد نفوس انسانی مجازاً کیا گیا ہے، اور اس سے تعبیر اس لیے کیا ہے کیونکہ اکثر افعال کا ظہور اسی سے ہوتا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ زائدہ ہے، والأیدی، اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر حقیقی معنی میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم ہلاکت کو مت پیدا کرو اپنے ہاتھوں کو باندھ کر (الباراختیار نہ کریں) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زائدہ نہ ہو، اَیدی، اپنے حقیقی معنٰی میں ہو اور مفعول محذوف ہو اور مطلب ہو کہ تم اپنی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، لیکن، اَیدی، کو ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تم اپنے ارادے اور اختیار کی وجہ سے بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو! اور، التھلکہ، مصدر ہے جیسے ھلک، اور ہلاک ہے، کلام عرب میں اس کا کوئی مثال نہیں ملتی سوائے اس کے۔امام سیبویہؒ نے کلام عرب سے نقل کیا ہے۔([660]) تضرۃ، وتسرۃ، یہ دونوں ضرر اور خوشی کے معنٰی میں ہیں۔اور یہ بھی جائز کیا گیا ہے کہ اس کی اصل لام کے کسرہ کے ساتھ ہو ھلک کا مصدر ہو تشدید کے ساتھ جیسے تجربہ اور تبصرہ ہے پھر بعد میں کسرہ کو ضمہ میں بدل دیا گیا۔([661]) اور اسی میں ہے کہ ،تفعلہ، کسرہ کے ساتھ بھی آتا ہے تو فعل مشدد صحیحہ تمیز مہموز سے شاذ ہے، جبکہ قیاس تو تفعیل کا ہے لیکن کسرہ کو ضمہ کے ساتھ بدلنا بغیر کسی علت کے ہے اور اس طرح کی تبدیلی شذوذ میں اعلیٰ مثال ہے، اور جواز کسی صورت جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے، اور ان کے بدلنے میں کوئی نص نہیں ہے کہ مصدر صرف فعال سے ہی آسکتا ہے جبکہ ،فاء، کا ضمہ تو شاذ ہے۔اس کی تائید تو اس سے بھی ہوتی ہے جو، صحاح، میں جاورتہ، مجاورۃ وجوازاً وجواراًان میں سے کسرہ افصح اور نصب سے بہتر ہے۔([662]) بعض حضرات نے ،التھلکہ، اور ،الھلاک، میں فرق کیا ہے پہلے سے مراد، جس سے بچا جاسکتا ہے، دوسرے سے مراد، بچنا ممکن نہیں ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ،الھلاک، مصدر ہے اور ،التھلکہ، نفس شئ ہے یعنی فھلک نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں قول غیر مشہور ہیں اور استدلال کیا ہے اس آیت سے جس میں ذکر ہے کہ اپنے آپ کو ایسی جگہ میں پیش کرنا جہاں پر نفس کے ہلاک ہونے کا خدشہ ہو اور صلح کا جواز کافروں اور باغیوں کے ساتھ اس وقت ہے جب امام کو اپنی جان کا خطرہ ہو یا مسلمانوں کے نقصان میں بڑ جانے کا(وَ أَحْسِنُوَ اْ) مطلب کہ متحاج کی طرف لوٹ کر آنا، بعد کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھو، اور اپنے کو بہتر سے بہتر بناؤاللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے شاید یہی طریقہ بہتر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں(إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے ہیں۔

---

[659]۔سورۃ الشعرآء:45

[660]۔سیبویہ، ابوالبشر عمر وبن عثمان بن قنبر سیبویہ، کتاب سیبویہ، دارالجیل، بیروت، س۔ن، ج4 ،ص270

[661] ۔زمحشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ: 195

[662]۔الجوہری، محمد بن عبدالقادر، مختار الصحاح، دارالکتب العلمیہ، بیروت،1415ھ/1994ء، مادہ(جور)

# فصل پنجم

## تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن قرطبیؒ اور تفسیر مظہری کے فقہی احکام میں تقابلی جائزہ

آیت 182۔علامہ جصاصؒ نے آیت میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کر کے قاری پر آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ آیت عام ہے ان تمام وصایا کو شامل ہے۔جس میں عدل سے ظلم کی طرف میلان ہو۔اور ما قبل آیت سے اس کو کاص کرنا درست نہیں ہے۔(663)

آیت مبارکہ کی تفسیر میں وصیت میں ظلم کو کبائر میں شمار کیا اور استشہاد حدیث مبارکہ سے کی ہے۔(664) آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر بعض کلمات کی لغوی اور نحوی ترکیب بیان کی ہے۔اور عربی اشعار سے استدلال کیا ہے۔آیت مبارکہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ آیت مبارکہ میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔(665)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ فساد کی روک تھام اور اصلاح کی خاطر ظن پر حکم کیا جا سکتا ہے۔(666)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ صدقہ حالت حیات اور صحت میں افضل ہے۔اور اس کے فضائل میں آحادیث مبارکہ پیش کئے ہیں۔(667)

---

663۔فمن خاف من موص جنفا أو إثما غير موجب أن يكون هذا الحكم مقصورا على الوصية المذكورة قبلها لأنه كلام مستقل بنفسه يصح ابتداء الخطاب به غير مضمن بما قبله فهو عام في سائر الوصايا إذا عدل بها عن جهة العدل إلى الجور منتظمة للوصية التي كانت واجبة للوالدين والأقربين في حال بقاء وجوبها وشاملة لسائر الوصايا غيرها فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق وعدولا إلى الجور فالواجب عليه إرشاده إلى العدل والصلاح ولا يختص بذلك الشاهد والوصي والحاكم دون سائر الناس لأن ذلك من باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر،جصاص،احکام القرآن،سورة البقرة:182

664۔حدثنا عبدالباقي قال حدثنا القاسم بن زكريا ومحمد بن الليث قالا حدثنا عبدالله بن يوسف قال حدثنا عمر بن المغيرة عن داود بن أبي هند عن عكرمة عن ابن عباس قال قال رسول الله ،الإضرار في الوصية من الكبائر ،جصاص،احکام القرآن،سورة البقرة:182

665۔ الخطاب بقوله :{فَمَنْ خَافَ} لجميع المسلمين.قيل لهم:إن خفتم من موص ميلا في الوصية وعدولا عن الحق ووقوعا في إثم ولم يخرجها بالمعروف،وذلك بأن يوصي بالمال إلى زوج ابنته أو لولد ابنته لينصرف المال إلى ابنته،أو إلى ابن ابنه والغرض أن ينصرف المال إلى ابنه،أو أوصى لبعيد وترك القريب ، فبادروا إلى السعي في الإصلاح بينهم،فإذا وقع الصلح سقط الإثم عن المصلح. والإصلاح فرض على الكفاية،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورة البقرة :182

666۔ في هذه الآية دليل على الحكم بالظن،لأنه إذا ظن قصد الفساد وجب السعي في الصلاح،وإذا تحقق الفساد لم يكن صلحا إنما يكون حكما بالدفع وإبطالا للفساد وحسما له،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورة البقرة :182

667۔ لا خلاف أن الصدقة في حال الحياة والصحة أفضل منها عند الموت،لقوله عليه السلام وقد سئل:أي الصدقة أفضل ؟ فقال:أن تصدق وأنت صحيح شحيح،أخرجه أهل الصحيح. وروى الدارقطني عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لأن يتصدق المرء في حياته بدرهم خير له من أن

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ کی تفسیر میں اختصار سے کام لیا ہے اور وہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ اور آیت مبارکہ میں مختلف قراءت کی بیان کر کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں۔ لفظ، خوف، میں صوفیانہ انداز اپناتے ہوئے دقیق بحث بیان فرمائی ہے۔

آیت 183۔184۔ آیت مبارکہ میں صوم کی لغوی اور اصطلاحی معنی بیان فرمایا ہے۔ اور لغوی معنی میں قرآن کریم اور عربی محاورات سے استشہاد پیش کیا ہے۔ آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ امت محمدی ﷺ سے پہلے اہل کتاب پر بھی صوم فرض تھا۔ اور یہ تشبیہ عدد اور صفت میں نہیں ہے۔ ([668])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ مریض اور مسافر کے لئے رخصت ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔ ([669])

آیت مبارکہ میں سفر کے حد کے حوالے سے فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔ ([670])

---

يتصدق عند موته بمائة.وروى النسائي عن أبي الدرداء عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:مثل الذي ينفق أو يتصدق عند موته مثل الذي يهدي بعد ما يشبع،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:182

668۔قال أبو بكر لما لم يكن في قوله كما كتب على الذين من قبلكم دلالة على المراد في العدد أو في صفة الصيام أو في الوقت كان اللفظ مجملا ولو علمنا وقت صيام من قبلنا وعدده كان جائزا أن يكون مراده صفة الصيام وما حظر على الصائم فيه بعد النوم فلم يكن لنا سبيل إلى استعمال ظاهر اللفظ في احتداء صوم من قبلنا ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:183

669۔ قال أبو بكر ظاهره يقتضي جواز الإفطار لمن لحقه الاسم سواء كان الصوم يضره أو لا إلا أنا لا نعلم خلافا أن المريض الذي لا يضره الصوم غير مرخص له في الإفطار فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد إذا خاف أن تزداد عينه وجعا أو حماه شدة أفطر وقال مالك في الموطأ من أجهده الصوم أفطر وقضى ولا كفارة عليه وقال الأوزاعي أي مرض إذا مرض الرجل حل له الفطر فإن لم يطق أفطر فأما إذا أطاق وإن شق عليه فلا يفطر وقال الشافعي إذا ازداد مرض المريض شدة زيادة بينة أفطر وإن كانت زيادة محتملة لم يفطر فثبت باتفاق الفقهاء أن الرخصة في الإفطار للمريض موقوفة على زيادة المرض بالصوم وأنه ما لم يخش الضرر فعليه أن يصوم،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:183

670۔ وليس للسفر حد معلوم في اللغة يفصل به بين أقله وبين ما هو دونه فإذا كان ذلك كذلك وقد اتفقوا على أن للسفر المبيح للإفطار مقدارا معلوما في الشرع واختلفوا فيه فقال أصحابنا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها وقال آخرون مسيرة يومين وقال آخرون مسيرة يوم ولم يكن للغة في ذلك حظ إذ ليس فيها حصر أقله بوقت لا يجوز النقصان منه لأنه اسم مأخوذ من العادة وكل ما كان حكمه مأخوذا من العادة فغير ممكن تحديده بأقل القليل،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :183

آیت مبارکہ میں سفر کی لغوی تحقیق بیان کی ہے۔اور یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ ابتداءاسلام میں اختیار تھاصوم اور فدیہ میں پھر بعد میں یہ اختیار ختم ہو گیا۔(671)آیت مبارکہ کے نسخ کے حوالے سے مفسرین کے اقوال تفصیلاًذکر کرگئے ہیں۔آیت مبارکہ میں شیخ فانی کے معنی میں فقہاء کے اقوال مع دلائل ذکر کرگئے ہیں اور اس کے لئے رخصت کا حکم ذکر کیاہے۔(672)

آیت مبارکہ میں حامل اور مرضع کا حکم تفصیلاً بیان فرمایاہے۔اور اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال ذکر کرگئے ہیں۔(673)

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی ماقبل سے ربط بیان فرمایاہے۔صوم کی لغوی اور اصطلاحی معنی بیان فرمایاہے اور استشہاد میں عربی اشعار پیش کئے ہیں۔آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کرکے آیت کی تفسیر واضح کی ہے اور فضیلت صوم احادیث کی روشنی میں ذکر کیاہے۔(674)

---

671۔ اختلف الفقهاء من السلف في تأويله فروى المسعودي عن عمرو بن مرة عن عبدالرحمن بن أبي ليلى عن معاذ بن جبل قال أحيل الصيام على ثلاثة أحوال ثم أنزل الله كتب عليكم الصيام إلى قوله وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين فكان من شاء صام ومن شاء أفطر وأطعم مسكينا وأجزى عنه ثم أنزل الله الآية الأخرى شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن إلى قوله فمن شهد منكم الشهر فليصمه فأثبت الله تعالى صيامه على المقيم الصحيح ورخص فيه للمريض والمسافر وثبت الإطعام للكبير الذي لا يستطيع الصيام ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:183

672۔ قال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر الشيخ الكبير الذي لا يطيق الصيام يفطر ويطعم عنه كل يوم نصف صاع من حنطة ولا شيء عليه غير ذلك وقال الثوري يطعم ولم يذكر مقداره وقال المزني عن الشافعي يطعم مدا من حنطة كل يوم وقال ربيعة ومالك لا أرى عليه الإطعام وإن فعل فحسن قال أبو بكر قد ذكرنا في تأويل الآية ما روي عن ابن عباس في قراءته وعلى الذين يطوقونه وإنه الشيخ الكبير فلولا أن الآية محتملة لذلك لما تأولها ابن عباس ومن ذكر ذلك عنه عليه فوجب استعمال حكمها من إيجاب الفدية في الشيخ الكبير ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:183

673۔ قال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر والثوري والحسن بن حي وإذا خافتا على ولديهما أو على أنفسهما فإنهما تفطران وتقضيان ولا كفارة عليهما وقال مالك في المرضع إذا خافت على ولدها ولا يقبل الصبي من غيرها فإنها تفطر وتقضي وتطعم عن كل يوم مدا مسكينا والحامل إذا أفطرت لا إطعام عليها وهو قول الليث بن سعد وقال مالك وإن خافتا على أنفسهما فهما مثل المريض وقال الشافعي إذا خافتا على ولديهما أفطرتا وعليهما القضاء والكفارة وإن لم تقدرا على الصوم فهما مثل المريض عليهما القضاء بلا كفارة،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :184

674۔ يقول الله تبارك وتعالى كل عمل ابن آدم له إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به ،وإنما خص الصوم بأنه له وإن كانت العبادات كلها له لأمرين باين الصوم بهما سائر العباداتأحدهما:أن الصوم يمنع من ملاذ النفس وشهواتها ما لا يمنع منه سائر العبادات.الثاني:أن الصوم سر بين العبد وبين ربه لا يظهر إلا له،فلذلك صار مختصا به. وما سواه من العبادات ظاهر ، ربما فعله تصنعا ورياء،فلهذا صار أخص بالصوم من غيره،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:183

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ سفر میں صوم افضل ہے یاافطار اس مسئلے میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً بیان کئے ہیں۔(675)

آیت مبارکہ میں صوم قضاء کے حوالے فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور داود ظاہریؒ(676)کی قول کی تردید کی ہے جو فرماتے ہے کہ قضافوراًشوال میں لازمی ہے۔(677)

آیت مبارکہ میں فدیہ صوم (بعام کی صورت میں)فقہاء کرام کے اقوال ذکر کئے ہیں۔(678)اور ساتھ ساتھ مرض الوفات والے کے فدیہ کاحکم بیان فرمایاہے۔

آیت مبارکہ میں بدل صوم کے حوالے سے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔اور آخر میں امام مالکؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔(679)

---

675۔ واختلف العلماء في الأفضل من الفطر أو الصوم في السفر،فقال مالك والشافعي في بعض ما روي عنهما:الصوم أفضل لمن قوي عليه.وجل مذهب مالك التخيير وكذلك مذهب الشافعي. قال الشافعي ومن اتبعه:هو مخير،ولم يفصل،وكذلك ابن علية.قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:184

676۔ داؤدبن علی بن خلف،اصفہانی،ظاہری،چونکہ قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل پیراتھےاورتاویل،رائےاور قیاس سے کوسوں دور تھے،اس لیے ظاہری کہلائے۔اصبہانی الاصل تھے۔کوفہ میں 201ھ/816ءکوپیداہوئے۔بغداد میں رہائش تھی،اوروہیں270ھ/884ءکووفات پائی۔خطیب بغدادی،تاریخ بغداد،ج8،ص369۔الزرکلی،الاعلام،ج2،ص333

677۔ لما قال تعالى ،فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ،دل ذلك على وجوب القضاء من غير تعيين لزمان،لأن اللفظ مسترسل على الأزمان لا يختص ببعضها دون بعض.عن عائشة رضي الله عنها قالت:يكون عليّ الصوم من رمضان فما أستطيع أن أقضيه إلا في شعبان،الشغل من رسول الله،أو برسول الله صلى الله عليه وسلم.في رواية:وذلك لمكان رسول الله صلى الله عليه وسلم.وهذا نص وزيادة بيان للآية.وذلك يرد على داود قوله:إنه يجب عليه قضاؤه ثاني شوال. ومن لم يصمه ثم مات فهو آثم عنده،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:184

678۔ واختلف من أوجب عليه الإطعام في قدر ما يجب أن يطعم ، فكان أبو هريرة والقاسم بن محمد ومالك والشافعي يقولون:يطعم عن كل يوم مدا.وقال الثوري: يطعم نصف صاع عن كل يوم،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :184

679۔ واختلفوا فيمن مات وعليه صوم من رمضان لم يقضه ، فقال مالك والشافعي والثوري:لا يصوم أحد عن أحد. وقال أحمد وإسحاق وأبو ثور والليث وأبو عبيد وأهل الظاهر:يصام عنه،إلا أنهم خصصوه بالنذر،وروي مثله عن الشافعي.وقال أحمد وإسحاق في قضاء رمضان:يطعم عنه.احتج من قال بالصوم بما رواه مسلم عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:من مات وعليه صيام صام عنه وليه، قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :184

آیت مبارکہ میں مریض کے لئے رخصت کے مسئلے کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔اور آخر میں ابن سیرینؒ(680) کی رائے کو ترجیح دی ہے۔اور استشہاد میں حدیث پیش کیا ہے۔(681)

علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ کی وہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نی بیان فرمائی ہے۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔تینوں تفسیروں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

آیت 185۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت کی تفسیر واضح کی ہے۔آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کی جس نے اس ماہ کو پایا یہ نہیں فرمایا کہ جس اس ماہ کو دیکھا۔اس میں اشارہ ہے کہ تمام لوگوں پر صوم فرض ہوا۔(682)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص پورا رمضان یا کچھ حصہ میں مجنون رہا۔تو اس کا کیا حکم ہے۔اس میں فقہاء کرام کے اقوال مع دلائل تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور آخر میں اس قول کو ترجیح دی ہے جو پورا رمضان مجنون رہا اس پر قضا نہیں ہے۔(683)

---

680۔ محمد بن سیرین بصری انصاری بالولاء، ابو بکر، جلیل القدر تابعی ہیں۔اپنے زمانہ میں بصرہ کے امام تھے۔33ھ/653ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں 110ھ/729ء کو وفات پائی۔ بزاز تھے۔خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج5، ص331۔الزرکلی، الاعلام، ج6، ص154

681۔لمريض حالتان:إحداهما:ألا يطيق الصوم بحال ،فعليه الفطر واجبا.الثانية :أن يقدر على الصوم بضرر ومشقة ،فهذا يستحب له الفطر ولا يصوم إلا جاهل. قال ابن سيرين:متى حصل الإنسان في حال يستحق بها اسم المرض صح الفطرقول ابن سيربن أعدل شيء في هذا الباب إن شاء الله تعالى. قال البخاري:اعتللت بنيسابور علة خفيفة وذلك في شهر رمضان،فعادني إسحاق بن راهوية نفر من أصحابه فقال لي : أفطرت يا أبا عبدالله ؟ فقلت نعم. فقال :خشيت أن تضعف عن قبول الرخصة.قلت حدثنا عبدان عن ابن المبارك عن ابن جريج قال قلت لعطاء:من أي المرض أفطر ؟ قال:من أي مرض كان،قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ:184

682 ۔وأما قوله فمن شهد منكم الشهر فليصمه ففيه عدة أحكام منها إيجاب الصيام على من شهد الشهر دون من لم يشهد فلو كان اقتصر قوله كتب عليكم إلى قوله شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن لاقتضى ذلك لزوم الصوم سائر الناس المكلفين فلما عقب ذلك بقوله فمن شهد منكم الشهر فليصمه بين أن لزوم صوم الشهر مقصور على بعضهم دون بعض وهو من شهد الشهر دون من لم يشهده،جصاص، احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:185

683۔قال أبو بكر قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه يمنع وجوب القضاء على المجنون الذي لم يفق في شيء من الشهر إذ لم يكن شاهد الشهر وشهوده الشهر كونه مكلفا فيه وليس المجنون من أهل التكليف لقوله ص - رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتى يستيقظ وعن الصغير حتى يحتلم وعن المجنون حتى يفيق،جصاص، احکام القرآن، سورۃ البقرۃ :185

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی کافر رمضان کے کچھ حصے میں ایمان لے آیا یا بچہ بالغ ہو گیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔اس میں فقہاء کے اقوال ذکر کئے ہیں۔([684])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ اگر کوئی ماہ رمضان پر عالم نہ ہو۔تو اس کا روزہ درست نہیں ہے۔([685])آیت مبارکہ میں صوم کی لغوی اور شرعی معنی بیان فرمایا ہے۔اور پھر اسی پر فقہی جزئیات مرتب کئے ہیں۔

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے۔کہ حجامہ سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔([686])اور اس پر چند فقہی جزئیات مرتب کئے ہیں۔([687])آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جنابت صوم کے لئے مانع نہیں ہے۔([688])آیت مبارکہ میں رؤیت ہلال کے شہادت کے مسئلہ کو فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔([689])

---

684۔قال أبو بكر رحمه الله قال الله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه وقد بينا معناه وأن كونه من أهل التكليف شرط في لزومه والصبي لم يكن من أهل التكليف قبل البلوغ فغير جائز إلزامه حكمه وأيضا الصغر ينافي صحة الصوم لأن الصغير لا يصح صومه وإنما يؤمر به على وجه التعليم وليعتاده ويمرن عليه ألا ترى أنه متى بلغ لم يلزمه قضاء الصلاة المتروكة ولا قضاء الصيام المتروك في حال الصغر فدل ذلك على أنه غير جائز إلزامه القضاء فيما تركه في حال الصغر ولو جاز إلزامه قضاء ما مضى من الشهر لجاز إلزامه قضاء الصوم للعام الماضي إذا كان يطيقه فلما اتفق المسلمون على سقوط القضاء للسنة ،الماضية مع إطاقته للصوم وجب أن يكون ذلك حكمه في الشهر الذي أدرك في بعضه وأما الكافر فهو في حكم الصبي من هذا الوجه،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:185

685۔ وفيها حكم آخر ومن الناس من يقول أنه إذا لم يكن عالما بدخول الشهر لم يجزه صومه ويحتج بقوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه قال فإنما ألزم الفرض على من علم به لأن قوله من شهد بمعنى شاهد وعلم فمن لم يعلم فهو غير مؤد لفرضه،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ :185

686۔ وأما الحجامة فإنما قالوا إنها لا تفرط الصائم لأن الأصل أن الخارج من البدن لا يوجب الإفطار كالبول والغائط والعرق واللبن ولذلك لو جرح إنسان أو افتصد لم يفطره فكانت الحجامة قياس ذلك، جصاص ،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ :185

687۔وأما الذباب الواصل إلى جوفه من غير إرادته فإنما لم يفطره من قبل أن ذلك في العادة غير متحفظ منه ألا ترى أنه لا يؤمر بإطباق الفم وترك الكلام خوفا من وصوله إلى جوفه فأشبه الغبار والدخان يدخل إلى حلقه فلا يفطره،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:185

688۔ وأما الجنابة فإنها غير مانعة من صحة الصوم لقوله فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر ثم أتموا الصيام إلى الليل فأطلق الجماع من أول الليل إلى آخره،جصاص،احکام القرآن، سورۃ البقرۃ:185

689 ۔ وقد اختلف في الشهادة على رؤية الهلال فقال أصحابنا جميعا تقبل في رؤية هلال رمضان شهادة رجل عدل إذا كان في السماء علة وإن لم تكن في السماء علة لم يقبل إلا شهادة الجماعة الكثيرة التي يوجب خبرها العلم وقد حكي عن أبي يوسف أنه حد في ذلك خمسين رجلا وكذلك هلال شوال وذي الحجة إذا لم يكن بالسماء علة فإن كان بالسماء علة لم يقبل فيها إلا شهاد عدلين يقبل مثلهما في الحقوق وقال

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر بحث کی ہت کہ اگر کسی نے دن کے وقت رؤیت کی۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ یہ آنے والی رات کا شمار ہوگا یا گزرے ہوئے رات کا اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔([690])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیاہے۔کہ قضاء رمضان میں تتابع ضروری ہے یانہیں۔اس میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([691])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ اگر کسی نے سفر میں روزہ رکھااور پھر افطار کیا۔تو اس کا کیا حکم ہے۔([692])

امام قرطبیؒ اور علامہ جصاصؒ کی تفسیر میں نہایت یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ کااثبات کیاہے۔اور فرق باطلہ کی تردید بیان کی ہے۔([693])

---

مالك والثوري والأوزاعي والليث والحسن بن حي وعبيدالله لا يقبل في هلال رمضان وشوال إلا شهادة عدلين،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :185

690۔ وقد اختلف في الهلال يرى نهارا فقال أبو حنيفة ومحمد ومالك والشافعي إذا رأى الهلال نهارا فهو لليلة المستقبلة ولا فرق عندهم بين رؤيته قبل الزوال وبعده وروي مثله عن علي بن أبي طالب وابن عمر وعبدالله بن مسعود وعثمان بن عفان وأنس بن مالك وأبي وائل وسعيد بن المسيب وعطاء وجابر بن زيد وروي عن عمر بن الخطاب فيه روايتان إحداهما أنه إذا رأى الهلال قبل الزوال فهو لليلة الماضية وإذا رآه بعد الزوال فهو لليلة المستقبلة وبه أخذ أبو يوسف والثوري،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:185

691۔ وقد اختلف السلف في ذلك فروي عن ابن عباس ومعاذ بن جبل وأبي عبيدة بن الجراح وأنس بن مالك وأبي هريرة ومجاهد وطاوس وسعيد بن جبير وعطاء قالوا إن شئت قضيته متفرقا وإن شئت متتابعا وروى شريك عن أبي إسحاق عن الحرث عن علي قال اقض رمضان متتابعا فإن فرقته أجزأك،جصاص، احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:185

692۔ وقد اختلف فيمن صام في السفر ثم أفطر من غير عذر فقال أصحابنا عليه القضاء ولا كفارة وكذلك لو أصبح صائما ثم سافر فأفطر أو كان مسافرا فصام وقدم فأفطر فعليه القضاء في هذه الوجوه ولا كفارة عليه وذكر ابن وهب عن مالك في الصائم في السفر إذا أفطر عليه القضاء والكفارة وقال مرة لا كفارة وروى ابن القاسم عن مالك أن عليه الكفارة وقال لو أصبح صائما في حضره ثم سافر فأفطر فليس عليه إلا القضاء وقال الأوزاعي لا كفارة على المسافر في الإفطار وقال الليث عليه الكفارة،جصاص،احکام القرآن، سورۃالبقرۃ :185

693۔دلت الآية على أن الله سبحانه مريد بإرادة قديمة أزلية زائدة على الذات. هذا مذهب أهل السنة،كما أنه عالم بعلم،قادر بقدرة،حي بحياة،سميع بسمع،بصير ببصر،متكلم بكلام. وهذه كلها معان وجودية أزلية زائدة على الذات.وذهب الفلاسفة والشيعة إلى نفيها،تعالى الله عن قول الزائغين وإبطال المبطلين.والذي يقطع دابر أهل التعطيل،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:185

آیت مباکہ میں تکبیرات کے الفاظ کے حوالے سے فقہاء کرام کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔اور آخر میں میں فرماتے ہیں کہ ابن العربیؒ(694)فرماتے ہیں۔کہ تکبیر مطلق مراد ہے اور میں اسی کی طرف مائل ہوں(695)

علامہ آلوسیؒ نے بھی وہی احکام ذکر کئے ہیں۔جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے ذکر کئے ہیں۔بعض قراءت کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔اور بعض کلمات کی نحوی ترکیب کر کے آیت مبارکہ کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔اور ساتھ ساتھ اس مسئلہ کااضافہ کیا ہے۔کہ رمضان کے ساتھ،شہر،کااضافہ لازمی ہے۔اور استشہاد میں عربی شعر پیش کیا ہے۔

آیت 186۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے صرف نظر اختیار کیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔آیت مبارکہ کی شان نزول بیان کی ہے۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔اور آیت مبارکہ میں دعا کے فضائل آحادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ کی تفسیر میں بھی نہایت اختصار پایا جاتا ہے۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب بیان کر کے قاری پر آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔اور دعا کے قبولیت کے شرائط بیان کئے ہیں۔اور بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک دعا کلی طور پر قبول نہیں ہوتی بلکہ مشیت الہی اور حکمت الہی کے بناء پر بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

آیت 187۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان کی ہے۔بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کر کے مختلف احکام کا استنباط کیا ہے۔(696)

---

694۔ محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اِشبیلی مالکی،ابو بکر ابن العربی۔قاضی اور حافظ حدیث تھے۔468ھ/1076ء کو اِشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔علوم کے لیے مشرق کا سفر کیا۔ادب میں نام پیدا کیا۔حدیث،فقہ،اصول،تفسیر اور ادب وتاریخ میں کتابیں لکھیں۔اِشبیلیہ کے قاضی رہے ہیں۔543ھ/1148ء کو فاس میں وفات پائی۔ابن خلکان،وفیات الاعیان،ج4،ص296۔الزرکلی،الاعلام،ج6،ص230

695۔ ولفظ التكبير عند مالك وجماعة من العلماء :الله أكبر الله أكبر الله أكبر ،ثلاثا،وروي عن جابر بن عبدالله. ومن العلماء من يكبر ويهلل ويسبح أثناء التكبير. ومنهم من يقول:الله أكبر كبيرا،والحمد لله كثيرا،وسبحان الله بكرة وأصيلا.وكان ابن المبارك يقول إذا خرج من يوم الفطر:الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله،والله أكبر ولله الحمد،الله أكبر على ما هدانا.قال ابن المنذر:وكان مالك لا يحد فيه حدا.وقال أحمد:هو واسع. قال ابن العربي:واختار علماؤنا التكبير المطلق،وهو ظاهر القرآن وإليه أميل،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورۃالبقرۃ :185

696 ۔ والرفث المذكور هو الجماع لا خلاف بين أهل العلم فيه واسم الرفث يقع على الجماع وعلى الكلام الفاحش ويكنى به عن الجماع قال ابن عباس في قوله فلا رفث ولا فسوق إنه مراجعة النساء بذكر الجماع قال العجاج ... عن اللغا ورفث التكلم فأولى الأشياء بمعنى الآية هو الجماع نفسه،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :187

آیت مبارکہ میں صوم کے اول وقت کے حوالے سے تفصیلی بحث بیان کی ہے۔(697)آیت مبارکہ سے سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ جو نفلی عبادت میں شروع کرے۔خواہ نماز ہو یاصوم اس کا پورا کرنالازمی ہے۔اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔(698)اورپر فقہی جزئیات کا تطبیق کیاہے۔

آیت مبارکہ میں اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرکے اس کے متعلقہ مسائل بیان کئے ہیں۔اور یہ مسئلہ کہ اعتکاف کون سی مسجد میں درست ہے اور کون سی میں نہیں۔اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال ذکر کئے ہیں۔اور آخر میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جس مسجد میں پانچ وقت کی نماز اد کی جاتی ہے۔اعتکاف اس میں درست ہے۔(699)

آیت مبارکہ میں عورتوں کے اعتکاف کی جگہ میں اقوال فقہاء تفصیلاًذکر کئے ہیں۔(700)آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ عورتوں کے عام مساجد میں اعتکاف ادا کرنا مکروہ ہے۔(701)آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ کیااعتکاف بغیر رمضان کے درست ہے یا نہیں۔اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مع دلائل تفصیلاً بیان کئے ہیں۔(702)آیت مبارکہ میں معتکف

---

697۔ قال أبو بكر فقد وضح بما تلونا من كتاب الله وتوقيف نبيه أن أول وقت الصوم هو طلوع الفجر الثاني المعترض في الأفق وأن الفجر المستطيل إلى وسط السماء هو من الليل والعرب تسميه ذنب السرحان ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:187

698۔ وقد اختلف الفقهاء في ذلك فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر من دخل في صيام التطوع أو صلاة التطوع فأفسده أو عرض له فيه ما يفسده فعليه القضاء وهو قول الأوزاعي إذا أفسده وقال الحسن بن صالح إذا دخل في صلاة التطوع فأقل ما يلزمه ركعتان وقال مالك إن أفسده هو فعليه القضاء ولو طرئ عليه ما أخرجه منه فلا قضاء عليه وقال الشافعي رحمه الله إن أفسد ما دخل فيه تطوعا فلا قضاء عليه،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :187

699۔ولم يختلف فقهاء الأمصار في جواز الاعتكاف في سائر المساجد التي تقام فيها الجماعات إلا شيء يحكى عن مالك ذكره عنه ابن عبدالحكم قال لا يعتكف أحد إلا في المسجد الجامع أو في رحاب المساجد التي تجوز فيها الصلاة وظاهر قوله وأنتم عاكفون في المساجد يبيح الاعتكاف في سائر المساجد لعموم اللفظ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :187

700۔ وقد اختلف الفقهاء في موضع اعتكاف النساء فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر لا تعتكف المرأة إلا في مسجد بيتها ولا تعتكف في مسجد جماعة وقال مالك تعتكف المرأة في مسجد الجماعة ولا يعجبه أن تعتكف في مسجد بيتها وقال الشافعي العبد والمرأة والمسافر يعتكفون حيث شاؤا لأنه لا جمعة عليهم قال أبو بكر روي عن النبي أنه قال لا تمنعوا إماء الله مساجد الله وبيوتهن خير لهن فأخبر أن بيتها خير لها ولم يفرق بين حالها في الاعتكاف وفي الصلاة ولما أجاز للمرأة الاعتكاف باتفاق الفقهاء وجب أن يكون ذلك في بيتها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:187

701۔ ويدل على كراهة الاعتكاف في المساجد للنساء،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:187

702۔ وقد اختلف السلف في ذلك فروى عطاء عن ابن عمر عن ابن عباس وعائشة قالوا المعتكف عليه الصوم وقال سعيد بن المسيب عن عائشة من سنة المعتكف أن يصوم وروى حاتم بن إسماعيل عن جعفر

کے لئے مباشرت کے مسئلے میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(703)آیت مبارکہ میں معتکف کے لئے ممنوعات کے حوالے سے فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔(704)

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں جو علامہ جصاصؒ نے ذکر کئے ہیں۔بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کی ہے اور استشہاد میں عربی اشعار پیش کئے ہیں۔

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے دوران صوم ناسیاً جماع کیا یا حوراک کیا تو اس کا کیا حکم ہے۔اس میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔(705)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ کہ حائضہ جب صبح سے پہلے پاک ہو جائے اس میں فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔(706)

---

بن محمد عن أبيه عن علي قال لا اعتكاف إلا بصوم وهو قول الشعبي وإبراهيم ومجاهد،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :187

703۔ وقد اختلف الفقهاء في مباشرة المعتكف فقال أصحابنا لا بأس بها إذا لم تكن بشهوة وأمن على نفسه ولا ينبغي أن يباشرها بشهوة ليلا ولا نهارا فإن فعل فأنزل فسد اعتكافه فإن لم ينزل لم يفسد وقد أساء وقال ابن القاسم عن مالك إذا قبل امرأته فسد اعتكافه وقال المزني عن الشافعي إن باشر فسد اعتكافه وقال في موضع آخر لا يفسد الإعتكاف من الوطىء إلا ما يوجب الحد،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:187

704۔ واختلف فقهاء الأمصار في أشياء من أمر المعتكف فقال أصحابنا لا يخرج المعتكف من المسجد في اعتكاف واجب ليلا ولا نهارا إلا لما لا بد منه من الغائط والبول وحضور الجمعة ولا يخرج لعيادة مريض ولا لشهود جنازة قالوا ولا بأس بأن يبيع ويشتري ويتحدث في المسجد ويتشاغل بما لا مأثم فيه ويتزوج وليس فيه صمت وبه قال الشافعي وقال ابن وهب عن مالك لا يعرض المعتكف لتجارة ولا غيرها بل يشتغل باعتكافه ولا بأس أن يأمر بصنعته ومصلحة أهله وبيع ماله أو شيئا لا يشغله في نفسه ولا بأس به إذا كان خفيفا قال مالك ولا يكون معتكفا حتى يجتنب ما يجتنب المعتكف،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :187

705۔واختلفوا أيضا فيمن جامع ناسيا لصومه أو أكل،فقال الشافعي وأبو حنيفة وأصحابه وإسحاق:ليس عليه في الوجهين شيء،لا قضاء ولا كفارة. وقال مالك والليث والأوزاعي:عليه القضاء ولا كفارة،وروي مثل ذلك عن عطاء. وقد روي عن عطاء أن عليه الكفارة إن جامع،وقال:مثل هذا لا ينسى.وقال قوم من أهل الظاهر:سواء وطئ ناسيا أو عامدا فعليه القضاء والكفارة،وهو قول ابن الماجشون عبدالملك،وإليه ذهب أحمد بن حنبل،لأن الحديث الموجب للكفارة لم يفرق فيه بين الناسي والعامد. قال ابن المنذر:لا شيء عليه،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:187

706۔واختلفوا في الحائض تطهر قبل الفجر وتترك التطهر حتى تصبح ، فجمهورهم على وجوب الصوم عليها وإجزائه،سواء تركته عمدا أو سهوا كالجنب ، وهو قول مالك وابن القاسم. وقال عبدالملك :إذا طهرت الحائض قبل الفجر فأخرت غسلها حتى طلع الفجر فيومها يوم فطر،لأنها في بعضه غير طاهرة ، وليست كالجنب لأن الاحتلام لا ينقض الصوم،والحيضة تنقضه. هكذا ذكره أبو الفرج في كتابه عن عبدالملك. وقال الأوزاعي:تقضي لأنها فرطت في الاغتسال. وذكر ابن الجلاب عن عبدالملك أنها إن طهرت قبل الفجر في وقت يمكنها فيه الغسل ففرطت ولم تغتسل حتى أصبحت لم يضرها كالجنب،وإن

آیت مبارکہ میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے کہ بادل کی وجہ سے اگر کسی نے ظن کی بنیاد پر افطار کیا اور پھر سورج طلوع ہوا۔تو اس کے لئے کیا حکم ہے اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([707])

آیت مبارکہ میں صوم شک میں فقہاء کے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔([708])آیت مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کے استحباب کا حکم ذکر کیا ہے۔اور اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے اقوال ذکر کئے ہیں۔([709])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ آیا معتکف نماز جمعہ کے لئے کسی اور مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں۔اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([710])

---

كان الوقت ضيقا لا تدرك فيه الغسل لم يجز صومها ويومها يوم فطر،وقاله مالك ، وهي كمن طلع عليها الفجر وهي حائض،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:187

[707]_فإن ظن أن الشمس قد غابت لغيم أو غيره فأفطر ثم ظهرت الشمس فعليه القضاء في قول أكثر العلماء.وفي البخاري عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت:أفطرنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم غيم ثم طلعت الشمس،قيل لهشام :فأمروا بالقضاء،قال:لا بد من قضاء ؟قال عمر في الموطأ في هذا:الخطب يسير،وقد اجتهدنا في الوقت يريد القضاء. وروي عن عمر أنه قال:لا قضاء عليه،وبه قال الحسن البصري:لا قضاء عليه كالناسي، وهو قول إسحاق وأهل الظاهر.،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :187

[708]_فإن أفطر وهو شاك في غروبها كفر مع القضاء،قال مالك إلا أن يكون الأغلب عليه غروبها.ومن شك عنده في طلوع الفجر لزمه الكف عن الأكل ، فإن أكل مع شكه فعليه القضاء كالناسي،لم يختلف في ذلك قوله.ومن أهل العلم بالمدينة وغيرها من لا يرى عليه شيئا حتى يتبين له طلوع الفجر،وبه قال ابن المنذر.وقال الكيا الطبري:وقد ظن قوم أنه إذا أبيح له الفطر إلى أول الفجر فإذا أكل على ظن أن الفجر لم يطلع فقد أكل بإذن الشرع في وقت جواز الأكل فلا قضاء عليه،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:187

[709]_ويستحب له أن يصوم من شوال ستة أيام ، لما رواه مسلم والترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجة عن أبي أيوب الأنصاري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان له كصيام الدهر"هذا حديث حسن صحيح من حديث سعد بن سعيد الأنصاري المدني ،وهو ممن لم يخرج له البخاري شيئا،وقد جاء بإسناد جيد مفسرا من حديث أبي أسماء الرحبي عن ثوبان مولى النبي صلى الله عليه وسلم أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:جعل الله الحسنة بعشر أمثالها فشهر رمضان بعشرة أشهر وستة أيام بعد الفطر تمام السنة،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :187

[710]_واختلفوا في خروجه للجمعة ،فقالت طائفة :يخرج للجمعة ويرجع إذا سلم ، لأنه خرج إلى فرض ولا ينتقض اعتكافه.ورواه ابن الجهم عن مالك،وبه قال أبو حنيفة ، واختاره ابن العربي وابن المنذر. ومشهور مذهب مالك أن من أراد أن يعتكف عشرة أيام أو نذر ذلك لم يعتكف إلا في المسجد الجامع.وإذ ا اعتكف في غيره لزمه الخروج إلى الجمعة وبطل اعتكافه.وقال عبدالملك:يخرج إلى الجمعة فيشهدها ويرجع مكانه ويصح اعتكافه،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:187

علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں۔ جو علامہ جصاصؒ نے اور امام قرطبیؒ نے ذکر کئے ہیں۔ مگر قدرے اختصار کے ساتھ۔ بعض قراءت کی بیان کی ہے۔ بعض کلمات کی لغوی اور نحوی تحقیق بیان کر کے قاری پر آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

آیت 188۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں رشوت کی حرمت پر بحث کی ہے۔ اور اس کی مذمت بیان فرمائی ہے۔([711])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی حاکم جھوٹ کے گواہی سے کوئی فیصلہ تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔([712])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کا شان نزول بیان فرمایا ہے۔ اور یہ فرمایا ہے۔ کہ آیت مبارکہ میں حکم عام ہے۔ اور اس حکم پر کئی فقہی جزئیات مرتب کئے ہیں۔([713])

آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔([714])

---

[711]۔وما تلونا من الآي أصل في أن حكم له الحاكم بالمال لا يبيح له أخذ المال الذي لا يستحقه وبمثله وردت الأخبار والسنة عن النبي ص - حدثنا عبدالباقي بن قانع قال حدثنا بشر بن موسى قال حدثنا الحميدي قال حدثنا عبدالعزيز بن أبي حازم عن أسامة بن زيد عن عبدالله بن رافع عن أم سلمة قالت كنت عند رسول الله ص - فجاء رجلان يختصمان في مواريث وأشياء قد درست فقال رسول الله ص - إنما أقضي بينكما برأي فيما لم ينزل على فيه فمن قضيت له بحجة أراها فاقتطع بها قطعة ظلما فإنما يقطع قطعة من النار يأتي بها أسطاما يوم القيامة في عنقه فبكى الرجلان فقال كل واحد منهما يا رسول الله حقي له فقال ص - لا ولكن اذهبا فتوخيا للحق ثم استهما وليحلل كل واحد منكما صاحبه،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:188

[712]۔واختلفوا في حكم الحاكم بعقد أو فسخ عقد بشهادة شهود إذا علم المحكوم له أنهم شهود زور فقال أبو حنيفة إذا حكم الحاكم ببينة بعقد أو فسخ عقد مما يصح أن يبتدأ فهو نافذ ويكون كعقد نافذ عقداه بينهما وإن كان الشهود شهود زور أبو يوسف ومحمد والشافعي حكم الحاكم في الظاهر كهو في الباطن وقال أبو يوسف فإن حكم بفرقة لم تحل للمرأة أن تتزوج ولا يقربها زوجها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:188

[713]۔الخطاب بهذه الآية يتضمن جميع أمة محمد صلى الله عليه وسلم،والمعنى:لا يأكل بعضكم مال بعض بغير حق. فيدخل في هذا:القمار والخداع والغصوب وجحد الحقوق،وما لا تطيب به نفس مالكه،أو حرمته الشريعة وإن طابت به نفس مالكه،كمهر البغي وحلوان الكاهن وأثمان الخمور والخنازير وغير ذلك،قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:188

[714]۔قوله تعالى:{بِالْبَاطِلِ} الباطل في اللغة:الذاهب الزائل،يقال:بطل يبطل بطولا وبطلانا،وجمع الباطل بواطل.والأباطيل جمع البطولة. وتبطل أي اتبع اللّهو. وأبطل فلان إذا جاء بالباطل.وقوله تعالى{لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ} قال قتادة:هو إبليس،لا يزيد في القرآن ولا ينقص.وقوله :{وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ} يعني الشرك والبطلة :السحرة.،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:188

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ رشوت خواہ قلیل ہو یا کثیر حرام ہے۔آیت مبارکہ میں معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے علماء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔اور آخر میں حدیث سے استدلال کر کے معتزلہ کے اقوال کو باطل ٹھہرایا ہے ۔([715])

علامہ آلوسیؒ،جصاصؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں نہایت یکسانیت پائی جاتی ہے۔

آیت 189۔آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔آیت مبارکہ میں ہلال کی وجہ تسمیہ بیان فرمایاہے۔اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس کو ہلال کس وقت تک کہہ سکتے ہیں۔([716])آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ احرام حج باندھنا پورے سال میں جائز ہے۔([717])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔بعض کلمات کی لغوی اور نحوی ترکیب بیان کرکے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے کہ ثمن معلوم اور اجل معلوم میں بیع بالاتفاق جائز ہے۔([718])

---

715۔ اتفق أهل السنة على أن من أخذ ما وقع عليه اسم مال قل أو كثر أنه يفسق بذلك،وأنه محرم عليه أخذه.خلافا لبشر بن المعتمر ومن تابعه من المعتزلة حيث قالوا:إن المكلف لا يفسق إلا بأخذ مائتي درهم ولا يفسق بدون ذلك.وخلافا لابن الجبائي حيث قال:إنه يفسق بأخذ عشرة دراهم ولا يفسق بدونها. وخلافا لابن الهذيل حيث قال:يفسق بأخذ خمسة دراهم.وخلافا لبعض قدرية البصرة حيث قال:يفسق بأخذ درهم فمافوق،ولا يفسق بما دون ذلك. وهذا كله مردود بالقرآن والسنة وباتفاق علماء الأمة،قال صلى الله عليه وسلم :إن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:188

716۔وقد اختلف أهل اللغة في الوقت الذي يسمى هلالا فمنهم من قال يسمى هلالا لليلتين من الشهر ومنهم من قال يسمى لثلاث ليال ثم يسمى قمرا وقال الأصمعي يسمى هلالا حتى يحجر وتحجيره أن يستدير بخطة دقيقة ومنهم من يقول يسمى هلالا حتى يبهر ضوءه سواد الليل فإذا غلب ضوءه سمي قمرا قالوا وهذا لا يكون إلا في الليلة السابعة وقال الزجاج الأكثر يسمونه هلالا لابن ليلتين ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :189

717۔فليس فيه نفي لصحة الإحرام في غيرها وإنما فيها إثبات الإحرام فيها وكذلك نقول أن الإحرام جائز فيها بهذه الآية وجائز في غيرها بالآية الأخرى إذ ليس في إحداهما ما يوجب تخصيص الأخرى به والذي يقتضيه ظاهر اللفظ أن يكون المراد أفعال الحج لا إحرامه إلا أن فيه ضمير حرف الظرف وهو في فمعناه ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :189

718۔ لا خلاف بين العلماء أن من باع معلوما من السلع بثمن معلوم إلى أجل معلوم من شهور العرب أو إلى أيام معروفة العدد أن البيع جائز.وكذلك قالوا في السلم إلى الأجل المعلوم. واختلفوا في من باع إلى الحصاد أو إلى الدياس أو إلى العطاء وشبه ذلك،فقال مالك:ذلك جائز لأنه معروف،وبه قال أبو ثو.وقال أحمد : أرجو ألا يكون به بأس،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :189

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ چاند کے چھوٹا اور بڑا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ بس جس رات دیکھا گیا اسی رات کا شمار ہو گا۔([719])

آیت مبارکہ میں انصار کے ایک رسم باطل کی تردید کی ہے۔ جو حج سے واپسی پر اپنے گھروں کو دروازے پر داخل نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ ثواب سمجھتے تھے۔([720])

علامہ آلوسیؒ نے بھی یہ تمام مسائل ذکر کئے ہیں۔ میقات کی تعریف میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔ آیت مبارکہ میں تفسیر اشاری نہایت لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ آیت مبارکہ میں فلکیات کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔

آیت 190۔ علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔ کہ جہاد کے بارے میں اول آیت کون سا ہے۔ اس میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔([721])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عورتوں اور بچوں سے قتال ممنوع ہے۔([722])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔

---

[719]۔إذا رئي الهلال كبيرا فقال علماؤنا:لا يعول على كبره ولا على صغره وإنما هو ابن ليلته.روى مسلم عن أبي البختري قال:خرجنا للعمرة فلما نزلنا ببطن نخلة قال:تراءينا الهلال،فقال بعض القوم:هو ابن ثلاث،وقال بعض القوم:هو ابن ليلتين. قال:فلقينا ابن عباس فقلنا:إنا رأينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلاث ، وقال بعض القوم هو ابن ليلتين.فقال:أي ليلة رأيتموه ؟ قال فقلنا:ليلة كذا وكذ.فقال:إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:إن الله مده للرؤيةفهو لليلة رأيتموه،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :189

[720]۔ وكان الأنصار إذا حجوا وعادوا لا يدخلون من أبواب بيوتهم ، فإنهم كانوا إذا أهلوا بالحج أو العمرة يلتزمون شرعا ألا يحول بينهم وبينالسماء حائل،فإذا خرج الرجل منهم بعد ذلك،أي من بعد إحرامه من بيته،فرجع لحاجة لا يدخل من باب الحجرة من أجل سقف البيت أن يحول بينه وبين السماء،فكان يتسنم ظهر بيته على الجدران ثم يقوم في حجرته فيأمر بحاجته فتخرج إليه من بيته. فكانوا يرون هذا من النسك والبر،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :189

[721]۔وقد اختلف السلف في أول آية نزلت في القتال فروي عن الربيع بن أنس وغيره أن قوله وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم أول آية نزلت وروي عن جماعة آخرين منهم أبو بكر الصديق والزهري وسعيد بن جبير أن أول آية نزلت في القتال أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا الآية وجائز أن يكون وقاتلوا في سبيل الله أول آية نزلت في إباحة قتال من قاتلهم والثانية في الإذن في القتال عامة لمن قاتلهم ومن لم يقاتلهم من المشركين ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :190

[722]۔ أنه في النساء والذرية ومن لم ينصب لك الحرب منهم كأنه ذهب إلى أن المراد به من لم يكن من أهل القتال في الأغلب لضعفه وعجزه لأن ذلك حال النساء والذرية وقد روي عن النبي في آثار شائعة النهي عن قتل النساء والولدان ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :190

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کی دوران جنگ رھبان کو نہیں ماراجائے گا۔([723])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ بوڑھوں کو جنگ میں نہیں ماراجائے گا۔([724])

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔کہ دوران جنگ زمینداروں اور مزدوروں کو نہیں ماراجائے گا۔([725])

علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیاہے۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب کرکے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

آیت 191۔192۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایاہے۔کہ اس آیت میں ماقبل آیت کے مقابلے میں حکم عام ہے۔([726])

آیت مبارکہ کو منسوخ قرار دیاہے۔([727])آیت مبارکہ کی تفسیر میں،فتنہ،سے مراد کفر ہے۔

آیت مبارکہ سے استدلال کیاہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہوتی ہے۔([728])

---

[723]۔الرهبان لا يقتلون ولا يسترقون،بل يترك لهم ما يعيشون به من أموالهم ، وهذا إذا انفردوا عن أهل الكفر،لقول أبي بكر ليزيد:وستجد أقواما زعموا أنهم حبسوا أنفسهم لله،فذرهم وما زعموا أنهم حبسواأنفسهم له ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:190

[724]۔ الشيوخ.قال مالك في كتاب محمد:لا يقتلون.والذي عليه جمهور الفقهاء : إن كان شيخا كبيرا هرما لا يطيق القتال،ولا ينتفع به في رأي ولا مدافعة فإنه لا يقتل،وبه قال مالك وأبو حنيفة.وللشافعي قولان:أحدهما:مثل قول الجماعة.والثاني:يقتل هو والراهب ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:190

[725]۔ العسفاء ،وهم الأجراء والفلاحون،فقال مالك في كتاب محمد:لا يقتلون وقال الشافعي:يقتل الفلاحون والأجراء والشيوخ الكبار إلا أن يسلموا أو يؤدوا الجزية.والأول أصح،لقوله عليه السلام في حديث رباح بن الربيع:الحق بخالد بن الوليد فلا يقتلن ذرية ولا عسيفا.وقال عمر بن الخطاب:اتقوا الله في الذرية والفلاحين الذي لا ينصبون لكم الحرب.وكان عمر بن عبدالعزيز لا يقتل حراثا ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :190

[726]۔فكان ذلك أعم من الأول الذي فيه الأمر بقتال من يلينا دون من لا يلينا إلا أن فيه ضربا من التخصيص بحظره القتال عند المسجد الحرام إلا على شرط أن يقاتلونا فيه بقوله ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:191

[727]۔فمن الناس من يقول إن قوله ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام منسوخ بقوله اقتلوا المشركين حيث وجدتموهم ومنهم جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:191

[728]۔وهذا يدل على أن قاتل العمد له توبة إذ كان الكفر أعظم مأثما من القتل وقد أخبر الله أنه يقبل التوبة منه ويغفر له،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:192

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔آیت مبارکہ میں ،فتنہ ،کے معنی میں مختلف اقوال نقل کی ہے۔([729])

علامہ آلوسیؒ اور علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر یکسانیت ہے۔

آیت 193۔194۔195۔علامہ جصاصؒ نے آیتوں کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔بعض کلمات کی نحوی اور لغوی تحقیق بیان کی ہے اور استشہاد میں عربی اشعار پیش کئے ہیں۔آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔

امام قرطبیؒ نے بھی نہایت اختسار سے کام لیا ہے۔آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ سبب قتال کفر ہے۔([730])

بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کی ہے۔([731])اور اس پر چند فقہی جزئیات مرتب کئے ہیں۔([732])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ آیت مبارکہ قصاص میں مماثلت میں اصل ہے۔([733])

---

[729]۔ قوله تعالى:{وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ} أي الفتنة التي حملوكم عليها وراموا رجوعكم بها إلى الكفر أشد من القتل. قال مجاهد : أي من أن يقتل المؤمن ، فالقتل أخف عليه من الفتنة. وقال غيره:أي شركهم بالله وكفرهم به أعظم جرما وأشد من القتل الذي عيروكم به،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:191

[730]۔وهو أمر بقتال مطلق لا بشرط أن يبدأ الكفار.دليل ذلك قوله تعالى : {وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ}،وقال عليه السلام:أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله.فدلت الآية والحديث على أن سبب القتال هو الكفر، قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:191

[731]۔الحرمات جمع حرمة،كالظلمات جمع ظلمة ،والحجرات جمع حجرة.وإنما جمعت الحرمات لأنه أراد حرمة الشهر الحرام وحرمة البلد الحرام،وحرمة الإحرام. والحرمة:ما منعت من انتهاكه.والقصاص المساواة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:194

[732]۔واختلفوا إذا ظفر له بمال من غير جنس ماله،فقيل:لا يأخذ إلا بحكم الحاكم.وللشافعي قولان،أصحهما الأخذ،قياسا على ما لو ظفر له من جنس ماله. والقول الثاني لا يأخذ لأنه خلاف الجنس. ومنهم من قال:يتحرى قيمة ما له عليه ويأخذ مقدار ذلك.وهذا هو الصحيح لما بيناه من الدليل وإذا فرعنا على الأخذ فهل يعتبر ما عليه من الديون وغير ذلك،فقال الشافعي:لا،بل يأخذ ما له عليه.وقال مالك:يعتبر ما يحصل له مع الغرماء في الفلس،وهو القياس،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :194

[733]۔ لا خلاف بين العلماء أن هذه الآية أصل في المماثلة في القصاص،فمن قتل بشيء قتل بمثل ما قتل به،وهو قول الجمهور،ما لم يقتله بفسق كاللوطية وإسقاء الخمر فيقتل بالسيف.وللشافعية قول:إنه يقتل بذلك،فيتخذ عود على تلك الصفة ويطعن به في دبره حتى يموت،ويسقى عن الخمر ماء حتى يموت. وقال ابن الماجشون:إن من قتل بالنار أو بالسم لا يقتل به،لقول النبي صلى الله عليه وسلم"لا يعذب بالنار،إلا الله.والسم نار باطنة. وذهب الجمهور إلى أنه يقتل بذلك،لعموم الآية،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :194

آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ اگر کوئی شخص واحد اکیلا ایک جماعت پر حملہ کرے تو کیا یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے یا نہیں۔اس میں فقہاء کے اقوال ذکر کئے ہیں۔([734])

علامہ آلوسیؒ نے بھی نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔اور امام قرطبیؒ کی تفسیر سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔

---

[734]۔ اختلف العلماء في اقتحام الرجل في الحرب وحمله على العدو وحده،فقال القاسم ابن مخيمرة والقاسم بن محمد وعبدالملك من علمائنا:لا بأس أن يحمل الرجل وحده على الجيش العظيم إذا كان فيه قوة ، وكان لله بنية خالصة،فان لم تكن فيه قوة فذلك من التهلكة.وقيل:إذا طلب الشهادة وخلصت النية فليحمل ، لأن مقصوده واحد منهم ، وذلك بين في قوله تعالى:{وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ}وقال ابن خويز منداد:فأما أن يحمل الرجل على مائة أو على جملة العسكر أو جماعة اللصوص والمحاربين والخوارج فلذلك حالتان:إن علم وغلب على ظنه أن سيقتل من حمل عليه وينجو فحسن،وكذلك لو علم وغلب على ظنه أن يقتل ولكن سينكي نكاية أو سيبلي أو يؤثر أثرا ينتفع به المسلمون فجائز أيضا،قرطبی، الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:195

# باب پنجم

## سورۃ البقرۃ آیت 196 تا 210 کا اُردو ترجمہ،

## تخریج اور تحقیق

# فصل اول

## سورۃ البقرۃ آیت 196تا199کا اُردو ترجمہ،

## تخریج و تحقیق

وَأَتِمُّواْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلاَ تَحْلِقُواْ رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا
أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ
وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُواْ اللّهَ
وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ 196 الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ
فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّهُ وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ
يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ 197 لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ
فَاذْكُرُواْ اللّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّآلِّينَ 198 ثُمَّ
أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 199

**ترجمہ۔**اور اللہ (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورہ کرو۔اور اگر (رستے میں) روک لئے جاؤ جو جیسی قربانی میسر ہو (کردو)اور جب تک قربانی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یااس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈالے تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یاقربانی کرے۔ پھر جب (تکلیف دور ہو کر) تم مطمئن ہو جاؤ۔ تو جو (تم میں) حج کے وقت عمرے سے فائدہ اٹھاناچاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔اور جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین ایام حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اسی شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔196 حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں۔ تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نی کوئی براکام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔اور جو نیک کام تم کروگے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا،اور زادراہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادراہ (کا) پرہیزگاری ہے۔اور اے اہل عقل مجھ سے ڈرتے رہو۔197 اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا اور اس سے بیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے محض) ناواقف تھے۔198 پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔199

(وَأَتِمُّواْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّهِ)یعنی جب تم حج اور عمرہ کو ادا کرنے کا ارادہ کر چکے ہو تو پھر دونوں کو پوری طرح سے ادا کرو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے،اور یہ حنفیہ وشافعیہ رحمہااللہ کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے کہ اس آیت میں صرف اتنا واجب ہے کہ جب حج وعمرہ شروع کریں تو اس کا پورا کرنا واجب ہے،اور حج وعمرہ کا مطلق فاسد ہونا یہ کرنے والے کے دوسرے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور یہ اصل کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا،اور جہاں تک دلالت کی بات ہے تو وہ اتمام کے حکم کی وجہ سے ہے،اور اس بارے میں اصولیین کے ہاں ایک بڑااہم قاعدہ ہے کہ جو کام کسی ایک چیز کے چھوڑنے کی وجہ سے پورا نہیں ہوتا تو اس کا کرنا واجب ہے۔ کسی کام کو پورا کرنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کو شروع کیا ہو اور جب کہ پورا کرنا مقید ہے شروع کرنے سے

،اور دعویٰ یہ ہے کہ تم اس حال میں حج وعمرہ کرو کہ آپ تمام کی تمام شرائط وارکان کا اہتمام کرتے ہوں،اور یہ قید ان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ان کے بارے میں حکم واضح ہے اور اس کی تائید ایک دوسری قرأت سے بھی ہوتی ہے (و أقیموا الحج و العمرة)اور یہ درست نہیں ہے۔([735])اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اس قید کا ایسی جگہ میں محذوف ہونا جہاں پر اس کے استدلال کی ضرورت ہو تو جس حکم سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے تو یہی حکم اس قید کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی (اعنی تامین) نہ کہ یہ حکم متوجہ ہوا اصل کے لانے کے لئے جیسا کہ حضور ﷺ کے فرمان میں ہے،بیعوا سواء بسواء،([736])اور دوسری وجہ یہ ہے کہ : امر کو قراءت میں محمول کیا گیا ہے مجاز پر جو واجب اور مستحب کے درمیان کا درجہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم ہو،اور اس پر دلالت کرتی ہیں بہت ساری احادیث کہ عمرہ کرنا مستحب ہے۔امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ،الام، وعبدالرزاقؒ، وابن شیبہؒ وعبد بن حمیدؒ وابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ حج کرنا جہاد (فرض) ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے۔([737]) اور اسی طرح امام ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ کے واسطہ سے صحیح روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا عمرہ کرنا واجب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں لیکن اگر تم کرلو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔([738])اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ جو اس قراءت کے راوی ہیں،ان سے نقل کردہ روایت بھی کرتی ہے جو ابن ابی شیبہؒ وعبد بن حمیدؒ نے روایت کی ہے کہ حج کرنا فرض ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے۔([739])

---

[735]۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ:196

[736]۔حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الذہب بالذہب، رقم:2175

[737]۔حدَّثَنَا جَرِيرٌ،عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ إِسْحَاقَ،عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَاهَانَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : الْحَجُّ جِهَادٌ، وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ،،مصنف، ابن ابی شیبہ، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم:13827۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[738]۔حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنْ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَكَ،مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنؤوط، رقم:14397 ۔ حکم حدیث: شعیبؒ نے اسے نہایت ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[739]۔مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:13827۔

اور یہی روایت ابن ابی داودؒ نے ،المصاحف، میں نقل کیا ہے۔([740])اور ابن ابی داؤدؒ سے یہی روایت ہے کہ وہ پہلے پڑھتے اور بعد میں کہتے کہ :اللہ کی قسم اگر اس میں کوئی حرج نہ ہوتا تو میں حضور ﷺ سے اس بارے میں کچھ نہ سنتا،اور میں یہی کہتا کہ : عمرہ بھی حج کی طرح واجب ہے اور یہ واضح دلالت کرتا ہے کہ امام داؤدؒ نے بھی امر کو عمرہ کے لئے حج کی طرح وجوب امر محمول نہیں کیا کیونکہ انہوں نے عمرہ کے وجوب پر کچھ سنا ہی نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے مخالف ہی سنا ہو، یہی وجہ ہے کہ پہلی روایت میں اُن سے حج کی فرضیت اور عمرہ کے استحباب کے بارے میں ہی ملتا ہے، شاید کہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی قراءت میں امر کو قدر مشترک پر محمول کیا ہے، جس کے بارے میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے مشترکہ کو اپنے دونوں میں استعمال ہونے سے منع کیا ہے اور حقیقت و مجاز کو جمع کرنے سے منکر ہیں، بلکہ فعل محذوف جو مذکور کے موافق ہو ملائے ہیں اور اس سے مراد استحباب ہی لیتے ہیں، ہاں یہ بات ہے کہ جو پہلے بیان ہو چکا ہے اس کو شمار میں نہیں لایا جائے گا لیکن اگر اس کا کوئی حکم آیت سے پہلے ثابت ہو گیا تو پھر شمار ہو گیا، لیکن اگر آیات کے نزول کے بعد ثابت ہوا تو پھر کچھ بھی شمار میں نہیں لایا جائے گا کیونکہ اس سے نسخ کتاب واقع ہوتا ہے وہ بھی خبر واحد،اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر امر سے بھی وجوب ہی ثابت ہے ۔اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ اپنے معانی میں مجمل نہیں ہے کہ اس کو خبر واحد پر محمول کریں تاخیر سے بیان ہونے کی وجہ سے جیسا کہ بعض احباب کو وہم ہوا ہے،اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ احادیث جو استحباب پر دلالت کرتی ہیں وہ پہلے کی ہیں اور اسی وجہ سے ظاہر امر کو ہم اس کے ظاہر سے نہیں پھیر سکتے بلکہ وہ احادیث وجوب کے لئے ناسخ ہے اور سہو کا واقع ہونا ظاہر ہے کیونکہ بہت ساری احادیث استحباب نص قطعی کی طرح دلالت کرتی ہیں۔اور قرآن کریم وجوب پر واضح دلالت کرتا ہے تو ظاہر نص کے لئے ناسخ کیسے ہو سکتا ہے،اور حال تو یہ ہے کہ تعارض کے وقت نص ظاہر پر مقدم ہے۔([741]) یہ جو کچھ پہلے ذکر ہوا اگر یہ سب اصلی

---

[740] ـحدثنا عبد الله حدثنا عمي، حدثنا أبو نعيم ، حدثنا إسرائيل ،حدثنا ثوير عن أبيه عن عبد الله:( وأقيموا الحج والعمرة للبيت ) قال عبد الله: لولا التحرج وأني لم أسمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها شيئا لقلت:إن العمرة واجبة مثل الحج،ابن ابی داود،ابو بکر عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث،المصاحف، تحقیق:عبدالرزاق المہدی،دار الکتب العلمیہ،بیروت،1424ھ/2002ء،رقم:146۔حکم حدیث:المہدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[741] ـفالظاهر اسم لكل كلام ظهر المراد به للسامع بنفس السماع من غير تأمل والنص ما سيق الكلام لأجله ومثاله في قوله تعالى { وأحل الله البيع وحرم الربا } فالآية سيقت لبيان التفرقة بين البيع والربا ردا لما ادعاه الكفار من التسوية بينهما حيث قالوا { إنما البيع مثل الربا }وقد علم حل البيع وحرمة الربا بنفس السماع فصار ذلك نصا في التفرقة ظاهرا في حل البيع وحرمة الربا،ظاہر،نام ہے ہر اس کلام کا جس کی مراد سامع کے سامنے ظاہر ہو صرف سننے کے بعد بغیر غور و فکر کے۔اور نص، ہر اس کلام کا نام ہے جس کی مراد سننے والے کے سامنے ظاہر ہو اور کلام کو اس مراد کے لئے چلایا گیا ہو۔اور۔جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول،احل الله البيع وحرم الربوا،تو یہ آیت کریمہ خرید و فروخت اور سود کے درمیان فرق بیان کرنے میں نص ہے اور آیت کریمہ کے صرف سننے کے ساتھ خرید و فروخت کے حلال ہونے اور سود کے حرام ہونے میں ظاہر ہے۔الشاشی، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی،اصول الشاشی،دار المعرفہ،بیروت،س۔ن،ج1،ص24

تائیدات کو باطل نہیں کرتا تو یہ بات واضح ہے کہ یہ بہت کمزور دلائل ہیں، جبکہ بعض حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو احادیث عمرہ کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں وہ معارض ہیں ان احادیث سے جو عمرہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔امام حاکمؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: حج و عمرہ فرض ہیں آپ جس سے بھی شروع کریں گے کوئی نقصان نہیں۔([742]) جبکہ امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے روایت کی ہے کہ: ایک آدمی نے حضرت عمر فاروقؓ سے عرض کیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر حج و عمرہ فرض ہیں اور میں نے دونوں کی تہلیل بھی کرلی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ آپ نے اپنے نبی کا رستہ اپنایا ہے۔([743]) یہ دلالت کرتا ہے کہ اہلال حج و عمرہ میں حضور ﷺ کی سنت ہے، کیونکہ جو استدلال صحابی بیان کرے وہ سنت ہوتی ہے، اور صحابی کا استدلال بیان کرنا یہ حدیث فعل کی طرح استدلال ہوتا ہے۔اور جو صحابی نے کہا تھا، اہلت بہما، یہ جملہ مفسرہ ہے، وجدت کے لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا وجوب اہلال کی وجہ سے ہو کیونکہ شروع میں تو حدیث وجوب پر استدلال نہیں کرتی کیونکہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہ یوں کہہ دیا ہو کہ آپ نے کیا کیا؟ تو جواب میں کہا، اھللت، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ وجدان سبب ہے اہلال کا نہ کہ کوئی اور چیز کیونکہ سائل کا سوال کرنا صحت اہلال کے متعلق تھا کہ کیا حج و عمرہ میں اہلال کرنا جائز بھی ہے یا نہیں ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے اپنے اوپر فرض پایا ہے اس وجہ سے کہ میں نے اہلال کیا ہے، بلکہ یہ تو ان کے پوشیدہ علم پر دلالت ہے کہ حج و عمرہ میں اہلال کرنا ٹھیک عمل ہے، اور حضرت عمرؓ کا جواب کہ پورا کرنے کے متعلق وہ اس لئے تھا کہ جب شروع کر دیا ہے تو اسے مکمل بھی کرو، اسے یہ تھوڑی کہا جائے گا کہ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے بلکہ یہ تو ادا مناسک اور عبادات کے متعلق ہے، اور اس کی تاکید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں، فاء، کے ساتھ ہے اور وہ دلالت کرتی ترتیب پر، اور حضرت ابن مسعودؓ جو روایات مروی ہیں وہ اس کے بالکل معارض ہیں۔اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ (واقیموا) پڑھا کرتے تھے۔جیسا کہ حضرت جریرؒ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔([744]) اور حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے بھی ذکر کیا ہے۔اور انصاف کی بات یہی ہے کہ احادیث میں بہت تعارض

---

[742]۔حدثنامحمد بن كثير الكوفي ثنا إسماعيل بن مسلم عن محمد بن سيرين عن زيدبن ثابت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الحج والعمرةفريضتان لا يضرك بأيهما بدأت ،الحاکم، مستدرک، رقم:1730۔۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔کہ اس کی اسناد میں اسماعیل بن مسلم المکی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، التلخیص الحبیر فی تخریج الاحادیث الرافعی الکبیر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ/1989ء، ج 2، ص225

[743]۔حدثنا محمد بن قدامة بن أعين وعثمان بن أبى شيبة ،قالا : ثنا جرير بن عبد الحميد،عن منصور عن أبى وائل،قال:قال الصبى بن معبد كنت رجلا أعرابيا،نصرانيا ،فأسلمت،فأتيت رجلا من عشيرتي يقال له هذيم بن ثرملة،فقلت له:ياهناه،إنى حريص على الجهاد،وإنى وجدت الحج والعمرة مكتوبين علي،فكيف لىبأن أجمعهما ؟ قال:اجمعهما واذبح ما استيسر من الهدى،فأهللت بهما معا،سنن،ابوداود، تحقیق: ناصرالدین الالبانی، رقم:1799۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[744]۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃالبقرۃ:196

پایا جاتاہے اور ہر امام نے اس جہت کو لیا ہے جو اس کو صحیح طرح سمجھ آئی، اور یہ مسئلہ فروع میں سے ہے اور اس طرح کے مسائل میں اختلاف ہمیشہ رحمت ہوتا ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ والی آیت امام شافعیؒ اور ان کے جو آپ کے موافق ہیں کی دلیل نہیں بنتی جیسے امامیہ۔ اور اس آیت کی تحقیق میں صرف اتنی بات ہے کہ حج وعمرہ کے ارادے سے اگر شروع کو وتر پھر تمام افعال کو مکمل کرنا واجب ہے، اس کے متعلق لوگوں کے ارشادات بہت ہیں، ان کو شمار کرنا بھی مشکل ہے وجوب اور عدم وجوب کے متعلق، جبکہ کہ حج کا واجب ہونا تو اللہ تعالیٰ کے دوسرے ارشاد سے واضح ہے (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا)([745]) مخالفین میں سے جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ صرف فرضیت کے لئے ہے تو وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، امام بیہقیؒ نے حضرت علیؓ روایت کیا ہے کہ: حج وعمرہ کا پورا کرنا اللہ کے لئے اور یہ کہ تم احرام باندھو اپنے گھر کی دہلیز سے ([746]) اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعًا نقل کی ہے۔([747]) عبدالرزاقؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے، دونوں کو مکمل کرنے کے بارے میں کہ ہر ایک کو دوسرے سے الگ کرے، اور عمرہ کو اشہر الحج کے بعد میں کرے۔([748]) اور یہ بھی قول ہے کہ مکمل کرنے سے مراد نفقہ کا حلال ہونا، اور یہ بھی قول ہے کہ حج وعمرہ کی نیت سے نکلے نہ کہ تجارت وغیرہ کے لئے یہی ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ ([749]) دوسری قول علیؓ سے روایت ہے۔([750])۔ ( فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ) یہ محذوف کے مقابل ہے، اس کا مطلب ہے کہ اگر تم قدرت رکھتے ہو دونوں کو مکمل کرنے کی، احصار، اور، الحصر، دونوں کا مطلب اصل لغت میں مطلق منع کے ہیں، اور حصر صرف دشمن کے ساتھ خاص نہیں ہے،

---

[745]۔ سورۃ ال عمران: 97

[746]۔أخبرنا أحمد بن الحسن القاضي ومحمد بن موسى بن الفضل قالا ثنا أبو العباس الأصم ثنا محمد بن إسحاق ثنا أبو الجواب ثنا سفيان عن شعبة عن عمرو بن مرة عن عبد الله بن سلمة عن علي رضي الله عنه أنه سئل عن تمام الحج فقال تمام الحج أن تحرم من دويرة أهلك ، سنن بیہقی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم: 8488۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

[747]۔أخبرناه أبو عبد الله الحافظ ثنا إسماعيل بن محمد بن الفضل بن محمد الشعراني ثنا جدي ثنا محمد بن جعفر بفيد ثنا جابر بن نوح عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه و سلم في قوله عز و جل وأتموا الحج والعمرة لله قال من تمام الحج أن تحرم من دويرة أهلك البیہقی، سنن، رقم: 8711۔ امام ذہبی فرماتے ہے۔ کہ اس روایت میں جابر بن نوح ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ حدثنا جابربن نوح، عن محمد بن عمرو، عن أبى سلمة ،عن أبى هريرة مرفوعا إن من تمام الحج أن تحرم من دويرة أهلك جابر بن وهب عن عبدالله بن عمرو لا يعرف له حديث واحد ، ذہبی، میزان الاعتدال، دار العلم، بیروت، س۔ن، ج1، ص312

[748]۔ ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ :196

[749] ۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 196۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 196

[750]۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 196

اور نہ ہی کسی بیماری اور خوف کے ساتھ جیسا کہ علامہ زجاجؒ کا مذہب ہے۔(751)اور وہ شاید اس وجہ سے کہتے ہیں چونکہ یہ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ ایک لفظ رہنے موضوع سے ہٹ کر بعض افراد کے لئے عام استعمال ہوتا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، حصرۃ العدو واحصرہ، کصدہ واصدہ، اگر اس کی نسبت عدو کی طرف معتبر ہوتی حصر کے مفہوم میں تو اس کی تصریح بار بار ہوتی اور اگر اس کی نسبت مرض کی طرف احصار کے مفہوم میں معتبر ہوتی تو اس کا اسناد، عدو، کی طرف مجازاً ہوتا ہے لیکن یہ دونوں خلاف اصل ہیں۔ یہاں پر حصر سے مراد امام مالکؒ وشافعیؒ کے ہاں، حصر العدو، ہے ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول، (فاذا أمنتم) ہے چونکہ امن لغت کے اعتبار سے خوف کے مقابل ہے، اور اس لحاظ سے بھی کہ یہ صلح حدیبیہ والے سال نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کوئی حصر نہیں ہے سوائے دشمن کے حصر کے انہوں نے آیت کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے جبکہ وہ سب میں قرآن کے نازل ہونے کے مواقع کو جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد ہر قسم کا منع ہے چاہے وہ دشمن کا ہو، یا مرض کا ہو یا اس سے علاوہ کسی اور چیز کا۔ امام ابو داؤدؒ، ترمذیؒ اور انہوں نے اسے حسن قرار دیا ہے، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، اور امام حاکمؒ نے حجاج بن عمروؓ سے نقل کیا ہے کہ، جس کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہو جائے تو اس پر آئندہ سال ہو گا۔(752)اور امام طحاویؒ نے عبدالرحمٰن بن زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا جو کہ عمر بن سعیدؒ تھا۔ تو آپؒ کو کسی چیز نے کاٹ لیا، اور وہ راستے میں ہمارے درمیان تیز تیز چل رہے ہیں تو اچانک ان پر قافلہ آنکلا ان میں حضرت ابن مسعودؓ بھی تھے تو ان سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا کہ، تم کوئی ھدی بھیج دو اور اس دن کو اپنے درمیان میں نشان بنالو جب یہ ہو جائے تو حلال ہو جاؤ۔(753)ابن ابی شیبہؒ نے عطاءؒ کے واسطہ سے تحریم کی ہے کہ: کوئی احصار نہیں سوائے دشمن کے، یا مرض کے، یا کوئی ضروری کام جو آدمی کو روک کر رکھے۔(754)۔ اور امام بخاریؒ

---

751۔ زجاج، معانی القران، سورۃ البقرۃ:196

752۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ حَدَّثَنِى يَحْيَى بْنُ أَبِى كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ بْنَ عَمْرٍو الأَنْصَارِىَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ ،سنن ابوداود، تحقیق: ناصر الدین الالبانی۔ کتاب المناسک، باب الاحصار، رقم:1862 ۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے سے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

753۔ حدثنا بن مرزوق قال ثنا بشر بن عمر قال ثنا شعبة عن الحكم قال سمعت إبراهيم يحدث عن عبد الرحمن بن يزيد قال أهل رجل من النخع بعمرة يقال له عمير بن سعيد فلدغ فبينا هو صريع في الطريق إذ طلع عليهم ركب فيهم بن مسعود رضي الله عنه فسألوه فقال ابعثوا بالهدي واجعلوا بينكم وبينه يوما أمارة فإذا كان ذلك فليحل،الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ، شرح معانی الاثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1399ھ/1979ء، رقم 3835:

754۔ حدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ،عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ،عَنْ عَطَاءٍ ،قَالَ:لاَ إحْصَارَ إلاَّ مِنْ مَرَضٍ،أَوْ عَدُوٍّ، وَ أَمْرٍ حَابِسٍ، مصنف ابن ابی شیبہ ، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم:13735۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے سے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

نے اسی طرح نقل کیا ہے۔(755) حضرت عروہ ؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو محرم کو روک دے وہ احصار ہے، اور جس سے خصم نے استدلال کیا ہے اس کا جواب دیا جائے گا، پہلا یہ کہ جو کچھ اس میں ہے آپ جان لوگے، دوسرا یہ کہ سبب کے خاص ہونے سے کوئی عبرت نہیں ہوتی اور اگر اس کو تائید کے لئے محمول کریں تو اس کا ذکر کرنا بھی لام استقلال کی وجہ سے درست نہیں، جہاں تک بات ہے، احصرتم کی تو یہ کوئی عام نہیں ہے، چونکہ فعل مثبت کا عموم نہیں ہوتا ہے، تو اس سے مراد دشمن کا روکنا ہی ہے اتفاق سے، یہ اگرچہ عام نہیں ہے لیکن مطلق ہے تو مطلق اپنے اطلاق پر ہی چلتا ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ کی دلیل کو تسلیم کرنے کے بعد ان کی باتوں میں تعارض پایا جاتا ہے اور جو ابن جریر ؒ اور ابن المنذر ؒ نے آیت کی تفسیر کی ذیل میں نقل کیا ہے۔ ، جس نے احرام باندھا حج وعمرہ کے لئے پھر وہ گھر میں بیماری کی وجہ سے روک گیا یا دشمن کی وجہ سے جو اس کے راستے میں آڑیں تو اس پر حسب توفیق دم لازم ہے۔(756) جیسے انہوں نے پہلی روایت میں خاص کیا تھا اب اس میں عام کر دیا جبکہ وہ اعلم بمواقع التنزیل ہیں۔ اور رہی بات یہ کہ حدیث حجاج کمزور ہے۔ تو یہ قول ضعیف ہے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اس طرق مختلف ہیں، السنن، میں، امام ابوداؤد ؒ نے روایت کی ہے کہ عکرمہ ؓ نے حضرت عباس ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ اس کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے جواب میں کہا کہ، صدق، مطلب کہ یہ سچ کہہ رہا ہے۔(757) لیکن اس کو محمول کیا اس بات پر کہ اگر محرم شرط رکھے اصل کے وقت بیماری آنے سے نیت کے وقت جب حضور ﷺ نے ضباعۃ ؓ کو فرمایا تھا: حج کرو اور شرط رکھو اور یہ الفاظ کہو ،اللہم محلی حیث حبستنی،(758) یہاں پر حنفیہ ؒ کے اصول پر نہیں چلا جاتا کہ مطلق اپنے اطلاق پر چلتا ہے مگر اس صورت میں جب حادثہ اور حکم ایک حکم جمع ہو جائیں اور مطلق اور تقیید تو حکم میں تھی لیکن ہم اس کے متعلق بات نہیں کر رہے جیسا کہ سب پر واضح ہے۔( فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) مطلب یہ ہے کہ تم پر واجب ہے وہ چیز جو آپ کو ہو آسان ہو اور یہ صعب استعصب کی طرح ہے، اور اس میں سین طلب کے لیے نہیں ہے، اور ھدی مصدر ہے مفعول کے معنیٰ میں جسے مھدی ہے

755 ۔امام بخاری ؒ نے تعلیقاً صیغہ جزم کے ساتھ یہ روایت رقم:1806 سے قبل ذکر فرمایا ہے۔الاحصار من کل شئی یحسبہ، کے لفظ سے۔

756۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ :196

757۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ حَدَّثَنِى يَحْيَى بْنُ أَبِى كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ بْنَ عَمْرٍو الأَنْصَارِىَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ.قَالَ عِكْرِمَةُ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالاَ صَدَقَ ،سنن ابوداود ، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، کتاب المناسک، باب الاحصار، رقم:1864۔ حکم حدیث: شیخ البانی ؒ نے سے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

758۔ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا أَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا أَجِدُنِي إِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّي وَاشْتَرِطِي فَقَالَ قُولِي اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي وَكَانَتْ تَحْتَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنؤوط رقم :25659۔ حکم حدیث: شعیب الارنؤوط نے سے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

اسی لئے اس کا اطلاق مفرد، جمع سب پر ہوتا ہے۔اور ہدیۃ کی جمع ہے۔جدی اور جدیۃ کی طرح۔اور (هَدِيٌّ) کو تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔([759]) جیسے مطی اور، مطیۃ،اور یہ ضمیر مستکن سے حال کی جگہ میں واقع ہے ۔اس کا مطلب ہے کہ جب محرم محصرین جائے اور وہ حلال ہونا چاہے تو وہ حلال ہو جائے ھدیٰ کو ذبح کر کے چاہے وہ ذبیحہ اونٹ ہو، یا گائے ہو، یا بھیڑ بکری وغیرہ۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جتنا بڑا ہو اتنا ہی افضل اور بہتر ہے،اور ابن عمرؓ کے تخصیص تھی کہ ابیل ذبح کرو یا اونٹ،ان سے کہا گیا کہ بکری کافی نہیں تو جواب میں فرمایا نہیں جس جگہ محصور ہوا ہے اسی میں ذبح کرے یہی اکثر کی رائے کا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حدیبیہ کے سال ذبح فرمایا جبکہ وہ حلال تھے ہمارے ہاں تو ہے کہ وہ ھدی کو بھیج دے اور اس کوئی نشانی رکھ لے جب یقین ہو جائے کہ ذبح ہو گئی ہے تو خود بھی حلال ہو چکا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے( وَ لاَ تَحْلِقُواْ رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ) حلقِ رأس کفایۃ ہے حلال ہونے سے اور یہ فضیلت قصر سے حاصل ہو جاتی ہے خواتین کی طرح،اور یہ خطاب خاص طور محصورین کو ہے کیونکہ انہیں ذکر ملتا ہے قریب میں،دوسرا ھدی پہلے کا عینِ اول ہے جیسا کہ ظاہر، مطلب اس کا یہ ہوا کہ تم اس وقت تک حلال مت ہو، جب تک کہ جان نہ لو کہ ھدی اپنی جگہ پر پہنچ گئی ہے جہاں اسے ذبح ہوتا ہے،اور وہ جگہ حرم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی(ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ)([760])،اور(هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ) ([761])اور جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ میں ذبح کیا یہ بات تو مسلم ہے۔([762]) لیکن یہ کہنا کہ حل میں ذبح کیا غیر مسلم ہے۔حنفیہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے حصر کی جگہ حدیبیہ کے کنارہ پر تھی اور مکہ کا نیچے کا حصہ تھا،اور حدیبیہ تو حرم کے ساتھ متصل مقام ہے،اور ذبح کا واقعہ تو حرم کے ساتھ ملی ہوئی جگہ جہاں پر حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا،ایسی صورت میں امام مالکؒ اور زہریؒ کی رائے بھی جمع ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے حرم میں ذبح کیا تھا۔([763])اور جو روایت انہوں نے منع کی ذکر کی ہے وہ کوئی قابل قدر نہیں ہے، پہلے حضرات نے محمول کیا ہے کہ ھدی اپنے ذبح ہونے کی جگہ کو پہنچ جائے،تاوقتیکہ اس کا ذبح

---

[759]۔الفیومی،القرءات الشاذہ،ص12

[760]۔سورۃ الحج:33

[761]۔سورۃ المائدہ:95

[762]۔ وقال روح عن شبل عن ابن أبي نجيح عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ نَحَرُوا وَحَلَقُوا وَحَلُّوا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ الطَّوَافِ وَقَبْلَ أَنْ يَصِلَ الْهَدْيُ إِلَى الْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَحَدًا أَنْ يَقْضُوا شَيْئًا وَلَا يَعُودُوا لَهُ وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِنْ الْحَرَمِ ، صحیح بخاری،کتاب العمرہ،باب النحر قبل الحلق فی الحصر،رقم:1812

[763] ۔ قَالَ مَالِك وَالَّذِي يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالْهَدْيِ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ هَدْيٌ فِي غَيْرِ ذَلِكَ فَإِنَّ هَدْيَهُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِمَكَّةَ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى{ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ }وَأَمَّا مَا عُدِلَ بِهِ الْهَدْيُ مِنْ الصِّيَامِ أَوْ الصَّدَقَةِ فَإِنَّ ذَلِكَ يَكُونُ بِغَيْرِ مَكَّةَ حَيْثُ أَحَبَّ صَاحِبُهُ أَنْ يَفْعَلَهُ فَعَلَهُ،امام مالک،مالک بن انس،الموطاء،موسسہ زاید بن سلطان النہیان، 1425ھ/2004ء،رقم:1445

کرنا حلال ہو جائے چاہے وہ مقام حِل میں ہو یا حرم میں اور یہ ظاہر کے خلاف ہے، لیکن اس میں یہ ہے کہ علم کے تقدیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور دلیل بنائی ہے ھدی کا اقتضاء کرکے جہاں اسے بیان کرنا چاہیے تھا کہ قضاء واجب نہیں ہے، جبکہ ہمارے ہاں قضاء واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ، حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا جب ان کا احصار کیا گیا اور اس عمرہ کے نام بھی، عمرۃ القضاء، رکھ دیا گیا ہے، اور یہ مقام تو محصر کو احرام سے چھٹکارا دلانے کا ہے نہ کہ ہر واجب چیز کو بیان کرنے کا، اور یہ بات واضح رہے کہ آیت کریمہ سے غیر محصر کا حکم ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ محصر کا حکم ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسوقت تک حلال نہیں ہو سکتا جب تک ھدی اپنی مقررہ جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ اور یہی دلالت نص سے ملتا ہے، اور پھر خطاب میں عموم آجاتا ہے محصر اور غیر محصر کے لئے دوسری آیت پر عطف کرنے کی وجہ سے (وَ لاَ تَحْلِقُوْا) کا عطف ہو (وَ اَتِمُّوْا) پر نہ کہ (فَمَا اسْتَيْسَرَ) پر اور (فاذا أمنتم) کا عطف (( فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ) پر جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، المحل اگر کسرہ کے ساتھ ہو تو مکان پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ظاہر آیت میں ہے اور زمانے پر بھی جیسے کہا جاتا ہے قرض دیتے وقت ادا کرتے وقت۔ ( فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً) اس میں حلق کی ضرورت ہے اور یہ مخصص ہے اللہ تعالیٰ ارشاد کا (وَ لاَ تَحْلِقُوْا) اس پر متفرع ہوتا ہے دوسری آیت بیان کردہ مسئلہ (أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ) یہ اذی زخم اور جوؤں اور درد کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے (فَفِدْيَةٌ) تو اس پر فدیہ ادا کرنا لازم ہے (مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) یہ جنس فدیہ کا بیان ہے، جہاں تک سوال ہے فدیہ کی مقدار کا تو وہ مصابیح میں مذکور ہے حضرت کعب بن عجرہ ؓ ([764]) فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ کا میرے اوپر گزر ہوا اس حال میں کہ میں حدیبیہ میں تھا اور مکہ سے باہر حالت احرام میں بھی تھا، اور دیگچی کے نیچے آگ جلا رہا تھا تو جوویں میرے چہرے پر گر رہیں تھیں تو اسی اثنا میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ: کیا آپ کو یہ تکلیف دیتی ہیں؟ تو میں نے جواب دیا جی ہاں! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سر کا حلق کرو، اور ایک فرق چھ مساکین میں تقسیم کردو (ایک فرق تین سیر کا ہوتا ہے) یا پھر تین دن کے روزے رکھو یا کوئی قربانی کرو۔ ([765]) اور بخاریؒ و مسلمؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ: میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تنگ دستی آپ پر اس درجہ غالب آجائے گی، کیا آپ کے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟ تو آدمی نے جواب دیا، جی نہیں! تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب ارشاد فرمایا کہ: تین دن کے

---

[764] ۔ کعب بن عجرۃ بن امیہ بن عدی، بلوی، حلیف الانصار ص، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ابو محمد کنیت تھی۔ سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ رہائش کوفہ میں تھی۔ 51ھ/671ء کو 75 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ سے 43 احادیث مروی ہیں۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج 1، ص 107 ، ترجمہ: 4473

[765] ۔حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ أَتَى عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أُوقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي أَوْ قَالَ عَلَى حَاجِبَيَّ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْهُ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ أَوْ انْسُكْ نَسِيكَةً ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم: 18107۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے سے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

روزے رکھو، یا چھ مساکین کو کھانا کھلاؤ ہر ایک مسکین کو نصف صاع دے دو۔ اور اپنے سر کا حلق کرو۔ (766) اور اس روایت میں مسکین کو دے جانے والی مقدار بھی بیان کر دی لیکن محل فدیہ واضح نہیں کیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مواضع میں عموم ہے جیسا کہ ابن الفرس ؒ (767) نے فرمایا ہے۔ اور امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے (فَإِذَا أَمِنتُمْ) یہ امن سے ہے خوف کی ضد ہے یا پھر، اُمنۃ، سے ہے اگر پہلا معنٰی مراد لیا تو مطلب ہو گا جب تم امن و خوشحالی میں ہوں، اور کوئی ڈر تم پر نہ ہو، اور اگر دوسرا مطلب میں تو معنٰی ہو گا جب تم سے احصار کا ڈر ہٹ جائے تو اس سے یہ حکم سمجھ میں آتا دلالت نص کی وجہ سے کہ جو شروع سے ہی امن میں ہوں اور فاء عاطفہ ہے (احصر تم) پر، اور تعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ حصر دشمن کی طرف سے ہو، یا ہر منع کرنے والی چیز جو اس دنیا میں پائی جاتی ہو، اور مریض کے لیئے بھی کہا جاتا ہے جب اس کا مرض ختم ہو جائے اور مریض کو آفاقہ مل جائے۔ آمن کے بارے میں ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے جو روایت ہے، بواسطہ ابراہیم تو یہ طریق بہت ضعیف ہے اور اس کی وجہ سے شوافع اور موالک کے استدلالات کمزور ہو جاتے ہیں۔ ( فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ )، فاء، جوابِ ،اذا، ہے اور ،الی اور الباء تمتع کا صلہ ہیں، تو اب اس صورت میں معنٰی ہو گا کہ جس نے عمرہ کر کے قرب الی اللہ کا فائدہ اور عطف اٹھایا حج کے وقت تک یعنی کہ حج کے مہینوں سے پہلے یہ فائدہ اٹھایا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، باء سببیہ ہے اور تمتع کا متعلق محذوف ہے اور وہ محذوراتِ احرام ہیں لیکن ان کی تعیین نہیں کی کیونکہ تعیین کرنے سے کوئی تعلق یا فائدہ نہیں تھا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ لطف اٹھایا عمرہ کے وقت سے اور تحلل بھی کیا محصورات احرام سے حج کے احرام کے باندھنے سے پہلے تک، لیکن اس میں تمتع کے شرعی مفہوم کو لغوی مفہوم بدل دیا جاتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ مطلق انتفاع مراد ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ لے اور عمرہ کے مناسک ادا کرے بعد میں حج کا احرام باندھے درمیان مکہ سے اور پھر حج کے اعمال کرے، اور اس کے ساتھ ہی قران تو یہاں محرم کو چاہیے کہ وہ حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھ لے اور پھر حج کے مناسک اداء کر تو اس صورت میں عمرہ کے مناسک خود بخود اس میں داخل ہو جائیں گے، اور افراد یہ ہے کہ محرم پہلے حج کے لئے احرام باندھے اور حج سے فارغ ہو کر عمرہ کرے۔ (فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ)، فاء، مَن کے جواب میں واقع ہے تو اس کا معنی یہ ہو گا تمتع کی وجہ سے اس پر دم لازم ہے اور اسے دم جبران بھی کہتے ہیں کیونکہ اس پر تو لازم تھا محرم میقات سے احرام باندھتا لیکن جب اس نے میقات سے

---

766۔حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ الْفِدْيَةِ فَقَالَ نَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً حُمِلْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي فَقَالَ مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى أَوْ مَا كُنْتُ أُرَى الْجَهْدَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى تَجِدُ شَاةً فَقُلْتُ لَا فَقَالَ فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب الابعام فی الفدیۃ نصف صاع، رقم:1816

767۔ابو محمد، عبدالمنعم بن محمد الانصاری، الخزرجی، تفسیر، حدیث لغت کے مشہور امام ہے۔ امام مالک کے پیروکار تھے۔ احکام القران آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ فقہ مالکی پر بھی متعدد کتب تحریر کئے ہیں۔ آپ 597ھ/1200ء کو وفات پائی۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج21، ص364

احرام نہیں باندھا تو اس میں خلل واقع ہو گیا جس کی وجہ سے دم جبرا اس پر لازم کر دیا، لیکن مکہ کے رہائشی پر اور جو کوئی اس کے حکم میں ہو گا ان سب پر دم لازم نہیں ہے، حج کے لیئے جب احرام باندھ گا لے گا تو ذبح کرے اور احرام باندھنے سے پہلے ذبح ناجائز نہیں اور اس کے لیئے یوم النحر کی تعیین ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے اور یہ ذبح کرنے کے بعد اس سے کچھ کھائے گا نہیں لیکن واضح رہے کہ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دم نسک ہے دم قارن کی طرح کیونکہ دو نسکین کو جمع کرنے کے شکر کے طور واجب ہوا ہے تو یہ بالکل اضحیہ کی طرح ہو گیا لیکن ذبح عید کے دن ہی کرے گا۔ (فَمَن لَّمْ يَجِدْ) یعنی کہ جسے ھدی نہ ملے، تو یہ عطف مع (فَإِذَا أَمِنتُمْ)، ( فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ) تو پھر تین دن کے روزے رکھے گا (فَصِيَامُ) کو نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا۔ ([768]) تو اس صورت میں معنیٰ ہو گا کہ تم روزے رکھو (فليصم) اور صوم کا ظرف کا محذوف ہے، یہ ناممکن ہے کہ حج کے اعمال میں سے کوئی چیز ظرف بن جائے۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں حج کے وقت سے مطلقا وقت مراد ہے لیکن دو احراموں میں سے ایک احرام حج کا ہے اور دوسرا عمرہ کا، اور کنایۃ ہیں تحلل نہ کرنے سے تو یہ شامل ہے سب کو یعنی جیسے کہ یہ احرام حج سے پہلے واقع ہوا چاہے اس نے عمرہ سے تحلل کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن جو اس کے بعد واقع ہو یعنی ھدی پر قادر ہوا تین روزے رکھنے کے بعد اور تحلل کرنے سے پہلے تو اس صورت میں دم لازم ہے، لیکن اگر تحلل کرنے کے بعد قادر ہوا ھدی پر تو کچھ بھی لازم نہیں ہو گا کیونکہ روزے سے وہ مقصد پورا ہو گیا اور وہ تحلل ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد حج کے اعمال ادا کرنے کا وقت اور یہی دن اعمال میں مشغولیت کے ہیں یعنی احرام کے بعد اور تحلل سے پہلے، اور امام شافعیؒ کے پاس احرام حج سے پہلے روزہ رکھنا درست نہیں ہے، اور پسندیدہ تو یہ ہے کہ سات، آٹھ اور نو ذی الحجہ کو روزہ رکھے کیونکہ یہ تاخیر کی آخری حد ہے اور اصل پر قدرت حاصل ہونے کا بھی اس میں احتمال موجود ہے اور یوم النحر اور ایام التشریق میں روزہ نہیں رکھ سکتے شارع کے منع کرنے کی وجہ سے، لیکن بعض حضرات نے تیسرے دن روزہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے اور ان کی دلیل امام بیہقیؒ اور ابن جریرؒ اور الدار قطنیؒ نے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے متمتع کو رخصت دی ہے اگر اسے کوئی ھدی نہ ملے، اور وہ روزہ نہ رکھے یہاں تک کہ اگر دس دن ہی گزر جائیں تو ان کے بدلے میں ایام تشریق میں روزہ رکھ لے۔ ([769]) اور امام مالکؒ نے زہریؒ کے واسطہ سے روایت کی ہے اور زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن حذافہؓ کو بھیجا اور ایام تشریق میں بلایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے نہیں مگر اس

---

[768]۔ ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 196

[769]۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَلاَّمٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَالَمْ يَجِدِ الْهَدْىَ أَنْ يَصُومَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ ، سنن ترمذی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم: 773۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

آدمی کے علاوہ جس پر ھدی کے بدلے میں روزے ہوں۔(770)اور دار قطنیؒ نے سعید بن المسیبؓ کے طریق سے یہی روایت کی ہے۔(771)امام بخاریؒ اور ایک بڑی جماعت نے حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے رخصت نہیں دی سوائے متمتع کے اگر ایسے ھدی نہ ملے۔ (772) اور اسی کو امام ملکؒ نے دلیل بنایا ہے، شاید کے احنافؒ نے احادیث نہی کو اپنایا ہے اور احناف فرماتے ہیں کہ اگر روزانہ رکھ سکا یہاں تک کہ یوم النحر آگیا تو صرف اور صرف دم ہی لازم ہوگا اور ایام تشریق کے بعد ان کی قضاء نہیں ہوگی جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اس لئے کہ یہ بدل ہے اور ابدال صرف شرع کی طرف منسوب ہوتے ہیں جبکہ نص نے حج کے وقت کے ساتھ خاص کیا ہے اور دم کو جواز کو اپنی اصل پر برقرار رکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح حکم دیا تھا بکری کو ذبح کرنے کا۔ (وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ)مطلب یہ ہے کہ تم حج کے اعمال کرکے فارغ ہو جاؤ یہاں پر رجوع کا ذکر کیا ہے لیکن ارادہ سبب کو بیان کرنے کا ہے یا پھر اس کا معنیٰ ہے کہ جب تم منیٰ سے واپس آؤ، امام شافعیؒ نے فرمایا: جب تم اپنے اہل وعیال کے پاس واپس لوٹ آؤ، اور یہی اکثر ائمہ کے ہاں درست ہے، اور اس کی تائید امام بخاریؒ کی تخریج کرتی ہے جو انہوں نے ابن عباسؓ کے طریق سے کی ہے وہ یہ کہ جب تم اپنے وطن کو واپس لوٹ آؤ۔(773)اور لفظ رجوع اسی معنیٰ میں زیادہ بہتر ہے مکہ میں اقامت کی نیت کرکے رہنا بھی وطن کے حکم میں ہے یعنی کہ وہ گویا کہ اپنے وطن واپس لوٹ آیا ہے۔ اس لئے کہ شرع نے وطن اقامت کو بھی وطن اصلی کے قائم مقام ٹھہرایا ہے، جبکہ صاحب،البحر، نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رجوع سے مراد اپنے اہل کی طرف لوٹنے کی تیاریاں اور سفر کا آغاز ہے یہی دیگر بعض حضرات کی رائے ہے اور دوسرے بعض حضرات نے مراد یہ لیا ہے کہ جب اپنے وطن پہنچ جائے اور دیگر کاموں سفر سے فارغ ہو جائے لیکن اس کلام میں التفات بہت زیادہ ہے، اور لفظ اپنے معنیٰ میں محمول کیا گیا ہے اپنے افراد میں اور

---

770۔وحَدَّثَنِي عَنْ مَالِك عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حُذَافَةَ أَيَّامَ مِنًى يَطُوفُ يَقُولُ إِنَّمَا هِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ،امام مالک،الموطا، تحقیق: ناصرالدین الالبانی، رقم:1393۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

771۔حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ الْحَسَنِ الْقَزَّازُ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْكُمَيْتِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِى نَافِعٍ حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ سُلَيْمَانَ أَبِى مُعَاذٍ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِىِّ قَالَ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ( فِى رَهْطٍ أَنْ يَطُوفُوا فِى مِنًى فِى حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فَيُنَادُوا إِنَّ هَذِهِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِفَلاَ صَوْمَ فِيهِنَّ إِلاَّ صَوْماً فِى هَدْيٍ، سنن دار قطنی، تحقیق: ناصرالدین الالبانی، رقم: 2313۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

772۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عِيسى عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَا لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدْ الْهَدْيَ ، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام ایام التشریق، رقم:1997

773۔یہ روایت امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ رقم:1572

غیبت کے لئے بھی۔([774])اور (سَبْعَةٍ) نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔([775]) عطف ہے (ثَلاثَةِ أَيَّامٍ) پر کیونکہ یہ مفعول ہے اور جو حضرت اسے جائز قرار نہیں دیتے انہوں، صوموا، کو مقدر تسلیم کیا ہے اور یہی امام ابو حیانؒ کا مذہب ہے۔([776]) ( تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ) یہ اشارہ ہے ثلاثہ اور سبعہ کی طرف جبکہ ممیز عدد یہاں محذوف ہیں، ای ایام واثبات، اور، تاء، کا استعمال عدد کے ساتھ ممیز کے حذف ہونے کی صورت میں سب سے بہتر استعمال شمار ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ،واو، کا وہم نہیں ہوتا کہ واوتاء کے معنٰی میں ہے یا پھر یہ کہ یہ تخییر کے لئے ہے۔ لیکن امام سیرافیؒ ([777]) نے اپنی کتاب، شرح الکتاب، میں اس معنٰی میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں تقدیم امرِ صریح کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ صرف اس خبر کا اعتبار ہے جو امر کے معنٰی میں ہے یہ اس وجسے کہ وہ دور کا تو ہم بھی ختم ہو جائے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اعجاز القرآن کے مقدمہ میں، تاکہ عدد کے متعلق جیسے تفصیل سے علم ہوتا ہے اختصار کے ساتھ بھی اس کو سمجھا جائے، تو اس طرح سے دونوں جہتوں کا احاطہ ہو جائے گا اور علم میں مزید پختگی آجائے گی، اسی طرح کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے ،علمان خير من علم،([778]) خاص طور پر یہ بات درست ہے کہ اکثر عرب والے حساب کو اچھی طرح سے نہیں مانتے، تو اس خطاب سے لائق تو وہ عامی آدمی ہے جس کے ذریعہ سے خاص کو سمجھا جا سکتا ہے، اور عام تو وہ گورہیں جو اہل طمع شمار ہوتے ہیں نہ کہ علم کے پہاڑ، کہ وہ کثرت علم اور کلام میں اضافہ اور زیادہ کی وجہ سے یہ کہیں کہ سبعۃ سے مراد عدد ہے نہ کہ کثرت جبکہ یہ دونوں معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں تفریق کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر پہلی حالت میں ہو تو اس میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب یہ ھدی سے بدل لے تو بدل اکثر اور غالب مبدل منہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے اس لئے ثلاثہ کو بدل بنایا ہے حج کے دنوں میں اور سات کا اس میں مزید اضافہ کیا ہے تاکہ ثواب میں کمی واقع نہ ہو، کیونکہ فن تو آسانی پر مبنی ہے اس لیئے سبعہ کو مشقت کی وجہ سے اعمال حج میں قرار نہیں دیا گیا، اور تعادل تو عشرہ کی صفت ہے کیونکہ عشرہ پورا جزء ہے، اس لئے کہا گیا ہے، تلك عشرة كاملة، کیونکہ یہ وقوع کے اعتبار سے بدل ہے ھدیٰ سے۔ اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ صفت موکدہ ہے اور روزہ کی زیادہ تاکید کرتی ہے تاکہ غفلت سے کام نہ بہا اور نہ ہی اس کی مقدار میں کمی کی جائے گویہ کہ یوں کہا گیا ہو کہ دس پورے ہیں، ان کی دیکھ بھال کرو اور پورا کرنے میں ان کی رعایت کرو اور کمی میں مت پڑو، اور یہ بھی کہا گیا یہ صفت مبنیہ ہے کمال عشرہ کے لیئے اور اس میں خواص عدد کی تکمیل کی رعآیت ہے، کیونکہ ایک کا عدد اعداد کی ابتداء ہے اور دو پہلا عدد ہے اور تین فرد کے اعتبار سے پہلا عدد ہے جبکہ

---

[774]۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 196

[775]۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ: 196۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 196

[776]۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ: 196

[777] ۔کافی جستجو اور تلاش کے بعد آپ کا ترجمہ نہ مل سکا۔

[778] ۔المیدانی، مجمع الامثال، ج 2، ص 23۔اور یہ مثال بحث و مشاورہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

چار جز کے اعتبار سے پہلا عدد ہے،اور پانچواں پہلا دائر عدد ہے اور چھٹا پہلا عدد نام ہے،اور ساتواں پھر عدد اول ہے،اور آٹھواں پہلا زوج عدد ہے اور نواں پہلا مثلث عدد ہے جبکہ دس ایک ہی ہے اور اسی پر عدد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ بعد میں آنے والے عدد سب اس سے مرکب ہیں یہ قول بعض محققین نے بھی ذکر کی ہے اسی وجہ سے امامؒ (779) نے اسی وصف کے ساتھ وجوہ بیان کی ہیں، لیکن دس مکمل نہیں ہیں،اگر تفصیل کی طوالت کا خدشہ نہ ہوتا تو اس کے فوائد ونقصان سب کچھ بیان کرتا ہے۔(ذَلِكَ) یہ تمتع کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے مفہوم ہوتا ہے (فَمَن تَمَتَّعَ)امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حاضر مسجد کے لئے تو تمتع ہے اور نہ ہی قران کیونکہ ان کی شرعی حیثیت کسی ایک سفر کو ختم کرکے لطف کے لیئے ہو جاتی ہے اور جہاں تک بات ہے قران اور تمتع کی تو وہ آفاقی کے لئے ہیں نہ کہ اہل مکہ کے لیئے ہر اس شخص کے لئے جو اہل مکہ کے حکم میں ہو۔امام شافعیؒ نے فرمایا کہ: یہ اشارہ اقرب کے لئے اور وہ حکم مذکور ہے یعنی ھدی لازم ہوگا یا پھر متمتع پر بدلہ واجب ہے لیکن یہ تب لازم ہوگا جب متمتع آفاقہ ہوگا، کیونکہ یہ تو واجب ہے کہ محرم حج کے لئے احرام میقات سے باندھے گا لیکن جب میقات سے احرام باندھا ہیں عمرہ کے لئے ہے پھر بعد میں حج کے لیئے باندھا تو یہ میقات سے نہیں باندھا جس کی وجہ سے خلل واقع ہوا تو اب اس صورت میں دم لازم ہو گیا، جبکہ مکی پر تو میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں تو اس کا تمتع کی طرف سے پیش قدمی کرنے سے اس کے حج میں کوئی خلل واقع نہیں کرنا لہٰذا اب اس پر کوئی چیز واجب نہیں نہ ھدی اور نہ ہی بدلہ۔اور اگر اشارہ ھدی اور صوم کی طرف ہوتا تو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے(لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) کیونکہ ھدی اور بدلہ تو متمتع پر واجب ہوتا ہے اور واجب علیٰ کے ساتھ لازم ہوتا ہے نہ کہ لام کے ساتھ لام کا، علیٰ، کی جگہ استعمال ہونا جیسے کہا جاتا ہے، اشترطی لہم الولاء، (780) لیکن یہ ظاہر کے بھی خلاف ہے،امام شافعیؒ کے ہاں پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جو حرم سے قصر کی مسافت پر ہو،اور جس کا گھر میقات کے قریب ہو یہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ہے،اور امام طاؤسؒ کے ہاں اھل حِل مراد ہیں،اور امام مالکؒ کے ہاں غیر اہل مکہ مراد ہیں، حاضر مسافر کی ضد ہے ایک وجہ کے مطابق اور دوسری وجہ میں بمعنٰی، الشاهد الغير الغائب،اور حضور اھل سے مراد حضور محرم ہے اس سے تعبیر اس لیئے ہے کیونکہ اکثر مردوں کا معاملہ ہے، یہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہاں اس کے گھر والے رہتے ہوں وہاں رہے اور

---

779 ۔امام رازی، مفاتیح الغیب، سورۃ البقرۃ : 196

780 ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ وَقِيَّةٌ فَأَعِينِينِي فَقُلْتُ إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا ذَلِكَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمْ الْوَلَاءَ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ

، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشترط شروطاً فی البیع لا تحل، رقم:2168

مسجد حرام کے دو اطلاق ہیں پہلا: خود مسجد ہی مراد ہے دوسرا یہ کہ حرم سارا مراد ہے، اسی بارے میں ارشاد خداوندی ہے (سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)([781]) یہ اس بناء پر ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم سے معراج پر گئے تھے نہ کہ مسجد سے اور یہی معنیٰ اکثر ائمہ دین نے کیا ہے۔( وَ اتَّقُواْ اللّهَ)اللہ تعالیٰ سے ڈرو ہر اس چیز کے بارے میں جس کا حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے بچو جن سے بچنے کا حکم دیا، مفعول کو ترک کرنے سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور اس اعتبار سے حج پہلے ہی داخل ہو جاتا ہے اور سارا معاملہ ٹھیک سے طے پا جاتا ہے۔( وَ اعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) یہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے حضور میں حاضر ہو اور گناہوں سے بچتے رہو، اور یہاں پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا ہے نہ کہ ضمیر کو وہ اس لیئے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر بیٹھ جائے، اور شدید کی اضافت صفت مشبہ کی طرف ہے مرفوع ہونے کے اعتبار سے۔ (الْحَجُّ أَشْهُرٌ) یعنی کے وقتِ حج مراد ہے اور وقت پر محمول کرنا ہی درست ہو گا، اور اس بارے میں ذو اشہر اور حج اشہر کا قول بھی ہے اور لا تقدیر کا بھی ایک قول ملتا ہے اور حج کو بنایا جاتا ہے جو کہ فعل میں سے خاص فعل ہے عین زمانے کے ساتھ مبالغہ کے لیئے یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے کہ اس سے مقصد حج کا وقت بیان کرتا ہے جیسا کہ اس پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد والا لیکن تنصیص زیادہ اولی اور بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول کا مطلب یہ ہے یعنی (مَّعْلُومَاتٌ) جو لوگوں کے ہاں مشہور ہوں اور وہ شوال، ذوالقعدہ، اور عشرہ ذی الحجہ ہیں ہمارے ہاں بھی یہی روایت ہے ابن عباسؓ، وابن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور حسنؒ اور اس کی تائید بھی ہوئی ہے کہ یوم النحر ارکان حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور وہ ہے طواف زیارت کیونکہ حج اکبر کو یوم النحر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کے ہاں پہلے دو مہینے ہیں اور ذوالحجہ سارا عمل کا مہینہ ہے جیسا کہ لفظ اشہر سے ظاہر ہے، چونکہ نحر کے دن بھی حج کے بعض اعمال ادا کیے جاتے ہیں جیسے طواف الزیارت ہے اور حلق ہے اور کنکریاں مارنا شامل ہیں، اور اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ طواف کو بعد میں ادا کرے گی جب حیض کی مدت پوری ہو جائے گی اور یہ جائز بھی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے طواف زیارت کو آخری مہینہ تک ملتوی کر سکتے ہیں یہی حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے اور ظاہر احادیث بھی اسی پر دال ہیں امام طبرانیؒ اور خطیبؒ نے مختلف طرق سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے تین مہینوں کو اشہر حج شمار کیا ہے۔([782]) اور سعید بن منصورؒ اور بن منذرؒ نے بھی حضرت عمرؓ سے یہی روایت کیا ہے۔([783]) امام شافعیؒ کے ہاں پہلے دو مہینے اور نو ذی الحجہ کی نحر والی رات کیونکہ حج یوم النحر کو طلوع الفجر سے ختم ہو جاتا ہے، اور عبادت ختم نہیں ہوتی جب تک اس کا وقت ہو یہ بات امام رازیؒ نے فرمائی ہے۔([784]) اسی کی مزید تفصیل میں کہ حج کا فوت ہونا اس کے رکن اعظم کے فوت ہونے کی

---

[781] ۔ سورۃ الاسراء: 1

[782] ۔ الطبری، الاوسط، رقم:: 1607

[783] ۔ سعید بن منصور، سنن، رقم: 334

[784] ۔ امام رازی، تفسیر مفاتیح الغیب، سورۃ البقرۃ : 196

وجہ سے ہے اور رکن اعظم وقوف ہے، نہ کہ مطلقا وقت ختم ہونے سے۔ پس سارے خلاف کا خلاصہ یہ ہوا کہ وقت سے مراد حج کے مناسک اور اعمال کا وقت ادائیگی ہے جو بلا کراہت ہوں اور دوسرا کام اس وقت میں کرنا غیر متعین شمار ہوتا ہے یا پھر مطلقًا احرام کا وقت مراد ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احرام کو نحر کے دن باندھنا درست نہیں کیونکہ اس وقت میں کچھ اداء نہیں ہوتا، اگرچہ بعض اعمال حج اس دن بھی ادا کیے جاتے ہیں، امام مالکؒ نے دوسری رائے کو اختیار کیا ہے، ناپسند کیا ہے کہ حج کے دنوں کے علاوہ بھی ذی الحجہ میں حج کے مناسک ادا کیے جائیں۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ لوگوں کو اپنے درہ سے ڈراتے تھے اور لوگوں کو منع کرتے تھے، اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک آدمی سے عرض کیا کہ اگر تم میری مانو تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ محرم ہلال کرے اور پھر ذات عرف کی طرف نکل چلو اور میں وہاں اہلال کرو عمرہ کا۔ ([785])امام ابو حنیفہؒ کا پہلا قول ہے کیونکہ دس ذی الحجہ ان کے ہاں کنکریاں مارے اور سر منڈانے کا دن ہے اور امام صاحب نے دس کی اقتضاء آثار میں وارد ہونے والے ارشادات کی بناپر کیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ مکلف مناسک حج سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے اور اس کے لیئے ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور وہ دس ذی الحجہ ہے اور اس کے علاوہ باقی ارکان بقیہ ایام تحر میں ہوں گے، جیسا کہ طواف کی ادائیگی ہے اور رمی الجمر کا باقی حصہ ہے، اشہر اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن بعض مرتبہ اپنے بعض افراد میں بھی ہوتا ہے کیونکہ جمع کی اقل مقدار جمہور کے ہاں تین ہیں اور ایک ایک مل کر ہی جمع بنتے ہیں۔ اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ مجاز ہے ایک سے زیادہ کے لئے علاقہ اجتماع ہونے کی وجہ سے، اور یہ حقیقت میں جمع نہیں ہے مذہب مرجوح کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ اس کا اطلاق دو پر ہوتا ہے یا بعض ثابت پر۔ اور دو قول دو اور تین کا کہا گیا ہے، وہ عدم حکم میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین ہیں، کیونکہ بعض افراد پر اس کا اطلاق درست نہیں، اور یہ اسماء ظروف ہیں اور ظروف بعض افراد پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ یہ فی کے معنٰی میں ہے جیسے کہا جاتا ہے، رآیتہ فی سنۃ کذا، أو شھر، أو یوم کذا، وانت رآیتہ فی ساعۃ من ذٰلک ، اور شاید یہی صحیح اور حق ہے اور صیغہ جمع مذکر غیر عقلاء الف اور تاء کے اضافے کے ساتھ آتا ہے۔ ( فَمَن فَرَضَ )یعنی اپنے آپ پر لازم کر لیا۔( فِیہِنَّ الْحَجَّ )احرام باندھ کر، پھر وہ محرم بن جاتا ہے صرف نیت کرنے سے ہی امام شافعیؒ کے ہاں، احرام کا مطلب ہی ممنوعات سے بچنا ہے تو صرف نیت سے ہی شارع بن جاتا ہے جیسے روزے میں ہوتا ہے، اور حنفیہؒ فرماتے ہیں نیت کے ساتھ تلبیہ کہنا لازمی ہے کیونکہ یہ ادا کرنے کا عقد کر رہا ہے تو تلبیہ ضروری جیسے نماز میں ہوتا ہے، لیکن چونکہ حج کا باب نماز سے زیادہ وسیع ہے اس لیے صرف تعظیم ہی کافی ہے تلبیہ کے علاوہ فارسی میں ہو یا عربی میں اور اسی قسم کا حکم سوقِ حدی اور تقلید کے بارے میں ہے، دلیل بھی اسی آیت سے لیتے ہیں کہ احرام باندھنا صرف اشہر حج میں جائز ہے اس کے علاوہ میں نہیں، یہی رائے ابن عباس اور عطاءؒ کی ہے اگر اس کے علاوہ بھی جائز ہوتا ہے جیسے حنفیہ فرماتے ہیں تو پھر (فِیہِنَّ) کس لیے ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ (فِیہِنَّ )تو اس لئے ہے کہ اعمال حج کی ادائیگی کا وقت متعین ہو جائے بغیر کسی کراہت کے تو اس سے عدم جواز تھوڑی ثابت

[785]۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:196

ہوتا ہے، اگر احرام کو پہلے باندھ لیا تو حاجی شمار ہوگا کراہت کے ساتھ لیکن امام شافعیؒ کے ہاں عمرہ کے لئے محرم شمار ہوگا اور خلاف کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ رکن ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں اور شرط ہے حنفیہؒ کے ہاں تو یہ طہارت کے مشابہہ ہے کہ وقت سے پہلے آدمی حاصل کر سکتا ہے، اور کراہت شباہت کی وجہ سے ہی آتی ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ، اشہر حج کے دنوں کے علاوہ کسی کے لئے محرم بننا ممکن نہیں۔[786] ( فَلاَ رَفَثَ) یعنی اپنی بیوی سے جماع بھی نہیں کرنا، اور گفتگو میں بھی فحش سے پرہیز کرنا ہے (وَلاَ فُسُوقَ) اور گناہ کرنے کے لیئے شرع کی حدود سے بھی نہیں نکلنا، اور یہ بھی ہے کہ گالی گلوچ اور بُرے القاب دینے سے بھی پرہیز کرے (وَلاَ جِدَالَ) اپنے خدام اور رفقاء کے ساتھ لڑائی جھگڑا بھی نہیں کرنا (فِي الْحَجِّ) یعنی حج کے دنوں میں ضمائر کے پوشیدہ کرنے کی جگہ پر اظہار اس لئے کیا ہے کمال اعتفاء اور عظمت شان کے اظہار کے لئے، اور حکمت کی وجہ سے ہے، کیونکہ بیت اللہ کی زیارت اور قرب الٰہی مذکورہ بالا چیزوں سے پرہیز کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور جو سر کا ارادہ رکھتا ہو بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف تو اسے چاہیے کہ پرہیز کرے ایثار کی جو نفی کی گئی ہے وہ نہی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اور دلالت یہ ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سب چیزیں نہیں ہونی چاہیے اور جو چیزیں منکر ہیں اور بُری ہیں اپنی ذات میں تو ان سے مطلقاً نہیں ہے اور یہی چیز محرم کے لئے سب سے بڑی عبادت ہے اور مشکل بھی ہے، جیسے نماز میں ریشم کا پہننا، اور خوبصورت آواز کہ قرآن کے حروف صحیح طرح سے ادا ہوں۔ ابن کثیرؒ اور ابو عمروؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ نہی کے معنی پر محمول کرتے ہوئے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ رفث اور فسوق کی کوئی گنجائش نہیں اور تیسری قراءت فتح کے ساتھ ہے۔[787] تو اس صورت میں معنیٰ ہوگا کہ خبر دینا حج کے خلاف کام کرنے کی (یعنی ارکان وشرائط حج کی خلاف ورزی نہ ہو) یہ اس لئے ہے کہ قریش مشعر حرام پر کھڑے ہوئے تھے اور دوسرے عرب عرفہ میں لیکن جب سب کو عرفہ میں کھڑے ہونے کا حکم دیا تو خلاف ختم ہوگیا پھر اس کی خبر بھی دے دی اور (فِيهِنَّ) رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔[788] اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ (وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّهُ) یہ امر کی تاویل میں ہو کر معطوف ہے (فَلاَ رَفَثَ) پر تو معنیٰ ہوگا کہ بُرے کام مت کرو اور بھلائی کے کام خوب کرو لیکن اس میں التفات ہے اور نیکی کے کام کرنے کی خوب ترغیب ہے، اسی وجہ سے خاص طور اس کو علم کے متعلق کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں جو کچھ کرتے ہیں چاہیے بھلائی کے کام ہوں یا بُرائی کے، اور علم سے مراد یا تو ظاہر علم ہے تو پھر فعل مقدر ہوگا اور ثواب ملے گا یا پھر مجاز ہے۔ (وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى) امام بخاریؒ، نسائیؒ، ابوداوٗدؒ، ابن المنذرؒ، ابن حبانؒ، بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: اہل یمن حج تو کرتے تھے لیکن زاد سفر ساتھ نہیں لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ پر توکل کرنے والے ہیں پھر آگے بڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہے، پھر یہ

---

[786]۔ سیوطی، تفسیر الدر المنثور، سورۃ البقرۃ: 197

[787]۔ ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع، ص80۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص211

[788]۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص211

آیت نازل ہوئی۔ ([789])التزود، اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اور وہ ہے کہ زاد سفر اپنے ساتھ رکھنا، اور تقویٰ یہاں پر لغوی میں معنیٰ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان سوال کرنے سے بچیے، اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا مطلب ہے کہ تقویٰ کو اپنا زاد راہ بناؤ اپنی آخرت کے لئے یقیناً تقویٰ بہترین زاد راہ ہے، یہاں پر، تزودا، کا مفعول محذوف ہے قرینہ خبر، ان، ہے اور وہ تقویٰ ہے شرعی میں ظاہر کا تقاضا تو یہ ہے کہ، خیر الزاد، کی خبر کو، تقویٰ، پر محمول کیا جائے لیکن بات یہ ہے کہ جب سند اور مسند الیہ جمع معرفہ جمع ہو جائیں تو جو زیادہ مناسب ہو اسے سفر بنادیا جاتا ہے تو یہاں پر مطلوب اثبات ہے خیر الزاد جو تقویٰ کے لئے ہے کیونکہ یہ دلیل ہے تقویٰ کو زاد بنانے کے لئے لیکن کلام کو مقتضیٰ ظاہر کے خلاف لائے مبالغہ کے طور پر، لیکن دوسری صورت میں اس کا مطلب تھا کہ جو چیز آپ تک پہنچی ہے وہ بہترین زاد ہے جبکہ آپ اس کی صفت طلب کر رہے ہو اور وہ تقویٰ ہے لہٰذا دونوں کا اتحاد خبر الزاد کے لئے مفید ہے۔( وَاتَّقُونِ يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ)یعنی کہ انسان کو چاہئے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرے، اگر اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر قسم کے شوائب سے بچتے ہوئے اللہ کی رضا کے لئے تقویٰ اختیار کیا جائے کیونکہ اخلاص کی ترغیب کو تقویٰ کی ترغیب دینے کے بعد ہی کی ہے۔ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ)یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے (أَن تَبْتَغُواْ)یعنی کہ تم تلاش کرو(فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ)یعنی کہ رزق تلاش کر تجارت میں منافع حاصل کرے حج کے دنوں میں۔ امام بخاریؒ اور دیگر ائمہؒ ابن عباسؓ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: دور جاہلیت میں عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز یہ تینوں بڑے بازار شمار ہوتے تھے تو ان کا گمان یہ تھا کہ حج کے دنوں میں تجارت نہیں کیا کرتے تو اس بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔([790]) وراسی سے استدلال کیا ہے تجارت اور اجارہ اور دیگر انواع کسب کے جواز پر حج کے دنوں میں اور یہ سب کام کرنے سے نہ تو اجر میں کمی ہوتی ہے اور نہ ہی ثواب کم ملتا ہے۔ ان دونوں آیات میں ربط کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے دنوں میں گناہ کرنے سے منع فرمایا تھا جیسے جدال اور فسق وغیرہ تو گمان یہ تھا کہ اس کی وجہ سے تجارت سے بھی منع ہوگا، کیونکہ تجارت میں بھی اکثر بڑائی جھگڑے کا خدشہ رہتا ہے قیمت میں کمی اور زیادتی کی وجہ سے اس لئے تجارت کے حکم کو بعد میں بیان فرمایا۔ امام ابو مسلمؒ نے اس آیت کو حج کے دنوں میں تجارت کے منع پر محمول کیا ہے۔، اور تأویل کی ہے کہ یہ آیت تجارت کے جواز میں حج کے دنوں کے بعد ہے، اور مزید تفصیل فرمائی ہے کہ افعالِ حج کے علاوہ سارے کاموں سے

---

[789] ۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنْ وَرْقَاءَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ وَيَقُولُونَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ فَإِذَا قَدِمُوا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى، صحیح بخاری کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ وتزودوا فإن خیر الزاد، رقم:1523

[790] ۔حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَأَثَّمُوا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي الْمَوَاسِمِ فَنَزَلَتْ { لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ } فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ ، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب الأسواق التی کانت فی الجاھلیة فتبایع بھا الناس فی الإسلام، رقم: 4519

بچے رہو پھر اس کے بعد تم پر کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے(فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ)([791])اور مزید فرمایا کہ آیت کو ایسی محل پر محمول کرنا بہتر ہے کہ جس میں شبہ نہ ہو اور محل اشتباہ تو حج کے دنوں میں تجارت کرنا ہے حج سے فارغ ہونے کے بعد حرج کی نفی تو معلوم ہے اور حج کو نماز پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ نماز کے تمام افعال ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لہٰذا نماز میں تو کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا ممکن نہیں، جبکہ حج کے تمام اعمال متفرق ہیں جس کی وجہ حج کے درمیان تجارت کرنا ممکن ہے اور جو ابو مسلم نےؒ فرمایا حج کے بارے میں تو تمام آثار بھی ان کے مددگار ثابت نہیں ہوتے اور جو امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے روایت کی ہے وہ میں سن چکا ہوں۔ کہ امام احمدؒ نے ابی امامۃ التیمیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابی امامہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا اور میں نے کہا کہ ہم نکری قوم ہیں اور ہمارا زعم یہ ہے کہ ہمارا حج نہیں ہوتا ہے تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا؟ کیا تم تلبیہ نہیں پڑھتے؟ کیا تم طواف نہیں کرتے صفا اور مروہ کے درمیان اور تاکید سے دوبار فرمایا،ألستم ألستم، تو ابی امامہؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کیوں نہیں اور مزید فرمایا حضرت ابن عمرؓ نے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا اسی بارے میں جس کے بارے میں آپ پوچھ رہے رہو تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ)تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سائل کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ (انتم الحجاج)اور حضرت ابن عباسؓ اس کو ایسے ہی پڑھتے تھے جس طرح سے امام بخاریؒ اور عبد بن حمیدؒ اور ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے یعنی کہ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ)اور اسی طرح ابن مسعودؓ سے بھی روایت ہے۔([792])اسی طرح،فاء، جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد(فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ)اس تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اضافہ رزق کی تلاش کے بعد حاصل ہوا ہے تو اس وقت تو اجازت ہوتی ہے، لیکن مراد یہ ہے کہ اگر حج کے لئے نکلنے کا قصد تجارت ہو یا اور کوئی جزوی علت ہو تو یہ حج کے لئے بہت نقصان دہ ہے کیونکہ یہ اخلاص کے منافی ہے۔(أَفَضْتُم)افاضۃ سے ماخوذ ہے جیسے کہا جاتا ہے،فاض الماء اذا سال منصبًا،اور،افضتہ، کا مطلب ہے بہانے کا اور ھمزہ اس میں تعدیہ کے لیئے ہے مفعول یہاں پر حذف ہے معلوم ہونے کی وجہ سے اور اصل میں یہ،افیضتم، ہے پھر،یاء، کی حرکت،فاء، کی طرف منتقل ہو گئی تو وہ متحرک ہو گئی، یا اصل میں مفتوح تھی پھر اس کو الف سے بدل دیا اور بعد حذف کر دیا،اب اس کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو عرفہ میں زیادہ روکے رکھو، تو یہاں پر(مِنْ)غائب کے لئے ہے،اور عرفات منیٰ میں جگہ کا نام ہے، یہ اسم ہے لفظ جمع میں لیکن یہ جمع نہیں ہوتا، امام فراءؒ نے فرمایا کہ: اس کا کوئی واحد ہے ہی نہیں صحیح قول کے اعتبار سے،اور لوگوں کا

---

[791]۔ سورۃ الجمعۃ:10

[792] ۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَتْ عُكَاظٌ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأَثَّمُوا مِنْ التِّجَارَةِ فِيهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ } فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا ، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب الاسواق التی کانت فی الجاهلیة فتبایع بها الناس فی الاسلام ، رقم:2098

یہ کہنا ،شبیہ بمولد ولیس بعربی محضٍ، ([793]) لیکن اس پر خبر واحد کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے ،الحج عرفہ۔([794]) تو اس کا جواب دیا ہے کہ عرفہ تو اس میں اسم ہے نویں دن کا ذی الحجہ کے جیسا کہ اس کی صراحت کی ہے امام راغبؒ اور بغویؒ،اور کرمانیؒ ([795]) نے اور جب نے اس کے استعمال کو مکان کے لئے ناجائز کہا ہے تو ان کی طرف سے یہ عدم فہم کی وجہ سے یہ اعتراض ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے کہ عرفہ جمع ہے اور یہی مذہب ہے صاحب، شمس العلوم، کا ہے۔ ([796]) جہاں تک تعدد کا ذکر تو وہ تسمیہ کے اعتبار سے ہے کہ عرفہ کے بہت سارے اجزاء ہیں جیسے کہا جائے کہ بہت سارے فداکیر ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہوتا اور علامہؒ نے بھی ٹھیک فرمایا ہے کہ اگر عرفہ کو محض عربی تسلیم کر لیا جائے تو بھی عرفہ اور عرفات کا مدلول تو ایک ہی ہے اس اعتبار سے اماکن متعددہ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ ہر جگہ عرفات پر جمع ہوتی ہے،اس میں تو تائیث اور علمیت پائی جاتی ہے وہ اس لئے کہ جمع مؤنث میں تنوین جمع مذکر کے نون کے برابر اور مقابلہ میں ہوتی ہے اور جمع مذکر میں جو نون ہے وہ قائم مقام تنوین کے ہے اور وہ واحد میں ہے معنیٰ کے اعتبار سے ہے اور جامع ہے تمام تنوین کی اقسام کو اور وہ اسم کی پوری طرح سے علامت ہے،اور نون میں معانی کی کوئی قسم نہیں ہے تنوین کے لیے اور اسی طرح جمع مؤنث میں تنوین تمام اسم کے لئے علامت ہے اور اس میں بھی معانی کی کوئی قسم نہیں ہے مقابلہ کے یہ تنوین منع غیر منصرف کی نہیں بلکہ تنوین تمکین ہے کیونکہ یہ دال ہے کہ اسم کی فعل سے کوئی مشابہت نہیں،اور یہاں پر کسرہ کا ختم ہونا امام رضیؒ کے مذہب کے اتباع کرتے ہوئے تنوین کو ختم کرنے کی بغیر عوض عدم صرف ہونے کی وجہ سے لیکن یہاں ایسا نہیں ہے جمہور کے قول کے مطابق امام زمخشریؒ نے فرمایا کہ نون اور کسرہ دونوں منصرف ہیں عدم فرع کی وجہ سے اور یہ معتبر بھی نہیں ہیں اور تائیث جو منع صرف میں علمیت کے ساتھ معتبر یا تو یہ ،تاء، مذکورہ ہے لیکن وہ تاء تائیث نہیں ہے بلکہ ،تاء، جمع کی علامت ہے یا پھر تاء مقدرہ جیسے زینب میں ہے، جمع مؤنث میں اس تا کی خصوصیت ہے کیونکہ یہ دو علامتوں کے درمیان جمع کی علامت ہے تو یہ ،تاء، نسبت کی تاء کی طرح ہے نہ کہ تاء تائیث بلکہ یہ عوض میں ہے واو محذوفہ کے اور اس کو مؤنث کے ساتھ خاص کیا ہے اور تاء کی تقدیر کو ختم کر کے

---

793۔الجوہری،الصحاح،(عرف)

794۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَعْمَرَ الدِّيلِيَّ يَقُولُ شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ وَأَتَاهُ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الْحَجُّ فَقَالَ الْحَجُّ عَرَفَةُ فَمَنْ جَاءَ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ لَيْلَةِ جَمْعٍ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ { فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ } ثُمَّ أَرْدَفَ رَجُلًا خَلْفَهُ فَجَعَلَ يُنَادِي بِهِنَّ
مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط۔ رقم: 18774۔ حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

795 ۔ محمد بن یوسف بن علی بن سعید شمس الدین کرمانی، حدیث کے عالم تھے۔ کرمان سے تعلق تھا۔ بغداد میں شہرت پائی۔ 717ھ/1317ء کو پیدا ہوئے۔ 30 سال تک بغداد میں قیام پذیر رہے۔ 786ھ/1384ء کو حج سے بغداد واپس جاتے ہوئے وفات پائی۔ الزرکلی، الاعلام، ج7، ص153

796۔الحمیری، شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم، ج7، ص452

لہٰذا اگر اس کو مسلمات کہا جائے تو کوئی حرج نہیں جبکہ نیت مؤنث ہے اور منصرف ہے۔(797)اور ابن حاجبؒ نے فرمایا کہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو اگر منع صرف کہا جائے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے لیکن اقتضاء غیر مسلم ہے، امام عصام الدینؒ نے فرمایا کہ تائیث منع صرف کے لئے کوئی قوت کی متدعی نہیں ہے کیا آپ کو پتہ نہیں کہ طلحہ منع صرف میں تانیث معتبر شمار ہوتا ہے لیکن مؤنث کی ضمیر کے مرجع کی وجہ سے اسے تائیث میں شمار نہیں کرتے کیونکہ استدلالات کی قوت وضعف کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ تائیث کی تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔امام رضیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر اس میں تانیث نہیں تو ضمیر تائیث کا مرجع یہ کیسے بن سکتا ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ اس وزن کا جو مؤنث کے ساتھ اختصاص ہے بس یہ ضمیر کو راجع کرنے کے لئے کافی ہے تو اس میں تاء کے لفظاً اور تقدیرًا وجود میں ہونا لازم نہیں یہ مکان اس لیئے خاص ہے کیونکہ اس سے معرفت ہوئی اور یہ ابراہیمؑ کی ہے حضرت ابن عباسؓ اور علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل اسے مختلف شاعر میں لے کر چکر لگاتے تھے تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا بس میں سمجھ گیا ہو، اور ایک روایت امام عطاء سے بھی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حواءؑ یہاں جمع ہوئے اور ایک دوسرے کو جان لیا۔ ضحاکؒ اور سدیؒ سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ نے آدمؑ سے کہا کہ اپنے جرم کا اعتراف کر اور اپنے مناسک کو جانو۔اور بعض نے کہا کہ اس کے ارتفاع اور بلندی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔اور اسی سے کہا جاتا ہے ،عرف الدلک، لیکن جمع کو تسمیہ کے لیئے مبالغہ کے طور پر کہا جاتا ہے اور اس کی وجوہات پہلے گزر چکی ہیں گو یہ کہ عرفات بہت زیادہ ہیں لہٰذا یہ اسماء مرتجلہ میں سے ہے ائمہ تحقیق کے ہاں، عرفہ میں احتمال ہے کہ اسی میں سے ہو اور یہ بھی ہے کہ یہ منقول ہو عارف کی جمع سے اور نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن عارف سے جمع بنانے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس میں اصل عدم نقل ہے۔ ( فَاذْكُرُوا اللهَ) تلبیہ اور تحلیل اور دعا کے ساتھ اور بعض نے کہا عشاء کی نماز کے ساتھ کیونکہ ظاہر امر تو وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن ذکر تو واجب نہیں ہوتا (عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)سوائے نماز کے لیکن مشہور ہے کہ مشعر میں سارا مزدلفہ شامل ہے۔امام وکیعؒ، سفیانؒ ابن جریرؒ اور بیہقیؒ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ مشعر حرام کہاں ہے تو آپ خاموش رہے یہاں تک کہ قافلہ مزدلفہ میں رکا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہے مشعر حرام۔(798)اور ،فاء، بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ مشعر حرام میں خود کر ہوتا ہے وہ عرفات کے افاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کے لئے مزدلفہ میں ٹھہرنا لازمی ہے۔اور بہت سارے حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ پہاڑ ہے امام اس پر کھڑا ہوتا ہے اسے فرج بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص طور سے ذکر کیا کیونکہ مامور بہ ہے سارے کا سارا کیونکہ وادی محسر کے علاوہ ساری جگہ ٹھہرنے کی ہے جیسا کہ بہت سارے آثار صحیحہ اس کی شان وشوکت پر دلالت کرتے ہیں۔(799)سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ میرے پہاڑ اور مزدلفہ کے درمیان کی جو جگہ ہے وہ مشعر

---

797 ۔زمحشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ: 198

798۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:198

799۔ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستذکار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ/2000ء، رقم:846

حرام ہے اس طرح کی روایت ابن عباسؓ بھی ہے۔ اور اس کو مشعر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ عبادت گاہ کی نشانی ہے اور حرام کا وصف اُس کی حرمت کی وجہ سے ہے اور ظرف متعلق ہے اذکروا، یا فعل محذوف تک ہے جو حال فاعل سے۔(وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ) یعنی جیسے آپ کو مناسک حج بنائے گئے ہیں ویسے ہی کریں، اور اس میں تشبیہ بیان حال اور افادہ تقیید کے لئے ہے مطلب یہ ہوا جیسے آپ کو سکھایا گیا ہے ویسے ہی کریں۔ اور اس سے رو گردانی مت کریں اور اس میں مطلق ہدآیت کا احتمال بھی پایا جاتا ہے اور تشبیہ تسویہ کے لئے حسن و کمال میں تو اس صورت میں مطلب ہو گا کہ اچھی طرح سے اسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں مناسک کی ہدایت دی ہے اچھے انداز میں ،ما، یہاں پر دو معنی کے لئے ہے پہلا یہ کہ فا مصدر یہ ہو تو اس صورت میں (كَمَا هَدَاكُمْ) منصوب ہو گا مصدر کی بنیاد پر اور موصوف محذوف ،ای ذکرا مماثلا لهدآیتکم، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ،ما، کافہ ہو تو اس صورت میں اس کا کوئی اعراب نہیں ہوتا، اور مقصود کافہ سے صرف جملہ کی تشبیہ جملہ سے ہے اس لئے عامل کی ضرورت محسوس نہیں کی جو اس کے معنیٰ مدخول میں ڈال دے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کاف تعلیل کے لیئے ہے اور یہ متعلق ہے روایت سابقہ کے اور ،ما، مصدر یہ نہ کے غیر تو مطلب ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کی عظمت کرو کیونکہ اسی نے تمہیں ہدایت دی ہے۔(وَإِن كُنتُم) تو اس کا مطلب ہے اگر تم ہو تو یہاں پر ،اِن، کو مخفف کیا ہے اور اسم کو محذوف کر دیا ہے اور اس کے عمل کو ختم کر دیا اور پھر اس کے بعد لام کو لازم کر دیا اور وہ دوسری رائے اس میں یہ ہے کہ ،اِنْ، نافیہ ہے اور ،لام، ،اِلا کے معنیٰ میں ہے (مِّن قَبْلِهِ) یعنی ھدی سے ،اور جار مجرور متعلق ہیں محذوف کے جو دلالت کرتا ہے (لَمِنَ الضَّآلِّينَ) پر اور اس کے اُس کے متعلق نہیں کہا کیونکہ اِس کے بعد ال موصولہ ہے جو اپنے ما قبل میں عمل نہیں کرتا اور اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے ،ضلال، سے مراد وہ جاہل لوگ ہیں جنہیں ایمان لانے کا پتہ نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنے کا یہ جملہ ما قبل کا ہی حصہ سے گویہ کہ اس طرح کہا گیا ہو کہ اب ذکر کرو اس اللہ کی ذات کا کیونکہ جو گمراہی کی حالت میں کہا تھا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے پھر اس نے تمہیں ہدایت دی اور اس کو جملہ حالیہ بنانا اپنے مقصد سے بہت دور کی تأویل ہے۔ (ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) اس سے مراد عرفہ ہے نہ کہ مزدلفہ اور یہ خطاب عام ،اور اس سے مقصد ان کے جذبات کو باطل کرنا تھا جو کہ جمع [800] کے مقام پر ٹھہرنا ہے جس سے مراد مزدلفہ ہے۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ ؓ نے فرمایا قریش اور ان کے ہم نوا مزدلفہ میں کھڑے ہوئے تھے اور وہ اسے ،حمس، کا نام دیتے تھے جبکہ دوسرے عرب والے عرفات میں قیام فرماتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ پہلے عرفہ میں آئیں اور وہیں افاضہ کریں اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے (ثُمَّ أَفِيضُواْ) [801] اس کا مطلب یہ ہے کہ اے حجاج کرام تم افاضہ کرو جہاں سے

---

[800]۔القاموس،(جمع)

[801]۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ فَلَمَّا جَاءَ

قدیم لوگ کرتے تھے اور اب جدید بھی وہیں سے کرتے ہیں اور وہ جگہ عرفہ ہے نہ کہ مزدلفہ، یہاں پر ضمیر کو حمس کی جگہ لائے اس لیئے کہ اس ترتیب خراب ہو رہی تھی جبکہ ضمائر سابق اور لاحق سب کے سب عام ہیں اور پورا جملہ معطوف ہے (فاذا افضتم )([802]) پر، اس تعریف سے مقصود قوت ہے جو ان کی اکٹھی ہوتی تھی اور پھر مزدلفہ میں آکر افاضہ کرتے تھے آیت میں، ثم، کا لفظ دونوں افاضوں میں فرق کرنے کی وجہ سے لائے ہیں کیونکہ ایک جگہ افاضہ کرنا باعث ثواب ہے اور دوسری جگہ باعث گناہ ہے، اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ تفاوت دو عطفوں کے درمیان میں ہے نہ کہ معطوف علیہ میں اور جو معطوف علیہ پر حرف نفی داخل ہے اس وجہ سے حصر ممنوع ہے، اور تفاوت کا انفہام میں ضرور نہیں ہے کیونکہ ایک مامور بہ ہے اور دوسرا منہی عنہ تو یہ عطف کیسا ہے۔ جبکہ کلمہ ثم میں گنجائش ہے قطع نظر اس سے کہ اس کا تعلق امر سے ہے یا نہی سے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف، فاذکروا، پر تو پھر دونوں افاضوں میں تفاوت معتبر ہو جائے گا جیسے پہلے گذر چکا ہے اور بعض حضرات نے اس کو محذوف پر عطف کیا ہے اور وہ، افیضوا الی منی ثم افیضوا، ہے یہ کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی کہہ دے کہ آیت میں تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے اور تقدیری عبارت یوں بیان کی ہے، لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم ثم افیضوا مِن حیث افاض الناس، اور جب مفاض منہ مزدلفہ میں ہو اور مفاض الیہ منی میں جیسا کہ جبائیؒ نے فرمایا ہے: اور جہاں تک، ثم، کی بات ہے تو وہ اپنے ظاہر پر دلالت کرتا ہے کیونکہ منٰی میں افاضہ عرفات کی بنسبت دور ہے کیونکہ جب حجاج کرام غروب شمس کے وقت عرفہ میں افاضہ کریں گے اور یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں آئیں اور وہاں رات گزاریں گے اور جب طلوع فجر ہو جائے تو وہ اندھیرے میں نماز پڑھیں گے پھر جہاں سے جبل قزح پر جائیں گے اور اس کے اوپر خون بہائیں گے یا پھر اس کے قریب کھڑے ہوں گے پھر وہاں سے وادی محسر جائیں گے اور وہاں سیدھا منٰی کی طرف روانہ ہو جائیں گے، اور یہ خطاب سب کے ل لئے ہے اور یہاں، الناس، سے مراد جنس ہے جیسا کہ ظاہر ہے یعنی جہاں سے قدیم وجدید لوگوں نے افاضہ کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ مراد ہیں کیونکہ وہ امام الناس تھے۔ اور دوسری مراد یہ ہے کہ اس سے مراد ابراہیمؑ اور ان کی اولاد ہے اور، الناس، کو کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی، الناسِ، ([803]) اور اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے (فَنَسِیَ)([804]) اس اعتبار سے کلمہ، ثم، اشارہ کے لئے ہے اپنے مابعد یعنی افاضہ عرفات کے لئے اور کی مخالفت اس بنا پر ہے کہ تم افاضہ کرو اور پھر اس کی مخالفت مت کرو کیونکہ یہ پرانی شریعت میں بھی تھا بس غور وفکر کرنے کی

---

الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ ثُمَّ يَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ثم أفیضوا من حیث أفاض الناس،، رقم:4520

[802]۔ سورۃ البقرۃ :198

[803]۔ الفیومی، القراءات الشاذہ، ص12۔ ابن جنی، المحتسب، ج 1، ص119

[804]۔ سورۃ طہ:115

ضرورت ہے (وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ)دور جاہلیت کے مناسک سے توبہ کرو (إِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ)توبہ کرنے والوں کے لیے (رَّحِيمٌ)اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والے اور نعمتوں میں اضافہ کرنے والے ہیں۔

# فصل دوم

## سورۃ البقرۃ آیت 200 تا 203 کا اُردو ترجمہ، تخریج و تحقیق

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ 200 وِمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ 201 أُولَـئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ 202 وَاذْكُرُواْ اللّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ 203

**ترجمہ۔** پھر جب حج کے تمام احکام پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو جو (دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔200 اور بعضے ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار ہم کو دینا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔201 یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی اجر نیک تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔202 اور (قیام منیٰ کے) دنوں میں (جو) گنتی کے (دن ہیں) اللہ کو یاد کرو۔ اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (چل دے) تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ یہ باتیں ایسے شخص کے لئے ہیں جو (اللہ سے) ڈرے۔ اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم اس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔203

(فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ) یعنی آپ نے حج کے اعمال ارکان واجبات ادا کر دیے ہیں اور عبادات کر کے فارغ ہو گئے ہو تو (فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءكُمْ) یعنی تم حج سے فارغ ہو کر اپنے اباءواجداد کو بڑے فخر سے یاد کیا کرتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی یاد کرو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: دور جاہلیت میں لوگ حج کے بعد بیٹھ جاتے تھے اور اپنے اباء کے دنوں کو یاد کرتے تھے اور اس دن وہ ان کے نسب و حسب کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے ، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا (أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا) یہ تو یا مجرور ہے معطوف ہے، ذکر، پر، ذاکرا، کے معنیٰ میں مجازا لے کر، تو اس صورت میں مطلب ہو گا، تم اپنے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے آباءواجداد کو یاد کرتے تھے، یا اس سے بھی زیادہ اچھے طریقہ سے اس میں زیادہ تاکید ہے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمانے کی۔ یا پھر یہ معطوف ہے اس پر جس کی طرف اس کی اضافت کی گئی۔ ائمہ کوفیین کے ہاں ہو جائز ہے جو ضمیر مجرور پر عطف کرنے کے قائل بغیر اعادہ خافض کے، تو اب معنیٰ ہو گا اس قوم کے ذکر کرنے کی طرح جو تم سے زیادہ کرتی ہے۔ یا پھر یہ منصوب ہے عطف ہونے کی وجہ سے (آبَاءكُمْ) اور (ذِكْرًا) پر یہ فعل مبنی للمفعول ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تمہارا یاد کر بہت زیادہ دینے آباءواجداد کو، اور اُن میں سے بھی جو زیدہ قابل ذکر ہیں انہیں۔ یا پھر عطف ہے ضمیر پوشیدہ پر تو اس صورت میں معنیٰ ہو گا کہ ہو جائے تمہارا یاد کرنا اللہ تعالیٰ کو اپنے آباءواجداد سے زیادہ، اور فرمایا کہ بس تم اپنے آباءواجداد کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو اُن سے زیادہ یاد رکھو، اور اسی طرح مختار ہے۔ لیکن صاحب، البحر، نے فرمایا ہے کہ (أَشَدَّ) منصوب ہے حال ہونے کی وجہ

(ذِکْرًا) سے جو کہ منصوب ہے (اُذْکُرُوْا) کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔(805) لیکن یہ اگر اس سے مأخر ہوتا تو صفت بنتا اور یہی زیادہ بہتر اور مناسب ہے (ذِکْرًا) یہ فاصلہ کی طرح اور کثرت تکرار کی پریشانی سے پہنچنے کے لئے ہے، اور اگر یہ مقدم ہوتا تو پھر ترکیب کچھ یوں ہوتی (فاذکروا االله کذکرکم آباء کم،أو اذکروا ذکرًا اشد) تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ یوں کہا جاتا کہ ،أَشَدَّ ،ذِکْرًا، کے بغیر ہے تا کہ یہ معطوف ہوتا (کَذِکْرِکُمْ) پر تو یہ صفت ذکر مقدر کے لئے چونکہ یہاں مطلوب ذکر کرنا مطلوب ہے زیادہ سے زیادہ نہ کہ حالتِ ذکر مطلوب ہے۔(فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ) یہ جملہ معترضہ ہے دو امرین متعاطفین کے درمیان اور مطالبہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کثرت سے کرنے کا ہے اور اسی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اور اس میں مطلقاً ذکر کرنے والوں کا ذکر ہے چاہیے وہ حجاج کرام ہوں یا دوسرے لوگوں اور بعض کم ظرف لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کرتے ہیں صرف دنیا کے لئے لیکن دوسرے وسیع الظرف لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر کرنے کے لئے۔ بعض صوفیائے کرام سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: ہماری عبادات تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں دنیا کی کوئی عرض اس میں نہیں ہے اور مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دنیاوی اعراض کا ہونا جہل عظیم ہے اور یہ جہالت کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے کیونکہ افعال میں تعلیل کا نہ ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی معلل ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور حکمت کے ساتھ۔ یہ بات تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اُس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ کسی خوف کے لئے یا اپنے محبوب کو پانے کے لئے لیکن وہ آدمی جو دیگر بہت ساری عبادات اور نیکیاں کرتا ہے اور مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے تو بہت بڑے نفع میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ورضوان من االله اکبر) (806) اللہ تعالیٰ نے جہاں پر دعا کا ذکر ہے وہیں پر ذکر کو کو بیان کیا ہے اِس سے اشارہ اِس طرف ہے کہ ذکر وہ معتبر ہے جو دل کی پوری توجہ سے کیا جائے جیسا کہ دعا مانگنے والا پوری لو لگا کے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے، اسی طرح ذکر ہو نہ کہ صرف زبان سے الفاظ بے توجہی سے نکال دے اور یہ صرف الفاظ بس منہ کی بات بن کر رہ جائیں، امام ابو حیانؒ نے فرمایا ہے۔(807) کہ جو ذاکرین ہیں یہ ساری تفصیل حج کے مناسک پورے کرنے کے بعد ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ذکر سے آغاز کیا ہے کیونکہ یہ اجابت کی کنجی ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سوالات کو تقسیم کیا ہے کہ مانگنے والے کو پہلے میرا ذکر کرنا چاہیے پھر اپنے سوالات شروع کرے، اِن میں سے بعض لوگ صرف اپنی دنیا کی خیر وعافیت مانگتے ہیں اور انہیں میں سے ایسے لوگ ہیں جو دنیا و آخرت دونوں طلب گار ہوتے ہیں اور در حقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس آیت میں التفات ہے خطاب سے غیبت (غائب) کی طرف یہ صرف اس لیے ہے کہ طالب

---

805۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 200

806۔ سورۃ التوبۃ: 72

807۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ : 201۔ امام رازی، تفسیر کبیر، سورۃ البقرۃ : 201

دنیا کی عزت خاک میں مل جائے کہ اس نے دنیا کی صحبت کو اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے، اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے کہ پہلا مرحلہ دنیا میں لینے کے اعتبار سے لوگوں کے لئے مناسب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا(وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ)([808])،(وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي)([809]) یہ سب نزول ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہ عرب سے ایک گروہ آتا ہئے موقف پر اور وہ صرف دنیا طلب کرتا ہے اور دوسری جماعت مومنین کی آتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت دونوں کو مانگتے ہیں، اس کا تقاضا تخصیص نہیں ہے۔( رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا)یعنی اسے اللہ تعالیٰ ہمیں عطاء کردہ اشیاء کو بنادے، اس میں مفعل ثانی نہیں ہے اور قیاسًا فعل لازم کے بمنزلہ کردیا ہے عموم فعل کی خاطر اور اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا طلب کرنے والوں کی ہمت اور طلب بڑی ناقص اور چھوٹی ہے(وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ)یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دنیا کے طلب گاروں کا حال بیان کر کے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ،خلاق، کا مطلب ہے کہ اگر وہ اس کے لائق ہو تو اس کو کچھ حصہ مل جائے یا پھر یہ، خلق، سے ہے کہ وہ ذات جس نے انسان کو پیدا کیا اور مستحکم کردیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جملہ بیان ہے دنیا کے حال کو حرامت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور یہ تاکید ہے مطلب یہ ہے کہ نہ تو دنیا میں اس کا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی آخرت میں، اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آخرت کے لئے بالکل طلب نہیں کرتا اس لیے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا آخرت بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت میں بہت ساری چیزوں سے محروم ہوگا انہیں آخرت میں کچھ نہ کچھ دیا جائے گا دنیا میں نہ مانگنے کی وجہ سے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی اپنے بندوں پر جبکہ مومنین بہت سارے درجات حاصل کرلیں گے اور کافروں کو شدت عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا(مِن) یہ صلہ ہے لہ خبر مقدم ہے اور جار مجرور متعلق ہیں، یا پھر اپنے مابعد کے لئے حال ہیں۔ (وِمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً)مطلب کہ عافیت عطا فرمادے یہ قتادہؒ کی رائے ہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نیک عورت مراد ہے۔ اور امام حسنؒ نے فرمایا کہ: علم اور عبادت مراد ہے، اور امام سدیؒ نے فرمایا کہ مراد مال صالح ہے، یا نیک اولاد۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد تعریف باری تعالیٰ ہے، امام جعفرؒ نے فرمایا کہ مراد صحت و کفایت، اور دشمنوں پر فتح پانا بعد کتاب اللہ میں فہم و فراست اور صحبت صالحین کو اختیار کرنا ہے۔ لیکن ظاہر حال یہ ہے کہ ،حسنۃ، اگرچہ اثبات میں نکرہ ہے اس کے باوجود یہ عام نہیں ہے سوائے ایک صورت کے کہ اسے مطلق عموم پر محمول کریں، تو اس طرح سے یہ اپنے کمال پر دلالت کرتی ہے، اور دنیا میں حسنہ کاملہ، یہ ہے کہ تمام افراد حسنات کو شامل ہو، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کے کاموں کو کرنے اور انہیں بیان کرنے کی توفیق مل جائے اور اس سے کسی چیز کی تعیین مراد نہیں ہے وہ اس لئے کہ مطلق کی مقید کوئی مناسبت نہیں ہے اور چونکہ وہ باب تمثیل سے ہے اور ہماری بات بھی اسی کے متعلق ہے اللہ کا ارشاد ہے(وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً)اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ جنت ہے اور یہ

---

[808]۔ سورۃ البقرۃ:204

[809]۔ سورۃ البقرۃ :207

بھی کہا گیا ہے کہ یہ سلامتی ہے ہولناک منظر سے اور بُرے حساب وکتاب سے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حور عین ہے اور بعض نے فرمایا کہ محسوس کرنا مراد ہے اور بہت سارے اقوال ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہر اطلاق پر ہے، اور ارداہ کامل مراد ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واحسان ہیں(وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)یعنی ہمیں معاف فرما کر اور ہماری خطاؤں کو در گزر کر ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ فرمالے اور ہمیں ان لوگوں کی صف میں کردے جو بغیر عذاب کے جنت داخل ہو جائیں گے۔امام حسنؒ نے فرمایا کہ ہمیں گناہوں اور شہوات سے محفوظ فرمالے جو عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جبکہ حضرت علی ؓ نے فرمایا بُری عورت ہی دوزخ کا عذاب ہے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔اور اسی طرح کی بات پہلے گذر چکی ہے اور حضور ﷺ اکثر یہی دعا فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ([810])اور بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار آدمی کی عیادت کی جو مسلمانوں میں سے تھااور اس کی حالت اس چوزے کی طرح تھی جس کے سارے اُتر چکے ہوں، تو حضور ﷺ لام نے اس شخص سے فرمایا کہ: کیا آپ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے تھے؟ تو شخص نے فرمایا: جی! میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا تھا کہ یااللہ جو معاملہ آپ میرے ساتھ آخرت میں کرنے والے ہیں وہ آپ میرا دنیا میں ہی کردیں تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا، سبحان اللہ! اگر آپ اس کی طاقت نہ رکھو یا استطاعت نہ رکھو تو پھر کیا ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ یہ دعا کیوں نہ کی،ربنا أتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار،تو پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا فرمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے شفادے دی۔([811])

(أُولَـئِكَ)یہ اشارہ ہے دوسرے فریق کی طرف اور یہ جملہ دوسرے جملہ(وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ) ([812])کے مقابلہ میں ہے اور اس جملہ کو اسم اشارہ سے تعبیر کیا ہے وہ اس لئے جو صفات اِن لوگوں کی ہیں وہ پہلے بھی گذر چکی ہیں اور وہ حکم سابق کی علت ہیں وجہ ہے کہ یہاں پر عطف کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ نتیجہ ہیں ماقبل کے لئے بھی۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دور کے اشارہ کے لئے ہے کیونکہ اِن کے درجات اور منزلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے دور ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اشارہ دونوں فریقوں کے لیئے ہو اور جو تنوین ہے اللہ تعالیٰ کے قول میں(لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُواْ)پہلی صورت میں یہ تفخیم کے لئے ہے اور دوسری صورت میں تنویع کے لئے ہے۔یعنی کہ ہر ایک کو حصہ ملے گا اس کے اعمال کی بقدر یا اس کی وجہ، یا جو وہ مانگتا

---

[810]۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، صحیح بخاری،کتاب التفسیر،باب قول النبی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ،رقم:6389

[811]۔حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِى حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، صحیح مسلم،کتاب التفسیر،باب فضل الدعاء باللھم آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار رقم:7017

[812]۔سورۃ البقرۃ :200

تھاہم اسے عطا کرتے تھے اس کی بنیاد پر، مِن، یا تو تبعیض کے لئے ہے یا پھر ابتداء کے لئے اور ابتداء میں جو ہوتا ہے وہ تقدیر اصلیت کی وجہ سے تعلیل بن جاتا ہے جبکہ آیت مذکورہ میں تیسری صورت کے لیئے آیا ہے اس قاعدہ کی بنیاد پر وضع الظاہر موضع المضمر لغیر لفظ، سابق کے کیونکہ اس آیت کا مفہوم (رَبَّنَا آتِنَا (813)) یہ دعا ہے نہ کہ کسب لیکن اسے کسب کا نام ہی دیا جاتا ہے کیونکہ اعمال ہیں اور ایک قراءت (مِمَّا اكَتَسَبُوا) بھی پڑھا گیا ہے۔(814)(وَاللهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ) بندوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حساب و کتاب مکمل کریں گے صرف دنیا کے آدھے دن کی مقدار کے برابر وقت میں، اور بعض سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ فواق ناقہ (815) کی مقدار میں حساب کرے گا۔ اور یہ بھی شبہہ ہے کہ قیامت ہو جائے اور لوگوں کا حساب ہونے لگے لہٰذا نیک اعمال اور حسنات کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دو، اور جملہ مذکورہ کا ذیلی جملہ میں یعنی (فاذکروا الله کذکرکم آباء کم) (816) اور محاسبہ کا یہ تو حقیقت میں مراد ہے جیسا کہ اکثر اہل حق کی رائے ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر اس وقت تک دلالت کرتی ہیں جب تک انہیں اپنے اصلی معنیٰ سے نہ پھیرے یا پھر مجازی معنیٰ پر محمول ہے تا کہ اعمال کرنے کا جو علم ضروری ہے وہ حاصل ہو جائے اور اعمال کے بدلے میں ملنے والا اجر ہے اس کی کمیت و کیفیت کا اندازہ ہو جائے یہ مذکورہ بالا مضمون کے حوالے سے بہت ساری آیات ہیں جو ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

تفسیر اشاری۔ (ولیس البر بأن تأتوا) یعنی اپنے دلوں کے گھر میں اور اپنی حواس کی طرف سے اور بدنی معلومات جو کہ ماخوذ ہیں آپ کے مشاعر سے کیونکہ یہ تو دل کا حصہ ہیں جو آپ کے بدن سے ملے ہوئے ہیں (ولٰکن البر من اتقیٰ) یہ تو حواس کا مشغلہ ہے اور نفسانی خیالات ہیں اور نفس امارہ میں آنے والے وساوس ہیں (وأتوا) آجاؤ (البیوت من ابوابها) جو آپ کی روح سے ملے ہوئے ہیں اور اس میں حق ہی داخل ہوتا ہے (واتقوا الله) (817) اپنے تقویٰ کی وجہ سے شاید تم کامیاب ہو جاؤ (وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم) آپ کے نفس کی طاقت کی وجہ سے اور انسان ہونے کے ناطے سے بے شک یہی سب سے بڑا جہاد ہے (ولا تعتدوا) اس کو چھوڑنے اور اس کے لطف اٹھانے میں مت کھڑے ہوں یا یہ کہ جہاد میں حد سے تجاوز مت کرو یہاں تک کہ تمہارا بدن کمزور پڑ جائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں اور عبدیت کے تقاضوں کو بھی پورا نہ

---

813۔ سورۃ البقرۃ:201

814۔حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن محمد بن يحيى ، حدثنا أبو نعيم ، حدثنا الأعمش ، عن مسلم البطين ، عن سعيد بن جبير قال : جاء رجل إلى ابن عباس فقال إني أكريت نفسي إلى الحج واشترطت عليهم أن أحج ، أفيجزيني ذلك ؟ قال أنت ممن قال الله تعالى ( أولئك لهم نصيب مما اكتسبوا ) قال أبو نعيم : هكذا قرأها الأعمش، ابن ابی داود، المصاحف، رقم:165

815۔وہو ما بین الحلبتین من الوقت، او ما بین فتح یدک و قبضہا علی الضرع، القاموس، (فوق)

816 ۔ سورۃ البقرۃ:200

817۔ سورۃ البقرۃ :189

کرسکے۔ فرب مخمصة شرمن التخم، ترجمہ۔ بد ہضمی سے بھوک بہتر ہے[818]( إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ)[819]جو اپنے نفس کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں اور وحدانیت کے سایہ سے بھی تجاوز کرتے ہیں اور وہ انصاف ہے (وَاقْتُلُوْهُم)جہاں بھی انہیں پاؤ تو قتل کردو مطلب یہ ہے کہ اپنی قوت وحواس کو شہوات کی خوشبو سے روک کر رکھو اور خواہشات جہاں بھی ہو(وَاَخْرِجُوْهُمْ)یعنی اپنے دل کی گہرائیوں سے نکال دو جیسا کہ تمہیں مکہ سے نکالا تھااور تمہیں نفس کے حوالے کر دیااور پھر تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان حائل ہو گئے اور ان کا فتنہ عبادت اصنام اور خواہشات کی پیروی کرنااور لذتوں پر عمل کرنا یہ موت سے کم نہیں اور نفس کنڑول کرنے کے لئے بڑی آڑھے اور قتل کرنے سے بھی لڑی رکاوٹ ہے جو کہ مسحور استعداد ہے اور خواہشات کا محور ہے اور مرتب ہوتے ہیں جدائی کے فاصلے اپنی شرافت سے جو غیر متناہی ہے(وَلَا تُقَاتِلُوْہُمْ عِنْدَالْمَسْجِدِالْحَرَامِ)اگر تمہاری توجہ کے موافق ہو جائے تو یہ دل کا حصہ ہے یعنی مقام ہے یہاں تک کہ تمہارے مطالبات میں جھگڑے گا اور تمہیں دین حق سے ہٹائے گا اور دوسروں کی عبادت کے لئے ابھارے گا اگر وہ تم سے جھگڑے تو (فَاقْتُلُوْهُمْ)سچائی کی تلوار سے اور خواہشات کو ابھارے والے مادے کو کاٹ ڈالو(كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ )[820]جو حق کو چھپاتے ہیں(فَاِنِ انْتَهَوْا)یعنی جھگڑا کرنے سے(فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[821] (وَقَا تِلُوْهُمْ)ہمیشہ رعایت کرتے ہوئے اور سچائی کے ساتھ عبودیت کو اختیار کرتے ہوئے(حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ)اس کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نگاہ ہی نہ جائے(وَيَكُونَ الدِّينُ)سارا دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے(لِلهِ)یعنی کہ تمام تر توجہ کو ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف کرنے سے(فَاِنِ انْتَهَوْا فَلاَ عُدْوَانَ )[822] سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو کراس کرتے ہیں۔( الشَّهْرُ الْحَرَامُ) جس میں نفس اپنے حقوق کے لیئے کھڑا ہوتا ہے(بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ)یہ وقت آپ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں حضوری کا ہوتا ہے(وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ) [823] تو تمہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی چاہے حرمت نفس کی وجہ سے(وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ)جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں علوم دیے ہیں ان پر عمل کرکے اور آگے بیان کرے(وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ)افراط و تفریط کا شکار ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو(وَاَحْسِنُوْا)[824]یعنی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کو دیکھ رہے

---

[818]۔ یہ البوصیری شرف الدین محمد بن سعید کا شعر ہے۔اوراس کا پہلا حصہ یہ ہے۔واخْشَ الدسائسَ من جُوعٍ ومن شِبَعٍ،احمد الہاشمی، جواہر الادب، مجمع الحکم والامثال، دار القلم، دمشق، 1399ھ/1979ء، ج1، ص389

[819]۔ سورۃ البقرۃ:190

[820]۔ سورۃ البقرۃ:191

[821]۔ سورۃ البقرۃ: 192

[822]۔ سورۃ البقرۃ:193

[823]۔ سورۃ البقرۃ :194

[824]۔ سورۃ البقرۃ: 195

ہوتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا مشاہدہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (وأتموا الحج) تو صبرِ ذات پر دلالت کرتا ہے اور عمرہ توحیدِ صفات پر تمام کے تمام مقامات واحوال کو پورا کرنے سے (فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ ) نفس کے دشمنوں کو روک خطرناک مرض کی وجہ سے تو تم کوشش کرو کہ تم نفس ھدی کو لے جاؤ اور اپنے ذبح کرو کعبہ کے صحن میں لوگوں کی استعداد مختلف ہونے کی وجہ سے (مَا اسْتَيْسَرَ) فرمایا۔

(وَلاَ تَحْلِقُواْ رُؤُوسَكُمْ) اثار طبیعہ کو زائل مت کرو اور ھدی کو اپنے محل پہنچنے تک تو فراغ خاطر کو اختیار کرو اس طرح سے تم سے بچ جاؤ گے (فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً) یعنی کمزور ہو (أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ) یعنی وہ کسی چیز میں مبتلا ہے اور اس کے لئے ھدی وغیرہ کرنا مشکل ہے تو وہ فدیہ دے اپنے آپ کو لذات اور دیگر مشاغل سے روک کر، یا نیکی کے کام کرکے یا کوئی ریاضت بدنیہ سے جو نفسانی طاقت کو کمزور کردیں (فَإِذَا أَمِنتُمْ) یعنی احصار ہونے کے اسباب سے (فَمَن تَمَتَّعَ) اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کا مزہ چکھ کر اور ان کے ذریعہ سے حج پر جاکر تجلیات ذات کا لطف اٹھایا تو اب اس پر حسب توفیق ھدی واجب ہوگئی ہے (فَمَن لَّمْ يَجِدْ) نفس کی کمزوری کی وجہ سے تو (فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ) وہ ہر اس کام سے روک جائے جو اس کو طاقت ور کرے اور وہی اصول تجلی تھے حج کے وقت، اور استغراق کے ساتھ عقل و وہم میں (وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ) یعنی مقام تفصیل اور کثرت تک، اور وہ حواس خمسہ ظاہرہ ہیں اور جب غصہ آئے اور شہوت ہو تو استقامت پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ) جو افعال عجیبہ کے لیے موجب ہے اور شامل ہے عجیب وغریب قسم کے پوشیدہ رازوں پر (ذَلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) ([825]) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو وہاں پر موجود ہوں ورنہ دوسرے لوگ اس خطاب سے بری ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی سزا کا سامنا ہوگا لیکن جو حج کے لئے پہنچ جائے تو وہ سکھ میں رہے گا (الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ) یہ فانی زندگی کی مدت ہے، یا پھر چالیس سال تک پہنچنا مراد ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (لاَفَا رِضٌ وَّ لاَ بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ) ([826]) ایسے ہی مواقع کے لئے کسی نے کہا ہے کہ: بندہ (صوفی) چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ کم دیکھائی دینا اندھے سے بہتر ہے۔ اور تھوڑا مل جانا بالکل نہ ملنے سے بہتر ہے (فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ) اپنے آپ پر پختہ عزم کرکے (فَلاَ رَفَثَ) تو پھر وہ دنیا اور اس کی خوبصورتی کی طرف مائل بھی نہیں ہوتا (وَلاَ فُسُوقَ) یعنی دل سے غصہ کی کیفیت ختم نہیں ہوتی (وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ) کوئی بھی جھگڑا نہ کیونکہ وہ جگہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی ہے اور سب کچھ اسی کی طرف سے تو ہے اور اگر کوئی جھگڑا کر بھی لے کسی چیز کی وجہ سے تو انہیں چاہیے کہ ایک دوسرے سے اپنے حقوق لے اور دین کسی کا حق نہ رکھیں (وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاَمًا) ([827]) (وَمَا

[825]۔ سورۃ البقرۃ: 196

[826]۔ سورۃ البقرۃ: 68

[827]۔ سورۃ الفرقان: 63

تَفْعَلُواْ)فضیلت کے کاموں میں سے،اور برے کام چھوڑ جو پہلے ذکر ہو چکے ہیں(يَعْلَمْهُ اللّهُ)اللہ تعالیٰ ان پر آپ کو ثواب عنایت فرمائیں گے(وَتَزَوَّدُواْ)نیک فضائل میں(اعمال)اضافہ کرو اور جن گناہوں کے کاموں سے بچنا لازمی ہے اُن سے بچا جائے(فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى)مکمل تقویٰ اختیار کرنا اور دوسری چیزوں سے بچنا(وَاتَّقُونِ يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ)([828]) حالانکہ عقل خالص کا تقاضا تو یہ ہے کہ شکوک وشبہات اور اوہام فاسد سے مکمل طور پر اجتناب کرے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے ممکن ہے۔( لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ)جب تم زیادہ کی طرف لوٹو اور طلب کرو اپنے آپ پر نرمی شریعت کی حد میں رہتے ہوئے اور جب تم عرفات میں اپنے آپ پر قابو پا چکے تھے تو(فَاذْكُرُواْ اللّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)یعنی اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرو پوشیدہ ہونے والے اور اسے روحِ خفی بھی کہتے ہیں۔اور شعر کو مشعر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ خوبصورتی کے شعور کا محل ہے،اور حرام کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ محرم ہیں اس تک پہنچ سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں۔(وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ)ذکر مراتب کے لئے (وَإِن كُنتُم مِّن)یعنی عرفات میں پہنچنے سے پہلے اور اس میں وقوف سے پہلے۔ (لَمِنَ الضَّآلِّينَ) ([829]) طلب دنیا کر کے ان چیزوں کے نام لے لے کر(ثُمَّ أَفِيضُواْ)عبادات کے ظاہر کی طرف(مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ)سارے لوگوں کی طرح اور ان میں سے کسی ایک کی طرح ہو جاؤ کیونکہ نتیجہ یہی ہے کہ ہمیں پہلی حالت میں ہی لوٹنا ہے یا یہ کہ تم بھی افاضہ کرو۔انبیاءؑ کی طرح لوگوں کے حقوق ادا کر کے اور بندوں پر شفقت کر کے اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنا کر اور دین سکھا کر(وَاسْتَغْفِرُواْ اللّهَ )آپ ﷺ اپنے دل کا بھی خطرہ رہتا اور ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے ستر بار توبہ کریں۔([830])اُن کے مقابلے میں آپ کی کیا حیثیت ہے(إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ )([831])،(فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ)جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ(فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءكُمْ)سلوک سے پہلے(أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا )یہی تو مبدأ حقیقی ہے بس جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات چاہتی ہے ویسے ہی ذکر اللہ میں مشغول ہیں(فَمِنَ النَّاسِ)یعنی جو صرف دنیا کو طلب کرنا اور اسی مقصد کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے(وَمَا لَهُ)([832])فنا ہو والے مقام اس کا کوئی حصہ نہیں تھا کیونکہ اس نے اندھیرا ہی اندھیرا کمایا تھا جو نور اور روشنی کے خلاف تھ اور اس کے مقابلہ میں جو دوسرے لوگ تھے جو دنیا و آخرت کے طلب گار تھے اور اندھیرے کو اپنانے والے کاموں سے بچتے تھے اور جلا دینے والی طبیعت کی آگ سے اور جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے(أُولَـئِكَ لَهُمْ

---

[828]۔سورۃالبقرۃ :197

[829]۔سورۃالبقرۃ:198

[830]۔حَدَّثَنَا يُونُسُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً ، مسند امام احمد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، رقم:8493۔حکم حدیث: شعیب الارنوؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[831]۔سورۃالبقرۃ :199

[832]۔سورۃالبقرۃ:200

نَصِیبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ) آخرت میں اور بہت انوار ہیں اور باقی رہنے والی لذات ہیں۔ اور بلند و بالا مقام ہے (وَاللّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ)([833]) (وَاذْكُرُوا اللهَ) یعنی ہر نماز کے بعد اور ذبح کرتے وقت اور رمی الجمار کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو (فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ) یہ ایام تشریق کے تین دن ہیں اور مشہور قول کے مطابق یہی مقبر ہیں اور حضرت علیؓ ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے، ابن ابی حاتمؒ اور ابن عباسؓ سے ایک روایت مروی کہ یوم النحر کے دن کو ملا کر چار دن بن جاتے ہیں۔([834]) اور بعض حضرات نے تخصیص کے لئے اس جملہ سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ جملہ معطوفہ ہے (فَاذْكُرُوا اللهَ) ([835]) گویہ کہ یہ کہا گیا ہوں، فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ، فاء اس میں تعقیب کے لئے ہے جو کہ یومِ النحر کو الگ کرنے کا تقاضا کرتی ہے ایامِ تشریق سے اور جن حضرات نے عطف اور تعقیب کے لئے معتبر ٹھہرایا ہے تو انہوں نے بعض یوم کا اعتبار کیا ہے اور استدلال کیا ہے ابتداء تکبیر کا حلف صلوٰۃ کا ظہر میں یوم النحر کے دن اور دیگر بعض حضرات نے اس کو عموم کے لئے معتبر کیا ہے اور انہوں نے دلیل میں کہا ہے کہ نوافل میں تکبیر کہے تو اس صورت میں وصف ایام معدودات میں اشکال ہوتا ہے کیونکہ (أَيَامًا) یوم کی جمع ہے اور وہ مذکر ہے اور (مَّعْدُودَاتٍ) کی واحد معدودہ آتی ہے اور وہ مؤنث ہے لٰہذا یہ ایام کے لئے صفت کیسے واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی جو ظاہری صورت سنی ہے وہ یہ کہ معدودۃ صفت ہے جمع غیر ذوالعقول کی اور یہ جائز ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ معدودات جمع ہے معدود کی نہ کہ معدودۃ کی، بہت ساری جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں مذکر کی جمع مؤنث آتی ہے جیسے حمامات، سجلات ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یوم کو ساعات کے اعتبار سے مؤنث قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسال اس کو شمار کیا جاتا ہے، اور سنین (سالوں) معدودات ہیں اور یہ جمع حقیقت میں معدودۃ کی ہے اور یہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ (فَمَن تَعَجَّلَ) بھاگنے میں جلدی کی یا پھر منٰی سے نکلنے میں لوگوں نے جلدی کی اور یہ غیر واحد کے ذکر کیا گیا کیوں کہ عجل اور استعجل دونوں ایک ہی معنٰی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے ،تعجل فی الأمر و استعجل ،اور دونوں متعدی ہیں جیسے کہا جاتا ہے اس نے جان میں جلدی کی جبکہ علامہ زمخشریؒ نے اسے مطاوعت کے لئے اوفق قرار دیا ہے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول سے (وَمَن تَأَخَّرَ) جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے۔

قد يدرك المتأني بعض حاجته ... وقد يكون من ( المستعجل ) الزلل([836])

ترجمہ، بعض مرتبہ تمنا کرنے والے کو اپنی حاجات مکمل ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں، اور بعض مرتبہ جلد بازی میں نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

[833] ۔سورۃ البقرۃ:202

[834] ۔ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ:203

[835] ۔سورۃ البقرۃ: 200

[836] ۔یہ القطامی کا شعر ہے، ابوزید القرشی، جمہرۃ اشعار العرب، المکتبۃ الامیریہ، دمشق، س۔ن، ج1، ص19

تمناؤں کی وجہ سے۔([837])اور بعض ارباب تحقیق نے تعدیہ کو ترجیح دی ہے کیونکہ ان امور سے مراد ،العجل، ہے نہ کہ ،التعجل، مطلقا،اور یہ بھی کہا گیاہے کہ فعل لازم تقدیر حرف،فی، کا متقاضی ہوتاہے تواس سے دو حرف جر کا متعلق ہونالازم آتاہے ایک تو مقدر ہےاور دوسرا(فِي يَوْمَيْنِ )میں ہےاور متعلق ہونا بھی ایک فعل کے ساتھ ہےاور یہ جائز نہیں ہے،اور یومان سے مراد یوم القرہےاور یوم الرؤوس اوراس کے بعد والا یوم ہے۔([838])اوراس سے مراد یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جو ایام تشریق کے دوسرے دن غروب سے پہلے اور رمی کے بعد منیٰ سے آجائے تو درست ہے۔ اور ہمارے نزدیک(احناف)جو ایام تشریق کے تیسرے دن طلوع فجر سے پہلے جب رمی سے فارغ ہوکر منیٰ اجائے تو درست ہے ۔اوراس سے پہلے دن جانا جائز نہیں ہے، یومین کو جو ظرف بنایاہے وہ توسع کے لئے ہےاور اس لئے بھی کہ پہلا دن تو تیاری میں لگے گا جہاں تک یہ بات ہے کہ تقدیر فی احد یومین تو یہ مجمل ہےاور یوم ثانی نےاس کی تفسیر کردی، یاپھر آخری دودن میں خروج ہے۔ ( فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ)جلدی کرنے میں (وَمَن تَأَخَّرَ )اور جو جماعت سے پیچھے رہ گیااور تیسرے دن رمی کی زوال سے پہلے یابعد میں تو یہ جواز پر دال ہے احناف کے ہاں جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں صرف رمی زوال کے بعد معتبر ہے(فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ)تاخیر کی وجہ سے ،اوراس سے مراد اختیار ہے کہ جلدی کرلیے یا بعد میں لہٰذا کچھ حرج نہیں، اور اس میں دوسرے کی افضیلت پر کوئی قدح نہیں ہے صاحب الانصاف کے برخلاف۔([839])کیونکہ وہ نفی اثم صراحت کے ساتھ اہل جاہلیت والوں پر رد کرتے ہیں کیونکہ اُن کا طور طریقہ مختلف تھا۔( لِمَنِ اتَّقَى)یہ خبر ہے محذوف کی اور لام یاتو تعلیل کاہے یاپھر اختصاص کاہے یعنی کہ جو پہلے اختیار دیا گیا تھاوہ قرینہ قرب کی وجہ سے اور وہ وجہ متقی مقاتاکہ متقی کو کوئی ضرر نہ ہواس کے مقصد کو پورے کرنے تعجیل اور تاخیر کی وجہ سے کیونکہ شک وشبہات والی چیزوں سے بھی بچنا ہوتاہے، یاپھر یہ احکام حج کے متعلق ہے مطلقاً مخصص قطعی کی پراوہ نہ کرتے ہوئے اگرچہ یہ عام ہے سارے مؤمنین کے لیےاور خاص ہے متقین کے لیے کیونکہ حقیقی طور پر حجاج کرام وہی ہیں اور زیادہ فائدہ اٹھانے والے بھی ہیں اور دونوں صورتوں میں تقویٰ سے مراد ہراُس چیز سے بچناہے جس کرنے سے یا چھوڑدینے انسان گناہ میں مبتلا ہوجائے،اوراس کو صرف شرک کے لئے محمول کرنادرست نہیں ہے کیونکہ یہ ساراخطاب مؤمنین کو ہے،اور بعض حضرات نے اس آیت سے استدلال کیاہے کہ اگر حجاج کرام حج کے فرائض واجبات کواداکرتے وقت محظورات سے بچتے رہے ہیں تواُن کے گناہ سارے کے سارے معاف ہوجاتے ہیں اوراسی طرح حضرت بن عباسؓ سے مروی ہےاور ابن جریرؒ کی روایت بھی یہی ہےاور مزید فرمایا کہ

---

[837] ۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ :203

[838] ۔یوم القرہو نفسہ یوم الرؤوس ہو اول ایام التشریق سمی یوم القر لاستقرارہم فیہ بنمی،ویوم الرؤوس لانہم یاکلون فیہ رؤوس الاضاحی،زمحشری،اساس البلاغۃ،مادہ(راس)۔

[839] ۔ابن منیر،الانصاف فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال،دارصادر،بیروت،س۔ن،سورۃ البقرۃ:203

لوگ اس کی تاؤیل صحیح نہیں کرتے جو کہ بڑی غریب ہے اپنے مکان میں۔([840]) (وَ اتَّقُواْ اللّہَ) تمام اُن امور سے بچو جن کا تعلق عزائم باطلہ سے ہے تاکہ تم بھی شامل ہو اس کو لطف اندوز ہونے والے لوگوں میں عمل کرکے احکام مذکورہ پر، یا پھر اس کا مطلب ہے کہ تمام ان امور سے اجتناب کرو جن کی وجہ سے حج کی امور میں خلل واقع ہو(وَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ) اپنے اعمال کی جزاء کو پانے کے لئے دوبارہ زندہ جانے اور بعثت کے بعد۔اور، حشر، کی اصل تو جمع کرنا ہے اور بکھرے ہوئے جمع کو ملانے کے معنٰی میں ہے اور یہ تاکید، تقویٰ کو اختیار کرنے کی اور اعلیٰ نمونہ سننے کی پس جس کو علم ہو گیا حشر کا، محاسبہ اور جزاء کا تو یہ تقویٰ اختیار کرنے کے لئے سب سے بڑا سبب ہے۔اور اس کو مقدم اس لئے کیا ہے تاکہ کچھ انسیت ہو جائے اور فواصل کو ختم کرنے کے لئے۔

---

[840] ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 203

# فصل سوم

## سورۃ البقرۃ آیت 204 تا 207 کا اُردو ترجمہ، تخریج و تحقیق

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ 204 وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيِهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الفَسَادَ 205 وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ 206 وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ وَاللّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ 207

**ترجمہ۔**اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بنا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔204اور جب پیٹھ پھر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (اور انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے۔اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔205اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہاللہ سے خوف کر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے۔اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔206اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔207۔

(وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ) یہ عطف ہے اللہ تعالیٰ کے قول (فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ) ([841]) خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے احکام حج کا بیان کیا اور اس کے ساتھ لوگوں کی قسمیں بنائیں کہ بعض ذکر کرتے ہیں اور بعض دعا کرتے ہیں مناسک حج میں تو ان میں سے بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر تو اس سب کے بعد تتمہ کے طور پر آخری دو قسمیں منافق اور مخلص کی بھی بیان کر دیتے ہے۔ اور اصل تعجب کی بات انسان کا اعراض کرنا ہے اپنی جہالت کی وجہ سے اور یہ یہاں پر مجاز ہے کیونکہ انسان کے شان تو عظمت و عزت ہے،اور یہاں پر جو اُمر غریب ہے وہ طبائع انسانی کو اچھا لگتا ہے اور اُس کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔اور جہالت کے سبب ہونے کی وجہ سے یہ اپنی حقیقت میں نہیں ہے مطلب کہ فصاحت و حلاوت میں۔اور معنیٰ یہ ہے کہ اُن میں سے بہت کچھ آپ کے دل کو اچھا لگے گا۔(فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) دنیا کے کاموں میں اور اسباب معاش میں ان کا فائدہ چاہیے اس کو حاصل ہو یا نہ ہو،اور یہاں حیاۃ سے مراد یہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے انسان زندہ رہ سکتا ہو۔الحیاۃ یہ اپنے معنیٰ سیاہی ہے،اور ا،س کو ظرف بنایا ہے قول کے لئے اس عنوان کے تحت یعنی،المباحث الفصل الاول فی کذا والکلام فی کذا،اس سے مقصد بھی یہی ہے اور یہاں کچھ حذف نہیں ہے دونوں تقدیروں کے اعتبار سے جیسا کہ بعض کو وہم ہو گیا ہے لہٰذا ظرف یہاں پر مقدر ہو گا جیسا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد میں واضح ہے۔

کہ مومن کی جان کے بدلے میں سو اونٹ دیت ہیں۔([842]) یعنی کہ انسان کو قتل کرنے کے بدلے میں تو یہاں پر قتل دیت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور یہاں پر ظرف مظروف کو بھی شامل ہے اور یہی ہے وہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سببیہ ہے،جیسا

---

[841]۔سورہ البقرۃ:200

[842]۔حدثنا مسلم بن إبراهيم قال ثنا محمد بن راشد ح وثنا هارون بن زيد بن أبي الزرقاء ثنا أبي ثنا محمد بن راشد عن سليمان بن موسى عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قضى أن من قتل خطأ فديته مائة من الإبل ثلاثون بنت مخاض وثلاثون بنت لبون وثلاثون حقة

کہ ،الرضی، میں ہے۔اور اسی کو بعض محققین نے درست قرار دیا ہے،اور مجرور کو ما قبل فعل کے متعلق کرنے کو جائز قرار دیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں فصاحت اور الفاظ مبنی کی وجہ سے اُن کی باتیں آپ کو تعجب میں ڈال دیں گی اور آخرت میں خوف اور زبان کی لکنت کی وجہ سے آپ کو تعجب میں نہیں ڈال سکیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انہیں اُس دن بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ آپ کو تعجب میں ڈال سکیں،اور یہ آیت اخنس بن شریف الثقفی ([843]) کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ سدیؒ نے فرمایا ہے، نبی ﷺ کے پاس مدینہ میں آیا اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا تو حضور ﷺ کو بہت تعجب ہوا اور پھر اخنس ے کہا کہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں تا کہ اسلام قبول کرلو ۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اپنی بات میں سچا ہوں،اور پھر حضور ﷺ کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کے کھیتوں کے قریب سے اس کا گزر ہوا تو اس کو غصہ آیا اور کھیتی کو آگ لگا کر جلا دیا اور اونٹوں کو زخمی کر دیا۔([844]) کہا جاتا ہے کہ یہ آیت سارے منافقین کے لئے عام ہے۔ (وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ)اپنے دعوؤں کے مطابق کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو میرے دل میں اور وہ موافق ہے میری زبان کے، یہ معطوف ہے (يُعْجِبُكَ)اور مصحف ابیؓ میں (وَيَسْتَشْهِدُ اللّٰهُ)اور (وَيُشْهِدُ اللّٰهَ) رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔([845])اس سے مراد یہ ہے کہ جو اس کے دل میں ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی ہوتا ہے۔(وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ) ([846]) کلمہ، علی،مشھود بہ کی مضرت پر دلالت کرتا ہے تو اس صورت میں یہ جملہ اعتراضیہ بن جائے گا۔(وَ هُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ)یعنی باطل میں بھی بہت بڑا اور سخت قسم کا جھگڑا کرتے ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ نے مہلہل ([847]) کے قول سے استشہاد کیا ہے۔کہ

---

وعشرة بني لبون ذكر،سنن ابوداود، تحقیق:ناصر الدین الالبانی،،کتاب الدیات،باب الدیۃ کم ہی،رقم:4541۔حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

[843] ۔ابی بن شریق بن عمرو الثقفی،کنیت ابو ثعلبہ ہے۔فتح مکہ کے دن ایمان لے آیا تھا۔بنو زہرہ کے حلیف تھے۔بنو زہرہ کو غزوہ بدر سے منع کیا تھا اور خود بھی نہیں گئے تھے اس لئے اخنس کہلاتے ہیں۔غزوہ حنین میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔13ھ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔ابن الاثیر،اسد الغابہ،ج1،ص29

[844] ۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:204

[845]۔زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ:204۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:204

[846]۔قرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، سورۃ البقرۃ :204

[847]۔حریث ابن زید الخیل بن مہلہل الطائی زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا۔آپ اور آپ کے بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا۔حضرت حالد بن ولید کے ساتھ مرتدین کے خلاف جنگ میں حصہ بھی لیا تھا۔60ھ/680ء کو وفات پائی۔الزرکلی،الاعلام،ج2،ص 174

إن تحت الحجار حزماً وجورا ... وخصيماً ألد ذا مقلاق ([848])

ترجمہ۔پتھر کے نیچے حزم وجور بھی ہیں اور کم ظرف قسم کے سخت جھگڑالو بھی۔

یہاں پر الد صفت ہے احمر کی طرح جمع ہونے کی وجہ سے ،لد، پر اور مؤنث آنے کی بنا پر ،لداء، نہ کہ افعل التفضیل اور اس کی اضافت ہے صفت ہونے کی وجہ سے اپنے فاعل کی طرف جیسا کہ ، حسن الوجہ ،اسناد مجازی کے لئے ہے اور حضرات نے ،فی، کے معنٰی میں لیا ظرف تقدیری کے لیے تو مطلب ہو گا کہ ،شدید فی المخاصمۃ اور ابو حبان نے خلیلؒ سے نقل کیا ہے کہ ،الد، افعل التفضیل ہے لہٰذا اس کے لئے کوئی تقدیر ہونی چاہیے۔ جیسے (خصامہ الدّ الخصام او الد ذوی الخصام) ([849]) یا پھر ،یجعل، کے معنٰی میں ہے اور راجع ہے خصام کی طرف جو مفہوم مابعد والے کلام سے اور کہا جاتا ہے کہ خصام جمع ہے خصم کی جیسے بحر اور بحار اور صعب وصعاب ہیں۔ مطلب ہے کہ بہت سخت جھگڑالو ہے اور اس میں اضافت اختصاص کے لئے ہے جیسے ،أحسن الناس وجھًا، میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ سخت جھگڑا بہت زیادہ مذموم ہے اور امام بخاریؒ و مسلمؒ نے روایت کی ہے حضرت عائشہؓ سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :اللہ تعالٰی کو بد ترین بندوں میں سے وہ ہے جو سخت جھگڑا لو ہو۔([850]) امام احمدؒ نے ابو الدرداءؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ آپ کے گناہگار ہونے کے لئے کافی ہے کہ آپ ہمیشہ شک کرنے والے ہو اور آپ کے ظالم ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ ہمیشہ جھگڑا کرتے رہتے اور آپ کے کاذب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ ہمیشہ نئی بات کہتے ہے سوائے اللہ تعالٰی کے ذات کے بارے میں۔ ([851])اور سخت جھگڑالو ہونا منافقین کا شیوہ ہے کیونکہ دنیا کو پسند کرتے ہیں اس لئے زیادہ لڑتے ہیں۔ (وَإِذَا تَوَلَّى)یعنی اعراض کیا اور پیٹھ پھیر لی یہ امام حسنؒ نے فرمایا ہے اور امام ضحاکؒ نے فرمایا کہ غالب آجائے اور والی ہو جائے (سَعَى)یعنی جلدی جلدی چلنے لگا اور عمل کیا(فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا) جہاں تک ممکن ہوں گا(وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ)جیسا کہ اخنس نے کیا ہے یا پھر جیسے بُرے لوگ کرتے ہیں قتل کر کے اور ہلاک کر کے ، یا اس ظلم کی وجہ سے جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا تھا کہ اس کی شان یہ ہے کہ قطرے بھرتے ہوئے ہیں ،الْحَرْثَ، کھیتی کو کہتے ہیں اور ،النسل، ہر جاندار شے کو نسل کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے ،نسل ینسل ونسولًا، جب نکل جائے اور دوبارہ گر جائے۔اور اسی پرندے کے پَر اور اونٹ کی اون ہے۔اور بعد میں آنے والے بچے کو نسل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ

---

[848] ۔المبرد، ابو العباس محمد بن یزید المبرد، الکامل فی اللغۃ والادب، دار الفکر العربی، قاہرہ، 1417ھ/1997ء، ج1 ، ص56

[849]۔ابو حیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:204

[850]۔حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللَّهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ ،کتاب التفسیر، باب قول اللہ وھو الد الخصام، صحیح البخاری، رقم:2457

[851] ۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ، سنن نسائی، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم:4523۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔حوالہ مذکورہ۔

بھی باپ کی پیٹھ سے اور ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ لیکن زہریؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں ،حرث، سے مراد عورتیں ہیں اور ،النسل، سے اولاد۔(852) جبکہ صادقؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر ،حرث، سے مراد دین ہے اور ،النسل، سے لوگ مراد ہیں۔ اور اس کی ایک قراءت (وَيُهْلِكَ الْحَرْثُ وَالنَّسْلُ) بھی ہے۔ یعنی رفع کے ساتھ (853)، وہ اس اعتبار سے کہ سب کچھ حرث اور نسل کے لئے ہی ہو رہا ہے۔ اور رفع (سَعَى) پر عطف کرنے کی وجہ سے لائے ہیں ۔ اور حسنؒ نے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یہ ،اَبىَ يَابىَ، کی لغت ہے۔(854)(وَيُهْلِكَ) مبنی للمفعول بھی نقل کیا گیا ہے۔(855) (وَاللّٰہُ لاَ يُحِبُّ الفَسَادَ) یعنی اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں ہے لہٰذا تم اس کے غضب سے بچو، یہ جملہ معترضہ ہے وعید کے طور پر، یہاں صرف فساد پر اکتفاء کیا ہے دوسرے کا سہارا لیتے ہوئے کیونکہ یہاں عطف العام علی خاص ہے۔(856) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ افساد سے پہلے اشیاء میں فساد پیدا کر دیتے ہیں اگر یہی بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیسے فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں ہے کیونکہ کہا جاتا ہے الافساد جیسا کہ حقیقت میں کہا گیا ہے کہ کسی شے کو اپس کی اچھی حالت سے نکال دینا بغیر کسی اچھی غرض کے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ افعال میں نہیں ہے اور نہ ہی اِس کا حکم دیا ہے اور جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے افعال میں کچھ فساد نظر آتا ہے وہ ہمارے اعتبار سے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے تو ساری صلاح اور بہتری ہے۔ اور جہاں تک بات ہے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دینے کی تو وہ بھی انسانوں کی بھلائی کے لئے ہے جو کہ اس دنیا کی رونق ہیں، اور اُن کو موت دینا یہ تو حیاۃِ اصلی کے اسباب میں سے ایک ہے اور لوٹ جانا ہے اپنے وطن اصلی کی طرف اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لہٰذا دوبارہ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰہ) آپ کے فعل میں (أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ) یعنی اِس کا احاطہ کر لیا ہے اور ارد گرد کو شامل کر لیا ہے، در حقیقت ،العزۃ، ذلت کے خلاف ہے اور مراد اس سے مانوسیت اور حمایت ہے مجاز کے طور پر (بِالإِثْمِ) انس کو اپنے ساتھ لئے پھرنا یا پھر پہلے گناہ کی وجہ سے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اخذ کو بمعنیٰ اسر کے لیا جائے اور اسی سے ہے ،الاخیذ للأسیر ،یعنی جاہلیت کی عزت نے اسے گناہ میں اسیر کر رکھا ہے اور اُس سے کوئی چھٹکارا بھی نہیں ہے (فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ) یہ مبتدا اور خبر ہیں مطلب یہ کہ جہنم اُن کے لئے کافی ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم ،حسبہ، کے لئے فاعل ہے قائم مقام خبر کے اور وہ مصدر ہے بمعنیٰ فاعل کے اور اسی پر اعتماد کیا کیونکہ ،فاء، رابطہ کے طور پر ہے پہلے جملے کے ساتھ اور بعض نے کہا ہے کہ حسب اسم ہے فعل ماضی کا اور ،کفی، کے معنیٰ میں ہے لیکن اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے اور جہنم یہ نام ہے سزا والی جگہ کا، یا جہنم میں ایک طبقہ کا نام ہے اور یہ ممنوع الصرف ہے

---

852۔ الطبرسی، ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی،، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، 1415ھ/1995ء، سورۃ البقرۃ:205

853۔ الفیومی، القراءات الشاذہ، ص13۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:205

854۔ ابن جنی، المحتسب، ج 1، ص121۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ :205

855۔ زمخشری، تفسیر کشاف، سورۃ البقرۃ:205۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:205

856۔ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ :205

علمیت اور تانیث کی وجہ سے یہ صرف کے اضافے کی وجہ ملحق ہے خماسی کے ساتھ اور بروزن ،فعلل، ہے۔ اور ،البحر، میں ہے کہ یہ اُن کے قول ،رَكِيّةٌ جَهْنَامَ، سے مشتق ہے۔ جو عمیق اور گہرا گھڑا ہو۔ اور دونوں جہم سے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے کراہت اور اس کا وزن ہے فعنل (857) اور اُن لوگوں کی بات کی طرف کان نہیں دھریں گے جو کہتے ہیں کہ اس کا وزن فعنلل ہے۔ عرندس کی طرح ۔(858) اور فعنلا منقود ہے، فعنل، کے وجود ہونے کی وجہ سے جیسے ،دونک، اور ،خفتک، وغیرہ ہیں۔(859) اور کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں فارسی کا لفظ ہے بعد میں اس کو معرب کیا گیا ہے اور کاف کو جیم سے بدل دیا اور الف کو ساقط کر دیا اس طرح سے یہ ممنوع من الضرف علمیت اور عجمہ کی وجہ سے ہوا ہے۔(وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) یہ جواب قسم ہے متعدد کے لئے اور جو مخصوص بالذم ہے وہ اپنے ظہور اور تعین کی وجہ سے محذوف ہے اور مھاد بستر کو کہتے ہیں، اور یہ بھی ہے کہ جو وطنی کرتے ہیں جنایت کے لئے اور اس طرح سے تعبیر صرف اور صرف تہکم کے لئے کیا ہے اور آیت کریمہ میں اس آدمی کی بُرائی کا بیان کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو وہ عضو کرتا ہے اسی وجہ سے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ: جب خصم قاضی سے کہے کہ انصاف کرو تو قاضی کو چاہیے کہ اسے تعزیز لگوائے، اور جب قاضی سے کہے کہ ،اتق اللہ، تو پھر تعزیر نہ لگائے ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ سب سے بڑا گناہ تو یہ ہے کہ بندہ اپنے بھائی سے کہے ،اتق اللہ، اللہ سے ڈرو! تو بھائی جواب میں کہے کہ آپ اپنے نفس کی حفاظت کرو۔(860) (وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ) یعنی اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرکے اپنی جان کا سودا کرلیتا ہے اور ابن عباسؓ اور ضحاکؒ نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت سریۃ الرجیع کے موقع پر نازل ہوئی تھی، یا پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے نازل ہوئی تھی جیسا کہ ابن جریرؒ نے خلیلؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی یہ تلاوت کرتے ہوئے سنا تو واپس لوٹ آئے اور آدمی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آدمی امر بالمعروف کرتا ہے اور نہی عن المنکر تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے(861)(ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ) اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرنے کے لئے ابتغاء مفعول لہ ہے اور مرضات مصدر ہے اس کی بناء ،تاء، پر ہے جیسے ،مدعاۃ، ہے لیکن قیاس اس سے خالی کرنے کا ہے۔(862) لیکن مصاحف میں

---

857۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ :206

858۔ایضاً

859۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرہ:206۔الحلبی، تفسیر الدر المصون، سورۃ البقرۃ :206

860 ۔أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس هو الأصم ثنا محمد ابن إسحاق ثنا أبو جعفر بن الأصبهاني ثنا أبو معاوية عن الأعمش عن إبراهيم التيمي عن الحارث بن سويد عن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم :إن أحب الكلام إلى الله :سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالى جدك و لا إله غيرك:وإن أبغض الكلام إلى الله عز و جل أن يقول الرجل للرجل:اتق الله فيقول :عليك بنفسك ،البیہقی، شعب الایمان، تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم:630۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

861۔ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ:207

862۔ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، سورۃ البقرۃ:207

،تاء، کے ساتھ ہے۔ اور اس پر وقف تاء اور ہاء کے ساتھ کیا جاتا ہے۔(863) اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت صہیب الرومیؓ (864) کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ حضرت صہیبؓ ہجرت کر کے آپ ﷺ کی طرف آرہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا تو حضرت اپنے اونٹ سے اُترے اور جتنے تیر تھے سارے نکالیے اور پھر اپنی کمان کو پکڑا اور قریش کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اے قریش والو آپ جانتے ہو کہ تم سب سے زیادہ ماہر تیر انداز ہوں اور اللہ کی قسم! جب تک میری کمان میں تیر ہیں میں مارتا رہوں گا اور تم میرے تک نہیں پہنچ سکتے اور سب تمہیں تلوار سے اور جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس سے ماروں گا، پھر اس کے بعد جو تم چاہو کرنا، تو قریش نے کہا کہ بس آپ ہمیں اپنے مال اور مکہ میں جو گھر ہے اس کا پتہ بتادو تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، تو جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ، یا ابا یحییٰ آپ کا سودا نفع بخش ہے۔(865) اور پھر یہ والا آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ لہٰذا کبھی کبھی، شراء، اشتراء کے معنٰی میں بھی ہوتا ہے اور صاحب ،الکواشی، نے فرمایا ہے۔ کہ یہ آیت حضرت زبیر بن عوامؓ (866) اور ان کے صاحب مقداد بن اسودؓ (867) کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ، خبیبؓ کو پھانسی کے پھندے سے کون

---

863۔ابو عمرو والدانی، التیسیر فی القراءات السبع ،ان الکسائی وقف علیہا بالھاء والباقین بالتاء اتباعاً لخط المصحف، ص60

864 ۔ صہیب بن سنان بن مالک جلیل القدر صحابی ہے۔ آپ کی قوم فرات کے ساحلی شہر موصل میں رہائش پذیر تھی۔ 23ق ھ/592ء کو موصل میں پیدا ہوئے۔ رومیوں نے انہیں بچپن میں غلام بنایا۔ آپ ان کے درمیان رہنے لگے زبان میں لکنت کا شکار ہوئے۔ بنو کلب کے ایک شخص نے انہیں خرید کر مکہ معظمہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروحت کیا۔ جس نے انہیں بعد میں آزاد کر دیا۔ مدینہ منورہ میں 38ھ/659ء کو وفات پائی۔ ابن زیدان، تاریخ دمشق الکبیر، ج6، ص446

865۔أخبرنا عفان بن مسلم وسليمان بن حرب وموسى بن إسماعيل قالوا: أخبرنا حماد بن زيد قال: أخبرني علي بن زيد عن سعيد بن المسيب قال:أقبل صهيب مهاجرا نحو المدينة واتبعه نفر من قريش فنزل عن راحلته وانتشل ما في كنانته ثم قال:يا معشر قريش لقد علمتم أني من أرماكم رجلا،وايم الله لا تصلون إلي حتى أرمي بكل سهم معي في كنانتي ثم أضربكم بسيفي ما بقي في يدي منه شيء،فافعلوا ما شئتم،فإن شئتم دللتكم على مالي وخليتم سبيلي، قالوا: نعم،ففعل فلما قدم على النبي،صلى الله عليه وسلم، قال: ربح البيع أبا يحيى،ربح البيع، قال ونزلت: ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضاة الله والله رؤوف بالعباد.
ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری تحقیق: ناصر الدین الالبانی،، دار صادر، بیروت، 1388ھ/1968ء،، ج3 ،ص 228۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

866 ۔ زبیر بن عوام بن خویلد اسدی قرشی ابو عبداللہ دلیر اور شجاع صحابی تھے اسلام میں سب سے پہلے آپ نے تلوار اٹھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد تھے۔ 28ق ہ/594ء کو پیدا ہوئے تھے۔ 12 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا بدر، احد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ 36ھ/656ء کو جنگ جمل میں ابن جرموز کے ہاتھوں شہادت پائی۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج2، ص155، ترجمہ، 1732

867 ۔ مقداد بن عمرو بن الاسود سے پہچانے جاتے ہیں۔ سابقون اولوں میں سے ہیں کنیت ابو عمرو اور ابو عبد تھی۔ ان سات لوگوں میں شامل ہے جنہوں اسلام ظاہر کرنے میں پہل کیا تھا۔ 37ق ھ/587ء کو پیدا ہوئے۔ جاہلیت میں آپ رہائش حضر موت میں تھی وہاں شمر بن حجر کندی سے

اتارے گا تو اس کے لیے جنت ہے، تو حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں اور مقدادؓ۔ حضرت خبیبؓ کو اہل مکہ نے پھانسی دی تھی۔ ([868])اور بعض امامیہ نے کہاہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ کے بارے نازل ہوئی ہے، جب آپ حضور ﷺ کے بستر پر لیٹے تھے اور حضور ﷺ غار کی طرف گئے تھے۔۔(وَ اللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ)یعنی مومنین کو ہدایت دے کر اس چیز کی طرف جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا تھی۔اور ہمیشہ کی نعمتیں ان کے اعمال کے بدلے میں دے دیں روز بے شمار ثواب عطا کیا اُن کی خرید وفروخت کے بدلے میں یعنی جو انہوں نے اپنی جانوں کے سودا کیے اللہ کی رضا کے لیے۔

---

لڑائی ہوئی اور مکہ معظمہ آئے جہاں پر اسود ابن عبد یعوث نے انہیں اپنا متبنی بنایا۔ غزوہ بدر اور اکثر غزوات میں حاضر رہے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ 33ھ/653ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج4، ص339، ترجمہ، 5078

[868]۔ الثعالبی، ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد الثعالبی، جواہر الحسان فی تفسیر القرآن، سورۃ البقرہ : 207۔ البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی، معالم التنزیل، سورۃ البقرۃ: 207

# فصل چہارم

## سورۃالبقرۃ آیت 208تا210کااُردوترجمہ،

## تخریج وتحقیق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ 208 فَإِن زَلَلْتُمْ مِّن بَعْدِ مَا جَاءتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ 209 هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ وَقُضِيَ الأَمْرُ وَإِلَى اللّهِ تُرْجَعُ الأمُورُ 210

**ترجمہ**۔ مومنوں اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔208 پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔209 کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے۔ اور سب کاموں کو رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔210۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ اوران کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جب یہ حضرات حضور ﷺ پر ایمان لائے اور شریعت محمدی اور موسیٰؑ کی شریعت پر تو یہ حضرات یوم السبت کی تنظیم کرتے اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے کراہت کرتے تھے اسلام کو اپنانے کے بعد، تو مسلمانوں نے اس کو بُرا محسوس کیا تو انہوں نے کہا کہ ،إنا نقوى علىٰ هٰذا و هٰذا، تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے بس ہمیں چھوڑ دو ہم اسی پر عمل کرتے ہیں تو اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ([869]) لیکن یہ خطاب اہل کتاب کو ہے ،اور ، سلم ،اسلام کے معنیٰ میں ہے اور ، کافۃ، کف کی صفت ہے منع کے معنیٰ میں یہ جملے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ اجزاء کو بکھرنے سے مانع ہے ،اور ،تاء،اس میں تانیث کے لیے ہے یا پھر اس کو وصفیت سے اسم کی طرف نقل کرنے کے لئے ہے جیسے عامۃ وخاصۃ وفاطبۃ ہے۔ یا پھر مبالغہ کے لئے ہے علامہ طیبیؒ پہلا قول اختیار کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ آخری دونوں کا قول کرنا، خروج عن الاصل ، ہے بغیر صورت کے۔ اور جو اس میں شمول مستفاد ہے وہ شمول کل ہے اجزاء کے لئے نہ کہ کلی اپنے جزئیات کے لئے اور اس سے عام نہیں ہے ،اور صرف عاقل کی اس کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں ہے ،اور نہ ہی حال ہے اور نہ ہی نکرہ ابن ہشامؒ ([870]) کے خلاف کرتے ہوئے۔ ([871]) اور ابن ہشامؒ کے پاس اس کے لئے کوئی ثبوت بھی نہیں ہے اور یہ حال ہے ضمیر (ادْخُلُواْ) سے تو مطلب یہ ہوا کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور ظاہر و باطن مت چھوڑ والا یہ کہ اسلام اُن کا بھی احاطہ کر لیتا ہے اور دوسرے شرائع کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ

---

[869] ۔الواحدی،اسباب النزول، ص59

[870] ۔ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن احمد بن ہشام الانصاری قاہرہ میں 708ھ/1309ء کو پیدا ہوئے عربی ادب، علم نحو، علم بلاغت، علم فقہ اور علم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ابتدائی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ اور 761ھ/1360ء کو مصر جمعہ کی رات میں وفات پائی ۔الزرکلی،الاعلام، ج4، ص147۔ابن حجر،الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنہ ، ج5، ص144

[871] ۔ابن ہشام، ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن احمد بن ہشام، مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب، دار الفکر، بیروت، 1405ھ/1985ء، ج1 ، ص 733

خطاب منافقین کو ہے اور ،السلم ،استسلام اور اطاعت کے معنٰی میں ہے اور یہی اس کی اصل ہے اور ،کافۃ، ضمیر سے حال بھی ہے تو معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کر لو اور اس کی اطاعت کرو، اور نفاق کو چھوڑ دو اور ظاہر و باطن طور پر ایمان لے آؤ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ خطاب اُن کفار اہل کتاب کو ہے جو اپنے شریعت پر ایمان لانے کے دعوی دار ہیں ،السلم، سے مراد ساری کی ساری شرائع ہیں خاص کو ذکر کر کے مراد عام ہے اس قول پر بناء کرتے ہوئے کہ اسلام صرف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے اور ،لام، کو استغراق پر محمول کیا ہے اور (كَاَفَّةً) حال ہے (السِّلْمِ) سے تو معنٰی یہ ہوا کہ اے ایمان والو! ساری شریعتوں میں سے ایک شریعت میں داخل ہو جاؤ اور اُن میں تفرقہ بازی مت کرو، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خطاب خاص طور پر مسلمانوں کو ہے، اور ،السلم، سے مراد اسلام کے دیگر شعبے ہیں اور كَاَفَّةً ،السِّلْمِ ،سے حال ہے تو معنٰی یہ ہوا کہ مسلمانوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اسلام کے شعبوں میں داخل ہو جاؤ اور ایک بھی حکم کو مت چھوڑنا اسی اعتبار سے امام زجاجؒ نے فرمایا ہے کہ السلم سے مراد اسلام ہے اور اس سے مقصد ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنا ہے۔([872]) اور ثبات علی الاسلام میں دخول کے ساتھ تعبیر کرنا بڑی دور کی تعبیر ہے یہ سولہ احتمالات ہیں جن کو محققین کے اختیار کیا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ دو احتمال (السِّلْمِ) میں ہیں اور (كَاَفَّةً) میں بھی اور باقی خطاب ہیں اور ان کی بنیاد دو باتوں پر ہے آیت کہ (كَاَفَّةً) احاطہ اجزاء کے لئے ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا فائدہ کلام کو مقید کرنا ہے جیسا کہ بلغاء کے ہاں ثابت ہے۔ اور حضرت شیخؒ نے بھی ،دلائل الاعجاز، میں فرمایا ہے۔([873]) اور جب ضمائر سے احتمال حالیہ کو معتبر کہا جائے تو ظاہر بھی ساتھ ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ۔ خرجت بها نمشي تجر وراءنا ... على أثرينا ذيل مرط مرحل

ترجمہ۔ میں اس کو ایسے حال میں لے کر نکلا کہ وہ چل رہی تھی اور ہم دونوں کے نشانات قدم پر ہمارے پیچھے منقش چادر کے دامن کو کھینچ رہی تھی۔ ([874])

احتمالات کی تعداد چوبیس تک جا پہنچی ہے کچھ پتہ نہیں کہ سبب النزول کے اعتبار سے اوفق کونسا ہے۔ ابن کثیرؒ، نافعؒ اور نسائیؒ نے ،السلم، کو سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے کسرہ سے۔([875]) اور یہی دو لغات مشہور ہیں اور امام اعمشؒ نے سین اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔([876]) (وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ) جس چیز کا آپ نے حکم دیا ہے اس کی مخالفت کر کے، یا پھر تمہارے درمیان اختلاف ڈال کر یا پھر شرائع میں تفرقہ ڈال کر اور شعب میں بھی (إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ) عداوت میں ظاہر ہے یا پھر اس کا مظہر ہے اور نہی اور انتہاء کی علت ہے۔ (فَإِن زَلَلْتُمْ) یعنی اسلام میں داخل ہونے سے

---

872۔ زجاج، معانی القرآن، سورۃ البقرۃ :208

873۔ البغدادی، ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن محمد بغدادی، دلائل الاعجاز، مکتبہ الخانجی، مصر، 1421ھ/2000ء، ص191

874۔ امرؤالقیس، امرؤالقیس بن حجر بن الحارث الکندی۔ دیوان امرؤالقیس، دارالمعرفہ، بیروت، 1425ھ/2004ء، ص38

875۔ ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءت السبع ، ص80۔ ابن الجزری، النشر فی القراءت العشر، ج2، ص227

876 ۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، سورۃ البقرۃ:208

تم ملال میں پڑھ جاؤاور پیچھے ہٹ جاؤاور اس کی اصل مسقوط ہے اور مراد مجاز لیا گیا ہے (مِّن بَعْدِ مَاجَاءتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ) یعنی ظاہری دلائل جو حق پر دال ہیں، یا آیت کتاب جو موجب دخول ہے (فَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ عَزِيزٌ) تمہارا انتقام لینا بھی اس کو عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ذات غالب ہے (حَكِيمٌ) مجرمین کی پکڑ کرنے میں اپنی حکمت کے تقاضے کے خلاف نہیں کرتا۔(هَلْ يَنظُرُونَ) استفہام نفی کے معنیٰ میں ہے اور ضمیر موصول سابق کے لئے ہے اگر اس سے مراد منافقین کو لیا جائے یا اہل کتاب ، یا پھر (مَن يُعْجِبُكَ )(877) ہے اگر اہل کتاب کے مومنین یا مسلمین مراد لیں (إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ) اللہ تعالیٰ ہی اس شان کے لائق ہیں جو تمام تر مشابھات اور ممکنات کی تقید صفات سے بری ہے (فِي ظُلَلٍ) یہ جمع ہے ظلۃ کی جسے قلۃ اور قلل ہیں اور مراد ہے: جس نے تمہیں سایہ دیا۔ اور (ظِلاَل) میں ایک قراءت بھی ہے قلال کی طرح ہے۔(878)(مِّنَ الْغَمَامِ) بادل یا اِن سے بھی زیادہ مفید (وَ الْمَلآئِكَةُ) آتے ہیں (وَ الْمَلآئِكَةُ) جر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے عطف کرتے ہوئے (ظُلَلٍ) پر یا پھر (الْغَمَامِ) پر۔(879) اور اس سے مراد ملائکہ کے ساتھ ہے۔ ابن مردویہؒ نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سب اولیں اور آخرین کو جمع کرے گا معلوم دن میں سب کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہوں گی اور اسمان کی طرف قضاء کے لئے دیکھ رہے ہونگے۔ اسی لمحہ میں اللہ تعالیٰ عرش سے کرسی پر نازل ہوں گے۔(880) ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اتریں گے تو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کا، ظلمت کا، پانی کا اور اسی لمحہ میں پانی کی آواز آئے گی جس کی وجہ سے دل منہ کو آئیں گے۔ (881) اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: بادلوں میں دھاڑیں ہوں گی جن میں سے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی جماعتوں کے ساتھ آئیں گے۔(882) اور حضرت ابیؓ نے اس کو (إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ وَ الْمَلآئِكَةُ فِي ظُلَلٍ ) پڑھا ہے (883) اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس قسم کی مثالوں

---

877۔ سورۃ البقرۃ :204

878۔ الفیومی، القراءات الشاذہ، ص13۔ ابن جنی، المحتسب، ج1 ،ص122

879۔ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج 2، ص227

880۔ حدثنا محمد بن النضر الأزدي وعبدالله بن أحمد بن حنبل والحضرمي قالوا ثنا إسماعيل بن عبيد بن أبي كريمة الحراني ثنا محمد بن سلمة الحراني عن أبي عبد الرحيم عن زيد بن أبي أنيسة عن المنهال بن عمرو عن أبي عبيدة بن عبد الله عن مسروق بن الأجدع ثنا عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يجمع الله الأولين والآخرين لميقات يوم معلوم قياماأربعين سنة شاخصة أبصارهم إلى السماء ينتظرون فصل القضاء قال وينزل الله عزوجل في ظلل من الغمام من العرش ،طبرانی، المعجم الکبیر تحقیق: ناصر الدین الالبانی، رقم: 9763۔ حکم حدیث: شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حوالہ مذکورہ۔

881۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ : 210۔ ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ البقرۃ :210

882 ۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ :210

883۔ ابن جریر، تفسیر طبری، سورۃ البقرۃ: 210۔ فراء، معانی القرآن، سورۃ البقرۃ:210

کو تشابہات کا حصہ بنایاہے اور بعض نے کہاہے کہ اس آیت میں اسناد مجازی ہے تواس سے مراد ہوگا کہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آتاہے اور یہاں پر مفعول محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پاس آتے ہیں۔اپنی طاقت کے ساتھ اور ،مأتی بہ، کو محذوف کردیاہے واضح دلالت ہونے کی بنیاد پر(أَنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) ([884]) کیونکہ عزت اور حکمت حق پر انتقام لینے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ انتقام عذاب ہے اور ملائکہ کو خاص طور اس لئے ذکر کیاہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم لانے میں واسطہ ہیں یا پھر خود ہی حقیقت میں آجاتے ہیں تو اس طور اللہ تعالیٰ کا ذکر اُن کے ذکر کے لئے تمہید ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (يُخَادِعُونَ اللهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا)([885]) یہ ایک اعتبار سے ہے اور ،غمام، کو خاص کیاہے عذاب کے لئے کیونکہ غمام ہی سے رحمت آتی ہے (یعنی بادل)اور اگر وہاں سے عذاب آجائے تو وہ بربادی کرتاہے کیونکہ اگر وہاں سے آئے جہاں انسان کا وہم وگمان بھی نہ ہو تو وہ بہت مشکل ہوتا ہے اور برداشت کے قابل نہیں ہوتا،اور اگر یہی عذاب وہاں سے آئے جہاں سے ہمیشہ رحمت کی بارش ہوتی رہی ہے تو یہ اور بھی زیادہ تکلیف دے ہے ،اور یہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں اور جو چاہیں اور جیسے چاہیں اپنی قدرت کا مظاہرہ کرسکتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ہر حال میں باقی رہنے والے ہیں اور تمام تر اطلاقات، تعدد اور قیودات سے منزہ ہیں،اور اپنی ذات میں بھی اکیلے ہیں کوئی اُن کا ساتھی نہیں ہے جیسا کہ اکثر ائمہ اور ارباب امت کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ صوفیاء کرام کے اسرار کو محفوظ رکھے وہ ان تکلفات میں اور تاویلات میں نہیں پڑے۔(وَقُضِيَ الأَمْرُ) بندوں کا معاملہ اور ان کا حساب وکتاب مکمل ہوا۔اور فرمانبرداروں کو ثواب اور بدلے میں جنت ملی اور گناہ گاروں کو جہنم اور اس میں عذاب الٰہی ملا۔اور ان کو ہلاک کرنے کا معاملہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچا،یہ عطف ہے (هَلْ يَنظُرُونَ) پر کیونکہ یہ خبر ہے اور ماضی کو مستقبل کی جگہ پر رکھا گیاہے اس کے قرب اور وقوع میں یقین ہونے کی وجہ سے اور حضرت معاذؓ نے اس کو(وَقُضَاءُ الأَمْرُ) پڑھا ہے۔([886])(الْمَلآئِكَةُ) پر عطف کرتے ہوئے۔ (وَإِلَى اللهِ تُرْجَعُ الأمُورُ) یہ تاکید کا ذیلی بیان ہے گو کہ یوں کہا گیاہے کہ ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا ہے اور اس میں خاص طور پر حساب وکتاب ہے اور ہلاکت کے امور ہیں اور یہ حضرت معاذؓ کی قراءت میں (هَلْ يَنظُرُونَ) پر عطف ہے۔یعنی وہ صرف آنے کو ہی دیکھ سکتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اور نافعؒ ابن کثیرؒ،ابو عمروؒ اور عاصمؒ نے بھی ایسا ہی پڑھاہے۔ تُرْجَعُ ,مبنی علی المفعول ہے کیونکہ یہ رجع کے معنیٰ میں ہے۔([887])اور باقی حضرات نے مبنی علی الفا

[884]۔سورۃالبقرۃ: 209

[885]۔سورہالبقرۃ:9

[886]۔ الفیومی،القراءات الشاذہ،ص13

[887]۔ابو عمرو الدانی،التیسیر فی القراءات السبع ،ص80۔ابن الجزری،النشر فی القراءات العشر،ج2،ص208

علی تانیث کے ساتھ پڑھا ہے۔ سوائے امام یعقوبؒ کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ رجوع سے ہے۔([888])اور یہ مبنی علی المفعول کی وجہ سے مذکر کے لیے بھی پڑھا گیا ہے۔([889])

[888]۔ابو عمرو الدانی، التیسیر فی القراءات السبع ، ص80۔ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ج2، ص208

[889] ۔الفیومی، القرءات الشاذہ، ص13

# فصل پنجم

## تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن قرطبیؒ اور تفسیر مظہری کے فقہی احکام میں تقابلی جائزہ

آیت196۔علامہ جصاصؒ آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے کہ عمرہ واجب ہے یا سنت۔اس میں فقہاء کرام کے اقوال تفصیلاً بیان کئے ہیں۔([890])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔کہ کیا حاجی قارن پر دم شکر واجب ہے۔یا نہیں۔ام میں وجوب کا قول کیا ہے اور فریق ثانی کی تردید کی ہے۔([891])

آیت مبارکہ میں ،ھدی، کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([892])

آیت مبارکہ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔کہ دم ھدایا میں شرکت جائز ہے یا نہیں۔اس میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([893])

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ محصر ھدی کہاں پر ذبح کرے گا۔اس میں صحابہ کرام کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([894])

---

890 ۔ وقد اختلف السلف في وجوب العمرة فروي عن عبدالله بن مسعود وإبراهيم النخعي والشعبي أنها تطوع وقال مجاهد في قوله وأتموا الحج والعمرة لله قال ما أمرنا به فيهما وقالت عائشة وابن عباس وابن عمروالحسن وابن سيرين هي واجبةقال أبو بكر ولا دلالة في الآية على وجوبها،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :196

891۔واحتج أيضا بوجوب الدم على القارن ولم يبين منه وجه الدلالة على الوجوب ولكن ادعى دعوى عارية من البرهان ومع ذلك فإنه منتقض لأنه لو قرن حجة فريضة مع عمرة تطوع لكان عليه دم فكذلك لو جمع بينهما وهما نافلتان لوجب الدم ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:196

892۔قال أبو بكر قد اختلف السلف في ذلك فروى عن عائشة وابن عمر أنهما قالا لا يكون الهدي إلا من الإبل والبقر وقال ابن عباس شاة واختلف فقهاء الأمصار فيه فقال أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وزفر ومالك والشافعي الهدي من الأصناف الثلاثة الإبل والبقر والغنم وهو قول ابن شبرمة قال ابن شبرمة والبدن من الإبل خاصة وقال أصحابنا والشافعي من الإبل والبقر واختلفوا في السن فقال أصحابنا والشافعي لا يجز في الهدي من الإبل والبقر والغنم إلا الثنى فصاعدا إلا الجذع من الضأن فإنه يجزى و قال مالك لا يجزي من الهدي إلا الثني فصاعدا وقال الأوزاعي يهدى الذكور من الإبل ويجوز الجذع من الإبل والبقر ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:196

893۔وقد اختلفوا في جواز الشركة في دم الهدايا الواجبة فقال أصحابنا والشافعي تجوز البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة وقال مالك يجوز ذلك في التطوع ولا يجزى في الواجب وروى جابر عن النبي ص - أنه جعل يوم الحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة وتلك كانت واجبة لأنها كانت عن إحصار ولما اتفقوا على جوازها عن سبعة في التطوع كان الواجب مثله لأنهما لا يختلفان في الجواز في سائر الوجوه ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ :196

894۔واختلف السلف في المحل ما هو فقال عبدالله بن مسعود وابن عباس وعطاء وطاوس ومجاهد والحسن وابن سيرين هو الحرم وهو قول أصحابنا والثوري وقال مالك والشافعي محله الموضع الذي أحصرفيه فيذبحه ويحل ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:196

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ آیا محصر پر حلق ہے یا نہیں۔اس میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔([895])

آیت مبارکہ میں حج کے تینوں اقسام بیان کی ہے اور اس میں افضیلت کے حوالے مختلف اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔([896])

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں میقات حج اور عمرہ کی وضاحت کی ہے۔([897])

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ اگر کسی نے میقات سے پہلے احرام باندھاتواس کا کیا حکم ہے۔([898])

آیت مبارکہ میں بعض قراءت کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔اور اس سے مختلف احکام ثابت کئے ہیں۔([899])

---

[895]۔ ولم يختلف أهل العلم ممن أباح الإحلال بالهدي أن ذبح هدي العمرة غير موقت وأن له أن يذبحه متى شاء ويحل وقد كان النبي ص - وأصحابه محصرين بالحديبية وكانوا محرمين بالعمرة فحلوا منها بعد الذبح وكان ذلك في ذي القعدة واختلفوا في هدي الإحصار في الحج فقال أبو حنيفة ومالك والشافعي له أن يذبحه متى شاء ويحل قبل يوم النحر وقال أبو يوسف والثوري ومحمد لا يذبح قبل يوم النحر وظاهر قوله فما استيسر من الهدي يقتضي جوازه غير موقت وفي إثبات التوقيت تخصيص اللفظ وذلك غير جائز إلا بدليل ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:196

[896]۔وبين الفقهاء خلاف في الأفضل من إفراد كل واحد منهما أو القران أو التمتع فقال أصحابنا القران أفضل ثم التمتع ثم الإفراد وقال الشافعي الإفراد أفضل والقران والتمتع حسنان وقد روى عبيدالله عن نافع عن ابن عمر لأن اعتمر في شوال أو في ذي القعدة أو في ذي الحجة في شهر يجب علي فيه الهدي أحب إلي من أن أعتمر في شهر لا يجب علي فيه الهدي ،جصاص،احکام القرآن،سورۃ البقرۃ:196

[897]۔ روى الأئمة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة ، ولأهل الشام الجحفة،ولأهل نجد قرن،ولأهل اليمن يلملم،هن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن أراد الحج والعمرة.ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ ،حتى أهل مكة من مكة يهلون منها.وأجمع أهل العلم على القول بظاهر هذا الحديث واستعماله،لا يخالفون شيئا منه.واختلفوا في ميقات أهل العراق وفيمن وقته،فروى أبو داود والترمذي عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المشرق العقيق ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

[898]۔ أجمع أهل العلم على أن من أحرم قبل أن يأتي الميقات أنه محرم،وإنما منع من ذلك من رأى الإحرام عند الميقات أفضل،كراهية أن يضيق المرء على نفسه ما قد وسع الله عليه،وأن يتعرض بما لا يؤمن أن يحدث في إحرامه وكلهم ألزمه الإحرام إذا فعل ذلك لأنه زاد ولم ينقص ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

[899]۔ قرأ الشعبي وأبو حيوة برفع التاء في،العمرة،وهي تدل على عدم الوجوب. وقرأ الجماعة العمرة،بنصب التاء،وهي تدل على الوجوب.وفي مصحف ابن مسعود {وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إلى البيت لله} وروي عنه وأقيموا الحج والعمرة إلى البيت.وفائدة التخصيص بذكر الله هنا أن العرب كانت تقصد الحج للاجتماع والتظاهر والتناضل والتنافر وقضاء الحاجة وحضور الأسواق،وكل ذلك ليس لله فيه طاعة،ولا حظ بقصد،ولا قربة بمعتقد،فأمر الله سبحانه بالقصد إليه لأداء فرضه وقضاء حقه،ثم سامح في التجارة،على ما يأتي.،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ : 196

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ اگر کسی نے حج اور عمرہ کی نیت نہیں کی ہے۔اور مناسک حج اور عمرہ میں شامل ہوا۔اس مسئلہ میں مختلف اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔(900)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ اگر کوئی بچہ وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہوااور یا کوئی عبد وقوف عرفہ سے پہلے آزاد ہوا۔توکیاوہ نیااحرام باندھے گا یانہیں۔اوراس کے عمرے اورحج کا کیا حکم ہے۔اس میں مختلف اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔(901)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ محصر کے لئے نحر،حل اور ھدی کا کیا حکم ہے۔اس میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(902) آیت مبارکہ میں محصر کے قضا کے حوالے سے مختلف اقوال مع دلائل ذکر کئے ہیں۔(903)

---

900۔لا خلاف بين العلماء فيمن شهد مناسك الحج وهو لا ينوي حجا ولا عمرة ـ والقلم جار له وعليه ـأن شهودها بغير نية ولا قصد غير مغن عنه،وأن النية تجب فرضا ، لقوله تعالى:{وَأَتِمُّوا} ومن تمام العبادة حضور النية،وهي فرض كالإحرام عند الإحرام ، لقوله عليه السلام لما ركب راحلته :لبيك بحجة وعمرة معا،على ما يأتي. وذكر الربيع في كتاب البويطي عن الشافعي قال:ولو لبى رجل ولم ينو حجا ولا عمرة لم يكن حاجا ولا معتمرا ، ولو نوى ولم يلب حتى قضى المناسك كان حجه تاما حاجا ولا معتمرا ، ولو نوى ولم يلب حتى قضى المناسك كان حجه تاما،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

901۔ واختلف العلماء في المراهق والعبد يحرمان بالحج ثم يحتلم هذا ويعتق هذا قبل الوقوف بعرفة ، فقال مالك:لا سبيل لهما إلى رفض الإحرام ولا لأحد متمسكا بقوله تعالى:{وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ} ومن رفض إحرامه فلا يتم حجه ولا عمرته. وقال أبو حنيفة:جائز للصبي إذا بلغ قبل الوقوف بعرفة أن يجدد إحراما ، فإن تمادى على حجه ذلك لم يجزه من حجة الإسلام. واحتج بأنه لما لم يكن الحج يجزي عنه ، ولم يكن الفرض لازما له حين أحرم بالحج ثم لزمه حين بلغ استحال أن يشغل عن فرض قد تعين عليه بنافلة ويعطل فرضه ،كمن دخل في نافلة وأقيمت عليه المكتوبة وخشي فوتها قطع النافلة ودخل في المكتوبة.وقال الشافعي:إذا أحرم الصبي ثم بلغ قبل الوقوف بعرفة فوقف بها محرما أجزأه من حجة الإسلام ، وكذلك العبد. قال:ولو عتق بمزدلفة وبلغ الصبي بها فرجعا إلى عرفة بعد العتق والبلوغ فأدركا الوقوف بها قبل طلوع الفجر أجزت عنهما من حجة الإسلام،ولم يكن عليهما دم ،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

902۔ جمهور الناس على أن المحصر بعدو يحل حيث أحصر وينحر هديه إن كان ثم هدي ويحلق رأسه. وقال قتادة وإبراهيم :يبعث بهديه إن أمكنه ، فإذا بلغ محله صار حلالا. وقال أبو حنيفة : دم الإحصار لا يتوقف على يوم النحر،بل يجوز ذبحه قبل يوم النحر إذا بلغ محله ، وخالفه صاحباه فقالا : يتوقف على يوم النحر،وإن نحر قبله لم يجزه.،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

903۔ واختلفت العلماء أيضا في وجوب القضاء على من أحصر،فقال مالك والشافعي:من أحصر بعدو فلا قضاء عليه بحجه ولا عمرته،إلا أن يكون ضرورة لم يكن حج،فيكون عليه الحج على حسب وجوبه عليه،وكذلك العمرة عند من أوجبها فرضا. وقال أبو حنيفة:المحصر بمرض أو عدو عليه حجة وعمرة،وهو قول الطبري. قال أصحاب الرأي:إن كان مهلا بحج قضى حجة وعمرة،لأن إحرامه بالحج صار عمرة. وإن كان قارنا قضى حجة وعمرتين.وإن كان مهلا بعمرة قضى عمرة. وسواء عندهم المحصر بمرض أو عدو،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ: 196

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ احصار عام ہے۔حج اور عمرہ دونوں کو شامل ہے۔اور بعض لوگوں کی تردید کی ہے جو عمرہ کے احصار کے قائل نہیں ہے۔(904)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیاہے کہ حلق تقصیر سے افضل ہے۔(905)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیاہے کہ عورتوں کے لئے تقصیر سنت ہے۔اوران کے لئے حلق نہیں ہے۔(906)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ ذبح حلق سے پہلے سنت ہے۔(907)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ اگر کسی کو تکلیف ہو۔تو قبل حلق وہ فدیہ دے سکتاہے۔(908)

آیت مبارکہ میں فدیہ کے حوالے سے فقہاء کرام کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(909)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ اگر کسی نے ناسیاً کپڑے پہنے یاحلق کیا۔تواس کا کیا حکم ہے۔اس میں فقہاء کے اقوال تفصیلاًذکر کئے ہیں۔(910)

---

904۔ لا خلاف بين علماء الأمصار أن الإحصار عام في الحج والعمرة. وقال ابن سيرين :لا إحصار في العمرة،لأنها غير مؤقتة.وأجيب بأنها وإن كانت غير مؤقتة لكن في الصبر إلى زوال العذر ضرر،وفي ذلك نزلت الآية. وحكي عن ابن الزبير أن من أحصره العدو أو المرض فلا يحله إلا الطواف بالبيت ،وهذا أيضا مخالف لنص الخبر عام الحديبية.،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ : 196

905۔ روى الأئمة واللفظ لمالك عن نافع عن عبدالله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم.قال،اللهم ارحم المحلقين،قالوا والمقصرين يا رسول الله،قال:اللهم ارحم المحلقين،قالوا:والمقصرين يا رسول الله،قال:والمقصرين،قال علماؤنا:ففي دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم للمحلقين ثلاثا وللمقصرين مرة دليل على أن الحلق في الحج والعمرة أفضل من التقصير،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ: 196

906۔لم تدخل النساء في الحلق،وأن سنتهن التقصير،لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:ليس على النساء حلق إنما عليهن التقصير،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ: 196

907۔لا يجوز لأحد أن يحلق رأسه حتى ينحر هديه،وذلك أن سنة الذبح قبل الحلاق.والأصل في ذلك قوله تعالى:وَلا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ: 196

908۔قال الأوزاعي في المحرم يصيبه أذى في رأسه:إنه يجزيه أن يكفر بالفدية قبل الحلق.قلت:فعلى هذا يكون المعنى،فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ بِهِ أَذىً مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ،إن أراد أن يحلق،ومن قدر فحلق ففدية،فلا يفتدي حتى يحلق،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ : 196

909۔اختلف العلماء في الإطعام في فدية الأذى،فقال مالك والشافعي وأبو حنيفة وأصحابهم:الإطعام في ذلك مدان بمد النبي صلى الله عليه وسلم،وهو قول أبي ثور وداود.وروي عن الثوري أنه قال في الفدية:من البر نصف صاع،ومن التمر والشعير والزبيب صاع.وروي عن أبي حنيفة أيضا مثله،جعل نصف صاع بر عدل صاع تمر.وقال أحمد بن حنبل مرة كما قال مالك والشافعي،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ : 196

910۔واختلفوا فيمن فعل ذلك ناسيا،فقال مالك رحمه الله:العامد والناسي في ذلك سواء في وجوب الفدية،وهو قول أبي حنيفة والثوري والليث.وللشافعي في هذه المسألة قولان:أحدهما:لا فدية عليه،وهو قول داود

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ فدیہ کس جگہ میں (کہاں)اداکرے گا۔(911)
آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ حاضری المسجد الحرام،سے کون مراد ہے۔(912)
علامہ آلوسیؒ نے بھی آیت مبارکہ میں وہی مسائل ذکر کئے ہیں۔جو علامہ جصاصؒ اورامام قرطبیؒ نے ذکر کئے ہیں۔بعض قراءت کی وضاحت کرکے اس کئی احکام مستنبط کئے ہیں۔بعض کلمات کی نحوی ترکیب کی ہے جو آیت کی تفسیر میں خوب مدد دیتی ہے۔اور آیت مبارکہ میں احکام کے حوالے سے اختصار سے کام لیاہے۔
آیت 197۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ مین یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ اگرکسی نے اشہر حج سے پہلے احرام باندھا۔اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(913)

---

وإسحاق.والثاني:عليه الفدية.وأكثر العلماء يوجبون الفدية على المحرم بلبس المحيط وتغطية الرأس أو بعضه،ولبس الخفين وتقليم الأظافر ومس الطيب وإماطة الأذى ، وكذلك إذا حلق شعر جسده أو اطلى،أو حلق مواضع المحاج.والمرأة كالرجل في ذلك،وعليها الفدية في الكحل،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ : 196

911۔واختلف العلماء في موضع الفدية المذكورة،فقال عطاء:ما كان من دم فبمكة ، وما كان من طعام أو صيام فحيث شاء،وبنحو ذلك قال أصحاب الرأي. وعن الحسن أن الدم بمكة.وقال طاوس والشافعي:الإطعام والدم لا يكونان إلا بمكة،والصوم حيث شاء،لأن الصيام لا منفعة فيه لأهل الحرم ، رفقا لمساكين جيران بيته،فالإطعام فيه منفعة بخلاف الصيام،والله أعلم.وقال مالك:يفعل ذلك أين شاء،وهو الصحيح من القول،وهو قول مجاهد.والذبح هنا عند مالك نسك وليس بهدي لنص القرآن والسنة،والنسك يكون حيث شاء،والهدي لا يكون إلا بمكة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ: 196

912۔واختلف الناس في حاضري المسجد الحرام بعد الإجماع على أن أهل مكة وما اتصل بها من حاضريه.وقال الطبري:بعد الإجماع على أهل الحرم.قال ابن عطية : وليس كما قال فقال بعض العلماء:من كان يجب عليه الجمعة فهو حضري ، ومن كان أبعد من ذلك فهو بدوي،فجعل اللفظة من الحضارة والبداوة.وقال مالك وأصحابه هم أهل مكة وما اتصل بها خاصة.وعند أبي حنيفة وأصحابه : هم أهل المواقيت ومن وراءها من كل ناحية،فمن كان من أهل المواقيت أو من أهل ما وراءها فهم من حاضري المسجد الحرام. وقال الشافعي وأصحابه:هم من لا يلزمه تقصير الصلاة من موضعه إلى مكة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ: 196

913۔قال أبو بكر قد اختلف السلف في جواز الإحرام قبل أشهر الحج فروى مقسم عن ابن عباس قال من سنة الحج أن لا يحرم بالحج قبل أشهر الحج وأبو الزبير عن جابر قال لا يحرم الرجل بالحج قبل أشهر الحج وروي مثله عن طاوس وعطاء ومجاهد وعمرو بن ميمون وعكرمة وقال عطاء من أحرم بالحج قبل أشهر الحج فليجعلها عمرة وقال علي رضي الله عنه في قوله تعالى وأتموا الحج والعمرة لله أن إتمامهما أن تحرم بهما من دويرة أهلك ولم يفرق بين من كان بين دويرة أهله وبين مكة مسافة بعيدة أو قريبة فدل ذلك على أنه كان من مذهبه جواز الإحرام بالحج قبل أشهر الحج ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ 197:

آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کی ہے۔(914)
امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔(915)
آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی لغوی تحقیق بیان کر کے آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔(916)
آیت مبارکہ میں احرام باندھنے کے وقت کا تعین کر کے فقہاء کے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(917)
علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ اور علامہ جصاصؒ کی تفسیر یکسانیت پائی جاتی ہے۔
آیت 198۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔
آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ایام حج میں حاجی کے لئے تجارت کی اجازت ہے۔(918)

---

914۔اختلف السلف في تأويل الرفث فقال ابن عمر هو الجماع وروي عن ابن عباس مثله وروي عنه أنه التعريض بالنساء وكذلك عن ابن الزبير وروي عن ابن عباس أنه أنشد في حرامه ... وهن يمشين بنا هميسا ... أن يصدق الطير ننك لميسا ... فقيل له في ذلك فقال إنما الرفث مراجعة النساء بذكر الجماع وقال عطاء الرفث الجماع فما دونه من قول الفحش وقال عمرو بن دينار هو الجماع فما دونه من شأن النساء قال أبو بكر قد قيل إن أصل الرفث في اللغة هو الإفحاش في القول وبالفرج الجماع وباليد الغمز للجماع وإذا كان كذلك قد تضمن نهيه عن الرفث في الحج هذه الوجوه كلها وحصل من اتفاق جميع من روي عنه تأويله أن الجماع مراد به في هذه الآية ،جصاص،احکام القرآن، سورة البقرة:197

915۔قلت :القول الأول أصح،فإن المراد الزاد المتخذ في سفر الحج المأكول حقيقة كما ذكرنا،كما روى البخاري عن ابن عباس قال:كان أهل اليمن يحجون ولا يتزودون ويقولون:نحن المتوكلون،فإذا قدموا مكة سألوا الناس،فأنزل الله تعالى:{وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى} وهذا نص فيما ذكرنا،وعليه أكثر المفسرين ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة: 197

916۔قوله تعالى:{وَلا فُسُوقَ} يعني جميع المعاصي كلها ، قاله ابن عباس وعطاء والحسن. وكذلك قال ابن عمر وجماعة:الفسوق إتيان معاصي الله عز وجلفي حال إحرامه بالحج،كقتل الصيد وقص الظفر وأخذ الشعر وشبه ذلك. وقال ابن زيد ومالك :الفسوق الذبح للأصنام،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة: 197

917۔ اختلف في الإهلال بالحج في غير أشهر الحج ، فروي عن ابن عباس : من سنة الحج أن يحرم به في أشهر الحج. وقال عطاء ومجاهد وطاوس والأوزاعي : من أحرم بالحج قبل أشهر الحج لم يجزه ذلك عن حجة ويكون عمرة كمن دخل في صلاة قبل وقتها فإنه لا تجزيه وتكون نافلة ،وبه قال الشافعي وأبو ثور.وقال الأوزاعي :يحل بعمرة.وقال أحمد بن حنبل:هذا مكروه،وروي عن مالك ، والمشهور عنه جواز الإحرام بالحج في جميع السنة كلها،وهو قول أبي حنيفة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة : 197

918۔وهم المأمورون بالتزود للحج وأباح لهم التجارة فيه وروى أبو يوسف عن العلاء بن السائب عن أبي أمامة قال قلت لابن عمر إني رجل أكري الإبل إلى مكة أفيجزي من حجتي قال ألست تلبي فتقف وترمي الجمار قلت بلى قال سأل رجل رسول الله عن مثل ما سألتني فلم يجبه حتى أنزل الله هذه الآية ،جصاص، احکام القرآن، سورة البقرة :198

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت کیاہے کہ وقوف عرفہ حج میں فرض رکن ہے۔(919)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے اگر کسی حاجی نے عرفات میں رات نہیں گزاری۔ تواس کا کیا حکم ہے۔اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال تفصیلاًذکر کئے ہیں۔(920)

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔اگر کسی نے مزدلفہ آنے سے پہلے نماز مغرب ادا کیا۔تواس کا کیا حکم ہے اس میں فقہاء کے اقوال ذکر کئے ہیں۔(921)

آیت مبارکہ میں وقوف بالمزدلفہ کے حوالے سے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔(922)

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ میں بعض کلمات کے نحوی تحقیق بیان کرکے مختلف نحات کے اقوال نقل کئے ہیں۔(923)

---

[919]۔واتفقت الأمة مع ذلك على أن تارك الوقوف بعرفة لا حج له ونقلته عن النبي قولا وعملا وروى بكير بن عطاء عن عبدالرحمن بن يعمر الديلي قال سئل رسول الله كيف الحج قال الحج يوم عرفة من جاء عرفة ليلة جمع قبل الصبح أو يوم جمع فقد تم حجه ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ :198

[920]۔وقد اختلف الفقهاء فيمن لم يقف بعرفة ليلا فقال سائرهم إذا وقف نهارا فقد تم حجه وإن دفع منها قبل غروب الشمس فعليه دم عند أصحابنا إن لم يرجع قبل الإمام وقال مالك بن أنس إن لم يرجع حتى طلع الفجر بطل حجه وأصحابه يزعمون أنه قال ذلك لأن مذهبه أن فرض الوقوف بالليل دون النهار وأن الوقوف نهارا غير مفروض إنما هو مسنون وروي عن ابن الزبير أن من دفع من عرفات قبل غروب الشمس فسد حجه ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[921]۔وقد اختلف فيمن صلى المغرب قبل أن يأتي المزدلفة فقال أبو حنيفة ومحمد لا تجزيه وقال أبو يوسف تجزيه وظاهر قوله تعالى فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام إذا كان المراد به الصلاة يمنع جوازها قبله وكذلك قول النبي الصلاة أمامك وحمله على ذلك أولى من حمله على الذكر المفعول في حال الوقوف بجمع ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[922]۔وقد اختلف أهل العلم في الوقوف بالمزدلفة هل هو من فروض الحج أم لا فقال قائلون هو من فروض الحج ومن فاته فلا حج له كمن فاته الوقوف بعرفة وقال جمهور أهل العلم حجه تام ولا يفسده ترك الوقوف بالمزدلفة واحتج من لم يجعله من فروضه بما روي عن النبي في حديث عبدالرحمن بن يعمر الديلي عن النبي أنه قال الحج عرفة فمن وقف قبل أن يطلع الفجر فقد تم حجه وقال في بعض الأخبار من أدرك عرفة فقد أدرك الحج ،جصاص،احکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[923]۔قوله تعالى:عَرَفَاتٍ،قراءة الجماعة ،عرفات،بالتنوين ،وكذلك لو سميت امرأة بمسلمات،لأن التنوين هنا ليس فرقا بين ما ينصرف وما لا ينصرف فتحذفه ، وإنما هو بمنزلة النون في مسلمين. قال النحاس:هذا الجيد.وحكى سيبويه عن العرب حذف التنوين من عرفات،يقوله :هذه عرفات يا هذا ، ورأيت عرفات يا هذا،بكسر التاء وبغير تنوين،قال:لما جعلوها معرفة حذفوا التنوين. وحكى الأخفش والكوفيون فتح التاء،تشبيها بتاء فاطمة وطلحة. والقول الأول أحسن،وأن التنوين فيه على حده في مسلمات،الكسرة مقابلة الياء في مسلمين والتنوين مقابل النون.وعرفات:اسم علم،سمي بجمع كأذرعات،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:198

آیت مبارکہ میں وقوف عرفہ کو حالت سواری میں افضل فرمایاہے۔بشرطیہ کہ قدرت ہو۔([924])
آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیاہے۔کہ یوم عرفہ پر تشبیہ کی خاطر عام مساجد میں تعریف میں کوئی خرج نہیں ہے۔([925])
آیت مبارکہ میں یوم عرفہ کی فضیلت پر تفصیلی بحث کی ہے۔([926])
آیت مبارکہ میں یوم عرفہ کے صوم کی فضیلت بیان کی ہے۔([927])
علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ میں وہی احکام ذکر کئے ہیں جو علامہ جصاصؒ اور امام قرطبیؒ نے ذکر کئے ہیں۔لیکن علامہ آلوسیؒ نے قدرے تفصیل سے احکامات ذکر کئے ہیں۔
آیت 199۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کیاہے۔
امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔
آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ خطاب کس کو ہے اور ،الناس، سے کون مراد ہے۔([928])

---

[924]۔ولا خلاف بين العلماء في أن الوقوف بعرفة راكبا لمن قدر عليه أفضل،لأن النبي صلى الله عليه وسلم كذلك وقف إلى أن دفع منها بعد غروب الشمس، وأردف أسامة بن زيد،وهذا محفوظ في حديث جابر الطويل وحديث علي،وفي حديث ابن عباس أيضا.قال جابر،ثم ركب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتى الموقف،فجعل بطن ناقته القصواء إلى الصخرات،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[925]۔ولا بأس بالتعريف في المساجد يوم عرفة بغير عرفة ، تشبيها بأهل عرفة.روى شعبة عن قتادة عن الحسن قال:أول من صنع ذلك ابن عباس بالبصرة.يعني اجتماع الناس يوم عرفة في المسجد بالبصرة. وقال موسى بن أبي عائشة:رأيت عمر بن حريث يخطب يوم عرفة وقد اجتمع الناس إليه. وقال الأثرم:سألت أحمد بن حنبل عن التعريف في الأمصار،يجتمعون يوم عرفة ،فقال:أرجو ألا يكون به بأس ، قد فعله غير واحد:الحسن وبكر وثابت ومحمد بن واسع ، كانوا يشهدون المسجد يوم عرفة.،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :198

[926]۔في فضل يوم عرفة،يوم عرفة فضله عظيم وثوابه جسيم،يكفر الله فيه الذنوب العظام ،ويضاعف فيه الصالح من الأعمال،قال صلى الله عليه وسلم:صوم يوم عرفة يكفر السنة الماضية والباقية،أخرجه الصحيح. وقال صلى الله عليه وسلم:أفضل الدعاء دعاء يوم عرفة وأفضل ما قلت أنا والنبيون من قبلي لا إله إلا الله وحده لا شريك له ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[927]۔استحب أهل العلم صوم يوم عرفة إلا بعرفة. روى الأئمة واللفظ للترمذي عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم أفطر بعرفة ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ:198

[928]۔الخطاب للحمس،فإنهم كانوا لا يقفون مع الناس بعرفات،بل كانوا يقفون بالمزدلفة وهي من الحرم،وكانوا يقولون:نحن قطين الله،فينبغي لنا أن نعظم الحرم،ولا نعظم شيئا من الحل،وكانوا مع معرفتهم وإقرارهم إن عرفة موقف إبراهيم عليه السلام لا يخرجون من الحرم،ويقفون بجمع ويفيضون منه ويقف الناس بعرفة،فقيل لهم:أفيضوا مع الجملة،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃالبقرۃ :199

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایاہے۔کہ حاجی اول رمی کے ساتھ تلبیہ پڑھنابند کرے گا۔امام قرطبیؒ نے حدیث سے استدلال کر کے اس عمل کو خلاف سنت قرار دیاہے۔([929])

علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ میں نہایت اختصار سے کام لیاہے۔شان نزول بیان فرمائی ہے اور بعض کلمات کی تحقیق کی ہے۔

آیت 200۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ میں نہایت اختصار سے کام لیاہے۔بعض کلمات کی معنی بیان کرنے پر اکتفا کیاہے۔

امام قرطبیؒ نے آیت مبارکہ کی شان نزول بیان فرمائی ہے۔([930])

آیت مبارکہ میں بعض کلمات کی معنی احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان فرمائی ہے۔([931])

علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں یکسانیت ہے۔

آیت 200۔201۔علامہ جصاصؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر سے چشم پوشی اختیار کی ہے۔

امام قرطبیؒ نے نہایت اختصار سے کام لیاہے۔بعض کلمات کی لغوی تحقیق کی ہے۔آیت مبارکہ کو جوامع الدعا کہاہے۔جو دنیاو آخرت کی دعاپر مشتمل ہے۔([932])

---

[929]۔ ویقطع الحاج التلبیة بأول حصاة یرمیها من جمرة العقبة ، وعلى هذا أكثر أهل العلم بالمدینة وغیرها وهو جائز مباح عند مالك.والمشهور عنه قطعها عند زوال الشمس من یوم عرفة،على ما ذكر في موطئه عن علي،وقال:هو الأمر عندناقلت:والأصل في هذه الجملة من السنة ما رواه مسلم عن الفضل بن عباس،وكان ردیف رسول الله صلى الله علیه وسلم أنه قال في عشیة عرفة وغداة جمع للناس حین دفعوا:علیكم بالسكینة،وهو كاف ناقته حتى دخل محسرا وهو من منى قال:علیكم بحصى الخذف الذي یرمى به الجمرة،وقال :لم یزل رسول الله صلى الله علیه وسلم یلبي حتى رمى جمرة العقبة ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :199

[930]۔قوله تعالى،فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ،قال مجاهد:المناسك الذبائح وهراقة الدماء وقیل:هي شعائر الحج،لقوله علیه السلام :خذوا عني مناسككم.المعنى:فإذا فعلتم منسكا من مناسك الحج فاذكروا الله وأثنوا علیه بآلائه عندكم ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ :200

[931] ۔قوله تعالى،فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ،كانت عادة العرب إذا قضت حجها تقف عند الجمرة،فتفاخر بالآباء،وتذكر أیام أسلافها من بسالة وكرم،وغیر ذلك،حتى أن الواحد منهم لیقول:اللهم إن أبي كان عظیم القبة،عظیم الجفنة،كثیر المال فأعطني مثل ما أعطیته فلا یذكر غیر أبیه،فنزلت الآیة لیلزموا أنفسهم ذكر الله أكثر من التزامهم ذكر آبائهم أیام الجاهلیة هذا قول جمهور المفسرین ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:200

[932]۔ هذه الآیة من جوامع الدعاء التي عمت الدنیا والآخرة. قیل لأنس : ادع الله لنا،فقال:اللهم آتنا في الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. قالوا : زدنا.قال:ما تریدون قد سألت الدنیا والآخرة وفي الصحیحین عن أنس قال : كان أكثر دعوة یدعو بها النبي صلى الله علیه وسلم یقول :اللهم آتنا في الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.قال:فكان أنس إذا أراد أن یدعو بدعوة دعا بها ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:201

علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ لیکن علامہ آلوسیؒ نے آیت مبارکہ میں تفسیر اشاری کا اضافہ کرکے آیت مبارکہ کے ساتھ دوسرے آیتوں کے امتزاج سے نہایت مفید اور عمیق بحث کی ہے۔

علامہ جصاصؒ نے آئندہ سات آیتوں میں دو آیتوں میں نہایت اختصار سے کام لیا۔ اور اس میں کوئی حکم ذکر نہیں کیا ہے۔ اور باقی پانچ آیتوں کی تفسیر سے صرفِ نظر اختیار کیا ہے۔

آیت 203۔205۔205۔ امام قرطبیؒ نے بھی ان آیتوں کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ معدودات میں یوم نحر شامل نہیں ہے۔ (933)

آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ تکبیرات میں عام لوگ بھی حاجیوں کے علاوہ مخاطب ہے۔ (934)

آیت مبارکہ میں تکبیرات کے مدت کے بارے میں فقہاء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (935)

آیت مبارکہ میں تکبیرات کے الفاظ کے حوالے سے فقہاء کے اقوال تفصیلاً ذکر کئے ہیں۔ (936)

---

933۔ أمر الله سبحانه وتعالى عباده بذكره في الأيام المعدودات،وهي الثلاثة التي بعد يوم النحر،وليس يوم النحر منها،لإجماع الناس أنه لا ينفر أحد يوم النفر وهو ثاني يوم النحر،ولو كان يوم النحر في المعدودات لساغ أن ينفر من شاء متعجلا يوم النفر،لأنه قد أخذ يومين من المعدودات ،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ 203:

934۔فالذي عليه فقهاء الأمصار والمشاهير من الصحابة والتابعين على أن المراد بالتكبير كل أحدوخصوصا في أوقات الصلوات فكبر عند انقضاء كل صلاة كان المصلي وحده أو في جماعة تكبيرا ظاهرا في هذه الأيام،اقتداء بالسلف رضي الله عنهم ،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:203

935۔واختلف العلماء في طرفي مدة التكبير،فقال عمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب وابن عباس:يكبر من صلاة الصبح يوم عرفة إلى العصر من آخر أيام التشريق،وقال ابن مسعود وأبو حنيفة:يكبر من غداة عرفة إلى صلاة العصر من يوم النحر.وخالفه صاحباه فقالا بالقول الأول،قول عمر وعلي وابن عباس رضي الله عنهم،فاتفقوا في الابتداء دون الانتهاء. وقال مالك يكبر من صلاة الظهر يوم النحر إلى صلاة الصبح من آخر أيام التشريق ، وبه قال الشافعي وهو قول ابن عمر وابن عباس أيضا.وقال زيد بن ثابت :يكبر من ظهر يوم النحر إلى آخر أيام التشريق.قال ابن العربي:فأما من قال:يكبر يوم عرفة ويقطع العصر من يوم النحر فقد خرج عن الظاهر،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:203

936۔واختلفوا في لفظ التكبير،فمشهور مذهب مالك أنه يكبر إثر كل صلاة ثلاث تكبيرات،رواه زياد بن زياد عن مالك.وفي المذهب رواية:يقال بعد التكبيرات الثلاث:لا إله إلا الله،والله أكبر ولله الحمد.وفي المختصر عن مالك : الله أكبر الله أكبر،لا إله إلا الله،والله أكبر،الله أكبر ولله الحمد ،قرطبی،الجامع لاحکام القرآن، سورۃ البقرۃ :203

آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ رمی کے لئے پتھر مزدلفہ سے اٹھانا مستحب ہے۔([937])
آیت مبارکہ میں پتھر کے حجم کے حوالے فقہا کے اقوال ذکر کئے ہیں۔([938])
آیت مبارکہ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ امور دینی اور دنیاوی میں احتیاط بہتر ہے۔([939])
علامہ آلوسیؒ اور امام قرطبیؒ کی تفسیر میں یکسانیت ہے۔ صرف علامہ آلوسیؒ نے بعض کلمات کی نحوی تحقیق بیان کر کے قاری پر آیت کی تفسیر خوب واضح کی ہے۔

آیت 206۔207۔208۔209۔210۔ان تمام آیتوں میں امام قرطبیؒ نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ آیات میں لغوی اور نحوی تحقیق بیان کی ہے۔ بعض کلمات میں مختلف قراءت ذکر کر کے آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے بھی اختصار سے ان آیتوں کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ اور آخری آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے ۔کہ اللہ تعالیٰ کا آنا۔ یہ کس طرح کا ہے۔ تو ہم اس قسم کے تاویلات میں نہیں پڑتے ہیں۔

---

937۔واستحب أهل العلم أخذها من المزدلفة لا من حصى المسجد،فإن أخذ زيادة على ما يحتاج وبقي ذلك بيده بعد الرمي دفنه ولم يطرحه ،قال أحمد بن حنبل وغيره.،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:203

938۔واختلف في قدر الحصى،فقال الشافعي:يكون أصغر من الأنملة طولا وعرضا. وقال أبو ثور وأصحاب الرأي:بمثل حصى الخذف،وروينا عن ابن عمر أنه كان يرمي الجمرة بمثل بعر الغنم،ولا معنى لقول مالك:أكبر من ذلك أحب إلي،لأن النبي صلى الله عليه وسلم سن الرمي بمثل حصى الخذف،ويجوز أن يرمى بما وقع عليه اسم حصاة،واتباع السنة أفضل،قاله ابن المنذر،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:203

939 ۔ قال علماؤنا:وفي هذه الآية دليل وتنبيه على الاحتياط فيما يتعلق بأمور الدين والدنيا،واستبراء أحوال الشهود والقضاة،وأن الحاكم لا يعمل على ظاهر أحوال الناس وما يبدو من إيمانهم وصلاحهم حتى يبحث عن باطنهم،لأن الله تعالى بين أحوال الناس،وأن منهم من يظهر قولا جميلا وهو ينوي قبيحا ،قرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،سورۃ البقرۃ:204

# خلاصہ بحث

امام آلوسیؒ کی تفسیر، روح المعانی، غیر معمولی حیثیت کی حامل تفسیر ہے۔اپنے پرائے سب اس کی شان سے واقف ہیں اوراس کو سند مانتے ہیں۔

پی ایچ ڈی کا یہ مقالہ تفسیر روح المعانی کے جزءدوم سورۃالبقرۃ آیت 142 سے لے کر آیت 210 تک ہے۔جسے پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیاہے۔ہرایک باب پانچ فصول پر مشتمل ہے۔مقالہ ہذامیں تفسیر روح المعانی کااُردو ترجمہ کیا گیاہے۔جہاں کہیں پرآیات کا حوالہ دیا گیاہے تو حاشیہ میں اس کی تخریج کی گئی ہے۔امام آلوسیؒ نے جواحادیث ذکر کی ہیں اس کی اصل عبارت حاشیہ میں نقل کیا گیاہے۔اس پر صحیح یا ضعیف کا حکم حتی الوسع لگادیا گیاہے۔قرآن مجید کے متن کا ترجمہ فتح محمد جالندھریؒ کے اُردو ترجمہ سے لیا گیاہے۔

امام آلوسیؒ چونکہ ایک متکلم اور صوفی تھے۔اس لیے تفسیر بھی صوفیانہ انداز میں کرتے ہیں۔عبارات آسان ہیں لیکن صوفیانہ اقوال کی ملاوٹ کی وجہ سے اغلاق واقع ہوتی ہے۔لمبے بحوث کوآپ کئی مباحث میں تقسیم کرتے ہیں۔

اپنی تفسیر میں آپ تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ، تفسیر القرآن باقوال التابعین سبھی کو زیر بحث لایاہے۔تفسیر صوفی، تفسیر تحلیلی، تفسیر کلامی، تفسیر فقہی پر متعلقہ آیات میں اپنے مخصوص نہج میں بحث کرتے ہیں۔

قرآنی الفاظ کے لغوی حل کے لیے مبرد،اصمعیؒ،لیثؒ،کسائیؒ،ازہریؒ،ابن قتیبہؒ،ابوعبیدۃؒ،زجاجؒاور فراءؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔مشہور مفسرین میں ابن عباسؓ،مجاہدؒ، قتادہؒ،کلبیؒ،مقاتلؒاور حسن بصریؒ کے اقوال زیادہ تر نقل کرتے ہیں۔

تفاسیر میں آپ نے زیادہ تر تفسیر کبیر، تفسیر الکشاف، تفسیر ابن جریر، تفسیر الثعالبی، تفسیر ابو مسلم اصبہانیؒ ،تفسیر سمرقندی، معانی القرآن واعرابہ،تاویل مشکل القرآن، تفسیر الماوردی، تفسیر زادالمسیر، فراء کی معانی القرآن،اسی طرح اعمشؒ کی تفسیر سے استفادہ کیاہے۔

ہرایک سورت کے شروع میں ربط ومناسبت کااہتمام کرتے ہیں۔اس سورت کے مکی ومدنیت سے بھی کبھی کبھار بحث کرتے ہیں۔آیت کے مابین بھی ربط ومناسبت بیان کرتے ہیں۔کلمات وتراکیب کی حکمتیں اوراس پراعتراضات اوران کے جوابات بھی آپ کا موضوع سخن ہے۔خصوصاً معتزلہ،مشبہہ اور دیگر فرقوں کے ساتھ کلامی مباحث خوب جم کے کرتے ہیں۔عقلی اور نقلی اعتبار سے ان کے عقائد کا ضعف بیان کرتے ہیں۔اسی طرح آیات کو عنوان بھی دیتے ہیں کہ ان میں انعامات یاعذاب یاتوبیخ وغیرہ کا ذکر ہے۔

احکامی آیات میں بھی تفصیلی مباحث کرتے ہیں۔عام فقہاء کی طرح صرف اپنے دلائل بیان نہیں کرتے۔بلکہ مجموعی مسائل غیر متعصبانہ انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

آیات کی شان نزول کا باقاعدہ ذکر کرتے ہیں۔ پھر آیات کا اُن واقعات سے تطبیق بھی بیان کرتے ہیں۔اس پر وارد اعتراضات بھی حل کرتے ہیں۔آپ کا ماننا ہے کہ شان نزول اگرچہ خاص ہو گا لیکن آیت کا حکم عام ہے۔

اپنی تفسیر میں مختلف قرآءتوں کا بھی بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ پھر اُن قرآءتوں کے مطابق بھی تفسیر کرتے ہیں۔

# نتائج

1: علامہ آلوسیؒ اہل سنت والجماعت کے علماء میں سے ایک جید مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، ادیب اور نحوی اور قاری ہے۔

2: علامہ آلوسیؒ کی تفسیر جدید تفاسیر میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔

3: علامہ آلوسیؒ کی تفسیر مختلف قراءت کی ایک مستند لائبریری ہے۔ اور باقی علوم قرآنیہ کا ایک عمدہ ذخیرہ ہے۔

4: علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں فرق باطلہ کی خوب تردید کی ہے اور دین حق کی اچھی طرح وضاحت اور خدمت کی ہے۔

5: اس تفسیر میں مختلف علوم عقائد، فقہ، معانی، صرف و نحو وغیرہ کا تفصیلی احاطہ کیا گیا ہے۔

6: علامہ آلوسیؒ مسائل فقہیہ میں توسع سے کام لیتے ہیں۔ اور مذہبی تعصب سے بالاتر ہے اور راجح کو ترجیح دیتے ہے اور اکثر مسائل میں مذہب حنفی کو مائل ہے۔

7: علامہ آلوسیؒ ایک راسخ العقیدہ اور محقق صوفی بھی ہے۔ اور ساتھ ساتھ باطل اور غالی صوفیاء کی خوب تردید کی ہے۔

8۔ امام آلوسیؒ نقلِ حدیث میں فقہاء کا طرز اختیار کیے ہوئے ہیں یعنی روایت بالمعنٰی کرتے ہیں۔ جسے ڈھونڈنے میں دقت ہوتی ہے۔

# تجاویز

امام آلوسیؒ کی یہ تفسیر حرفاً حرفاً مطالعہ اوراز بر کرنے کے لائق ہے۔یہ بیش بہاعلوم کا خزانہ ہے۔امام آلوسیؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے تفسیر کو عقل ودماغ کے بہت قریب لانے کی کوشش کی ہے بندہ بہت آسانی سے قرآن مجید کو سمجھ لیتا ہے۔

امام آلوسیؒ پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔جس کی اندازہ آپؒ کی تفسیر سے بخوبی ہوتا ہے۔اگر آپ کی تفسیر پر صوفیانہ کام کیا جائے تو یہ ایک عمدہ کام ہوگا۔

امام آلوسیؒ کی تفسیری میں کلامی مباحث کثرت سے پائے جاتے ہیں۔اگر آپؒ کے تفسیر سے کلامی مباحث کو یکجا کیا جائے اوراس پر متکلمین کے طرز پر کام کیا جائے تو یہ ایک سنگ میل کی بنیاد ثابت ہوگا۔

امام آلوسیؒ کی تفسیر کا زیادہ تر دارومدار اصلاً متقدمین کی تفاسیر پر ہے۔آپؒ نے متقدمین کی تفاسیر کو مہذب نہج میں نقل کیا ہے اور مناسب مقامات پر ان میں اپنی طرف سے مباحث بھی شامل کیے ہیں۔اشعار بھی انہی تفاسیر سے نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے شامل کرتے ہیں۔اگر امام آلوسیؒ کی صرف اپنی تفسیری آراء واقوال کو جمع کیا جائے تو یہ اس نوعیت کا ایک منفرد کام ہوگا۔

امام آلوسیؒ کی تفسیر کا اُردو ترجمہ منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس کا فیض عام ہو جائے۔ویسے بھی آج کل زیادہ تر عربی تفاسیر اُردُو میں پوری کی پوری دستیاب ہیں۔

# فنی فہارس

# فہرست آیات قرآنیہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| 105 | الانعام:153 | فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ | 29 |
| 111 | الانعام:38 | وَمَامِنْ دَآبَّۃٍ فِیْ الْاَرْضِ | 30 |
| 204 | الانعام:41 | فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْہِ اِنْ شَآءَ | 31 |
| 216 | الانعام:152 | وَلاَتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ | 32 |
| 131 | الاعراف:33 | قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا | 33 |
| 79 | الانفال:61 | وَاِنْ جَنَحُوْ لِلسَّلْمِ | 34 |
| 108 | ھود:29 | وَمَا أَنَاْ بِطَارِدِ الذين ءامَنُواْ | 35 |
| 103 | ھود:112 | فاستقم كَمَا أُمِرْتَ | 37 |
| 131 | ھود:114 | اِنَّ الْحَسَنَاتَ يُذْهِبْنَ السَّيِّاتِ | 38 |
| 57 | یوسف:84 | يَا اَسَفٰی عَلٰی يُوسُفَ | 40 |
| 20 | الحجر:97 | وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ | 41 |
| 272 | الاسراء:1 | سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ | 42 |
| 130 | الاسراء:65 | اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ عَلَيْکَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ | 43 |
| 27 | مریم:16 | اِذِنْتَبَذَتْ مِنْ اَہْلِہَا مَكَاناً شَرْقِياً | 44 |
| 133 | الانبیاء:7 | فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ | 45 |
| 266 | الحج:33 | ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ | 46 |
| 17 | النور:2 | وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِہِمَا رٰفَۃٌ فِیْ دِيْنِ اللهِ | 47 |
| 20 | النور:64 | قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ | 48 |
| 289 | الفرقان:63 | وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاَمًا | 49 |
| 104 | القصص:63 | تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُواْ إِيَّانَا يَعْبُدُونَ | 50 |
| 102 | العنكبوت:65 | فَإِذَا رَكِبُواْ فِی الفلك دَعَوُاْ الله مُخْلِصِينَ | 51 |
| 100 | الروم:48 | الله الذی يُرْسِلُ الرِيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَاباً | 52 |
| 99 | الروم:46 | وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ | 53 |
| 37 | لقمان:16 | يَا بُنَیَّ اِنَّہَا اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ | 54 |
| 97 | یٰس:37 | وَآيَۃٌ لَّہُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّہَارَ فَإِذَا ہُم | 55 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| 96 | یٰس:41 | حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ | 56 |
| 102 | الزمر:38 | وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السموات | 57 |
| 95 | فصلت:12 | وأوحى فِى كُلّ سَمَاء أَمْرَهَا | 58 |
| 131 | الشوری:40 | وَجَزَءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا | 59 |
| 40 | الشوری:15 | لاَحُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ | 60 |
| 89 | الزخرف:74 | اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ | 62 |
| 234 | الفتح:16 | تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِن تُطِيعُوا | 63 |
| 216 | الحجرات:11 | وَلاَ تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلاَ تَنَابَزُوا بِالأَلْقَابِ | 64 |
| 99 | الذریات:41 | وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ | 65 |
| 17 | الحدید:27 | رَافَةٌ وَّرَحْمَةٌ وَّرَهْبَانِيَّةُابْتَدَعُوْهَا | 66 |
| 276 | الجمعہ:10 | فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاَةُ فَانتَشِرُوا فِي الأَرْضِ | 67 |
| 45 | الجمعہ:9 | فَاسْعَوْ اِلىٰ ذِكْرِ اللهِ | 68 |
| 190 | التغابن:4 | يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا | 69 |
| 34 | الانسان:31 | وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ | 70 |
| 208 | الشمس:5 | وَالسَّمَاءَ وَماَ بَنٰهاَ | 71 |
| 49 | الانفطار:13 | اِنَّ الْاَبْرَارَلَفِىْ نَعِيْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ | 72 |

## فہرست احادیث

| | | |
|---|---|---|
| 198 | خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْفُرْقَانُ لِأَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ | 20 |
| 217 | رَجُلًا مِنْ حَضْرَمَوْتَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضٍ فَقَضَى عَلَى الْحَضْرَمِيِّ بِالْبَيِّنَةِ فَلَمْ تَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ | 21 |
| 163 | سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ | 22 |
| 149 | سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الزكاة فقال (ان في المال لحقاسوى الزكاة) | 23 |
| 19 | صلى الله عليه وسلم- نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صُرِفْنَا نَحْوَ الْكَعْبَةِ | 25 |
| 7 | صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ قَدِمَ الْمَدِينَةَ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا | 26 |
| 270 | عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَا لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدْ الْهَدْيَ | 27 |
| 269 | عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ ( لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَالَمْ يَجِدِ الْهَدْىَ أَنْ يَصُومَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ | 28 |
| 263 | عن أبى هريرة مرفوعا إن من تمام الحج أن تحرم من دويرة أهلك | 29 |
| 263 | عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه و سلم في قوله عز و جل وأتموا الحج والعمرة لله قال من تمام الحج أن تحرم من دويرة أهلك | 30 |
| 149 | عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في المال حق بعد الزكاة | 31 |
| 227 | عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَتَوْا الْبَيْتَ مِنْ ظَهْرِهِ | 32 |
| 237 | عن الحسن في قوله تعالى{ و لا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة } قال:هو البخل | 33 |
| 297 | عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللَّهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ | 34 |
| 148 | فَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى وَأَرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَالصَّدَقَةُ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ | 35 |
| 46 | فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي | 36 |
| 205 | فَرَجَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَقَدْ سَهِرَ عِنْدَهُ فَوَجَدَ امْرَأَتَهُ قَدْ نَامَتْ فَأَرَادَهَا فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ نِمْتُ قَالَ | 37 |
| 264 | فقال ابعثوا بالهدي واجعلوا بينكم وبينه يوما أمارة فإذا كان ذلك | 38 |
| 267 | فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْهُ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ أَوْ انْسُكْ نَسِيكَةً | 39 |
| 265 | فَقَالَ لَهَا حُجِّي وَاشْتَرِطِي فَقَالَ قُولِي اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي وَكَان | 41 |

| | | |
|---|---|---|
| 42 | فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا عَرَفْتُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ | 56 |
| 43 | فَقُلْتُ لَا فَقَالَ فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفَ | 268 |
| 44 | فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ وَلَمْ يَزَلْ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدُ | 210 |
| 45 | فكيف لبأن أجمعهما ؟ قال : اجمعهما واذبح ما استيسر من الهدى | 262 |
| 46 | فلما بعث من غيرهم خافوا ذهاب مأكلتهم وزوال رياستهم، فعمدوا إلى صفة محمد صلى الله عليه وسلم فغيروها ثم أخرجوها إليهم | 141 |
| 48 | فيقولان : نم كنومة العروس الذى لا يوقظه إلا أحب أهله إليه ،حتى | 50 |
| 49 | قَالَ : إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ (إِنْ تَرَكَ خَيْرًا) مَالاً فَدَعْ مَالَكَ | 160 |
| 50 | قال : جاء رجل إلى ابن عباس فقال : إني أكريت نفسي إلى الحج واشترطت عليهم أن أحج ، أفيجزيني ذلك | 287 |
| 51 | قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ | 225 |
| 52 | قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (إِنْ تَرَكَ خَيْرًا) وَإِنْ هَذَا لَشَيْءٌ يَسِيرٌ فَاتْرُكْهُ لِعِيَالِكَ | 160 |
| 53 | قَالَ دَخَلَتْ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ | 152 |
| 54 | قال رسول الله ( صلى الله عليه وسلم ) إنهن يغلبن الكرام ويغلبهن | 207 |
| 55 | قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أن أفضل الصدقة الصدقة على ذي الرحم الكاشح | 148 |
| 56 | قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا وصية لوارث أن تجيزه | 163 |
| 57 | قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : الْحَجُّ جِهَادٌ،وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ | 260 |
| 58 | قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الحج والعمرة فريضتان لا | 262 |
| 59 | قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ | 149 |
| 60 | قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ | 264 |
| 61 | قال صلاة النهار عجماء لا يرفع بها الصوت إلا الجمعة والصبح | 212 |
| 62 | قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نِعْمَ الْعِدْلَانِ وَنِعْمَ الْعِلَاوَةُ | 76 |
| 63 | قال قال علي من السنة أن لا يقتل مسلم بقاتل ولا حربعبد | 153 |
| 64 | قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ | 286 |

| | | |
|---|---|---|
| 65 | قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَهُوَ بِمَكَّةَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَالْكَعْبَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ | 12 |
| 66 | قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ | 286 |
| 67 | قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأَثَّمُوا مِنْ التِّجَارَةِ فِيهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ } | 277 |
| 68 | قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَأَثَّمُوا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي الْمَوَاسِمِ | 276 |
| 69 | قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلْتُ تَحْتَ وِسَادِي عِقَالَيْنِ قَالَ إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا | 210 |
| 70 | شاخصة أبصارهم إلى السماء ينتظرون فصل القضاء قال وينزل الله عزوجل في ظلل من الغمام من العرش | 305 |
| 71 | قُلْتُ كَمَا أَمَرَنِى رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فَأَخْلَفَ اللَّهُ لِى خَيْرًا مِنْهُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم | 58 |
| 72 | كان النبي صلى الله عليه و سلم بارزا يوما للناس فأتاه جبريل فقال ما الإيمان | 146 |
| 73 | كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ وَيَقُولُونَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ فَإِذَا | 275 |
| 75 | كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ | 280 |
| 76 | لاَ إِحْصَارَ إِلاَّ مِنْ مَرَضٍ،أَوْ عَدُوٍّ،أَوْ أَمْرٍ حَابِسٍ | 264 |
| 77 | لا أعفي من قتل بعد أخذه الدية | 156 |
| 78 | لاَ تَقُولُوا رَمَضَانَ. فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ | 197 |
| 79 | لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صِيَامٌ إِلاَّ أَنْ يَجْعَلَهُ عَلَى نَفْسِهِ | 215 |
| 80 | مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ | 272 |
| 81 | من استرجع عند المصيبة جبر الله مصيبته وأحسن عقباه وجعل له | 77 |
| 82 | مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ.قَالَ عِكْرِمَةُ سَأَلْتُ | 264 |
| 83 | هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهُ مَنْ يَشْهَدُ لَكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ | 12 |
| 84 | هوالرجل يصيب الذنوب فيلقي بيده إلى التهلكة، يقول: لا توبة لي | 237 |
| 85 | و إني و الإنس و الجن في نبأ عظيم أخلق و يعبد غيري و أرزق و | 135 |
| 86 | وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ | 188 |
| 87 | وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ | 260 |

| | | |
|---|---|---|
| 91 | وإن أبغض الكلام إلى الله عز و جل أن يقول الرجل للرجل:اتق الله فيقول :عليك بنفسك | 299 |
| 92 | وأني لم أسمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها شيئا لقلت:إن العمرة واجبة مثل الحج | 261 |
| 93 | وَتَخْشَى الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلْ حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ الْحُلْقُومَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ | 147 |
| 94 | وَكَانَ الَّذِي مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ قِبَلَ الْبَيْتِ رِجَالٌ قُتِلُوا لَمْ | 16 |
| 95 | وَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ | 162 |
| 96 | وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السِّلَاحُ لِقِتَالٍ قَالَ وَإِذَا فِيهَا الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ | 153 |
| 97 | وَلَكِنْ صُومُوا كَمَا أَمَرَكُمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَأَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ فَإِذَا | 213 |
| 98 | أَخْبِرْنِي عَنْ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَكَ | 260 |
| 99 | يا معشر قريش لقد علمتم أني من أرماكم رجلا، وايم الله لا تصلون | 300 |
| 100 | يروى أنهم دخلوا على ابن سيرين في رمضان وهو يأكل ، فاعتل | 190 |
| 101 | في حل دينهم ولصومهم ولفطرهم وعدة نسائهم والشروط التي | 222 |
| 102 | يقول سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع | 150 |

# فہرست اعلام

| | | |
|---|---|---|
| 48. | امام بلخیؒ | 49 |
| 49. | امام ترمذیؒ | 41 |
| 50. | امام راغبؒ | 224 |
| 51. | امام رضیؒ | 111 |
| 52. | امام سیوطیؒ | 23 |
| 53. | امام شافعیؒ | 55 |
| 54. | امام غزالیؒ | 22 |
| 55. | امام فراءؒ | 24 |
| 56. | امام مبردؒ | 78 |
| 57. | امام محمدؒ | 218 |
| 58. | امام مسلمؒ | 19 |
| 59. | امام نسائیؒ | 23 |
| 60. | امرء القیس بن عابسؓ | 217 |
| 61. | براء بن غازبؓ | 5 |
| 62. | ثعلبہ بن غنمؓ | 221 |
| 63. | جاحظؒ | 9 |
| 64. | الجرمیؒ | 133 |
| 65. | حسنؒ | 4 |
| 66. | حضرت ابو سلمہؓ | 58 |
| 67. | حضرت ام سلمہؓ | 57 |
| 68. | حضرت انسؓ | 23 |
| 69. | حضرت عائشہؓ | 81 |
| 70. | حضرت علیؓ | 11 |
| 71. | حضرت عمر فاروقؓ | 30 |
| 72. | حفصؒ | 18 |

# فہرست اشعار

# مصادر و مراجع


1. قرآن مجید
2. ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، س۔ن
3. ابن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، دار صادر، بیروت، س۔ن
4. ابن ابی حاتم، ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابن ابی حاتم، تفسیر ابن ابی حاتم، المکتبۃ العصریہ، بیروت، س۔ن
5. ابن ابی داود، ابو بکر عبد اللہ بن سلیمان بن الاشعث، المصاحف، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ/2002ء
6. ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم ، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1427ھ/2006ء
7. ابن الاثیر، ابو الفتح ضیاء الدین بن محمد الموصلی، المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر، المکتبۃ المصریہ بیروت۔1416ھ/1995ء
8. ابن الجوزی، ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن القرشی البغدادی، زاد المسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، 1407ھ/1987ء
9. ابن الشجری، ابو السعادات ھبۃ اللہ بن علی الحسنی، الامالی، مکتبہ دار العلم، بیروت، س۔ن
10. ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبد اللہ، تفسیر احکام القرآن، دار العلم، بیروت، س۔ن
11. ابن تغزی، اابو المحاسن یوسف بن تغری بردی ، النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1413/ھ1992ء
12. ابن جوزی، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، مکتبہ الخانجی، مصر 1351ھ/1932ء
13. ابن حجر، العجاب فی بیان الاسباب، دار المعرفہ، بیروت، س۔ن
14. ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر، لسان المیزان، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، 1406ھ/1986ء
15. ابن حجر ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، التلخیص الجبیر فی تخریج الاحادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ/1989ء
16. ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، منشورات الرضی، قم، ایران، 1364ھ/1944ء
17. ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبریٰ، تحقیق، احسان عباس، دار صادر بیروت، 1388ھ/1968ء
18. ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار احیاء التراث العربی بیروت، 1328ھ/1910ء
19. ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستذکار، ارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ/2000ء
20. ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن، تاریخ مدینہ ودمشق، المعروف بتاریخ ابن عساکر، دار احیاء التراث، بیروت، س ن
21. ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، دار ابن کثیر، بیروت، 1414ھ/1993ء
22. ابن قتیبہ، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، الشعر والشعراء، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، س۔ن
23. ابن قیم، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، دار الکتاب العربی، بیروت، 1393ھ/1973ء
24. ابن کثیر، ابو الفدا عماد الدین، البدایۃ والنہایۃ، موسسۃ التاریخ العربی، س۔ن
25. ابن ہشام، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن احمد بن ہشام مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب، ام، دار الفکر، بیروت، 1405ھ/1985ء
26. ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی البغدادی، سنن دار قطنی، دار المعرفہ، بیروت، 1386ھ/1966ء

27. ابو البقاء عبد الرحمٰن بن حسین العکبری ،املاء ما من به الرحمٰن من وجوہ الاعراب والقراءات فی جمیع القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت،1399ھ/1979ء
28. ابوالخیر محمد بن محمد المعروف بابن الجزری،النشر فی القرآءت العشر،دار الکتب العلمیہ،لبنان،س۔ن
29. ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی،عون المعبود شرح سنن ابی داود،دار الکتب العلمیہ،بیروت،1415ھ/1995ء
30. ابوالفتح عثمان بن جنی،المحتسب فی تبیین وجوہ شواذ القرآءت والایضاح عنہا،دار سزکین للطباعۃ والنشر،استانبول،1406ھ/1986ء
31. ابو بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ،المصنف فی الاحادیث والاثار،کتاب الدیات،مکتبۃ الرشد،ریاض،1409ھ/1988ء
32. ابو حامد محمد بن محمد الغزالی،احیاء علوم الدین،دار المعرفۃ،بیروت،1426ھ/2005ء
33. ابوداود سلیمان بن اشعث،سنن ابی داود،دار الرسالۃ العالمیہ،بیروت،لبنان،الطبعۃ الاولی،1432ھ/2014ء
34. ابوزکریا یحیٰ بن زیاد الفرآء،معانی القرآن،دار الکتب المصریہ،القاہرہ،الطبعۃ الثالثہ،1422ھ/2001ء
35. ابوزید القرشی،جمہرۃ اشعار العرب،المکتبۃ الامیریہ،دمشق،س۔ن
36. ابوسعید عبداللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی،انوار التنزیل واسرار التاویل،المعروف بتفسیر البیضاوی،دار صادر،بیروت،س۔ن
37. ابوعبداللہ محمد بن سعد،الطبقات الکبری ،دار صادر،بیروت،س۔ن
38. ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن حیان الاندلسی،تفسیر البحر المحیط،دار احیاء التراث العربی،بیروت،1411ھ/1990ء
39. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الصحیح البخاری،دار طوق النجاۃ،مصر،الطبعۃ الاولی،1422ھ/2001ء
40. ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب،البیان والتبیین،دار ابن حزم،بیروت،س۔ن
41. ابوعمرو الدانی،التیسیر فی القرآءت السبع،مکتبۃ الرشد،الریاض،الطبعۃ الاولی،1432ھ/2011ء
42. ابوفراس،فرزدق بن غالب،دیوان فرزدق ،دار احیاء التراث،بیروت،س۔ن
43. ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی،معالم التنزیل المعروف بتفسیر البغوی،دار الطیبہ للنشر والتوزیع،الریاض،1431ھ/2010ء
44. ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد بغدادی،دلائل الاعجاز،البغدادی،مکتبہ الخانجی،مصر،1421ھ/2000ء
45. ابومنصور محمد بن محمد،تاویلات اہل السنۃ،تحقیق مجدی باسلوم،دار الکتب العلمیہ لبنان،1426ھ/2005ء
46. ابوعبداللہ محمد بن یزید،السنن ابن ماجہ،الرسالۃ العالمیہ لبنان،الطبعۃ الاولی1430ھ/2009ء
47. احمد الہاشمی،جواہر الادب،مجمع الحکم والامثال،دار القلم،دمشق،1399ھ/1979ء
48. احمد بن علی بن المثنی،مسند ابی یعلی،ابی یعلی،مکتبۃ الرشد،الریاض،الطبعۃ الاولی،1430ھ/2009ء
49. احمد عبدالتواب الفیومی،القرآءت الشاذہ واعجازھا اللغوی والدلالی،المکتبۃ الازہریہ للتراث،القاہرہ،الطبعۃ الاولی،1432ھ/2012ء
50. اسماعیل باشا البغدادی،ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین واثار المصنفین،دار احیاء التراث العربی،بیروت،1372ھ/1955ء
51. امام احمد بن حنبل،مسند الامام احمد بن حنبل،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،1420ھ/1999ء
52. امام شافعی،ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی،کتاب الام،دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع،بیروت، 1403ھ/1983ء
53. امام بخاری، تحقیق،محمد فواد عبدالباقی،الادب المفرد، دار البشائر الاسلامیہ،بیروت،1409ھ/1989ء
54. امام راغب،ابی القاسم الحسین بن محمد،المفردات فی غریب القرآن،دار صادر بیروت،س۔ن

55. امام مالک، مالک بن انس، الموطاء، مؤسسہ زاید بن سلطان النہیان، 1425ھ/2004ء
56. امرؤالقیس، امرؤالقیس بن حجر بن الحارث الکندی، دیوان امرؤالقیس، دارالمعرفہ، بیروت، 1425ھ/2004ء
57. البغدادی، اسماعیل باشا، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، المکتب الاسلامی، استانبول، 1364ھ/1954ء
58. البیہیقی، ابوالمعالی عمر بن عبدالرحمٰن القزوینی، شعب الایمان ، دارابن کثیر، دمشق، 1405ھ/1984ء
59. جار اللہ الزمخشری ، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق عوامض التنزیل و عیون الا قاویل فی وجوہ التاؤیل ، مکتبۃ العبیکان، الریاض 1418ھ/1908ء
60. الجرجانی، ابو بکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد، کتاب التعریفات، دارالفکر، بیروت، س۔ن
61. الجوہری، محمد بن عبدالقادر، مختار الصحاح، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ/1994ء
62. حسان بن ثابت ، دیوان حسان بن ثابت، دار صادر، بیروت، س۔ن
63. الحلبی، احمد بن یوسف السمین، الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون، دارالقلم، دمشق، الطبعۃ الثالثۃ 1422ھ/2001ء
64. الحموی، تقی الدین، خذانۃ الادب وغایۃ الارب، دارالعلم، بیروت، س۔ن
65. حموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم الادباء، داراحیاء التراث العربی، س۔ن
66. الحمیری، نشوان بن سعید، شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم، دارالفکر المعاصر، بیروت، 1420ھ/1999ء
67. خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، س۔ن
68. الذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1410ھ/1990ء
69. ذہبی، میزان الاعتدال، دارالعلم، بیروت، س۔ن
70. الذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، معرفۃ القراء الکبار، دارالکتب العلمی، بیروت، س۔ن
71. الذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دارالمعرفہ، بیروت، س۔ن
72. الزرکلی، ابوالغیث خیر الدین بن محمود، الاعلام، دارالعلم للملائین، بیروت، 1394ھ/1974ء
73. الزمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، مطبعۃ المدنی، القاہرہ، 1411ھ/1991
74. السبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1412ھ/1992ء
75. سخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، داراحیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن
76. سکاکی، اَبویعقوب یوسف بن اَبی بکر محمد بن علی السکاکی، مفتاح العلوم، دارالمعرفہ، بیروت، س۔ن
77. السہیلی، عبدالرحمان، الروض الانف، دارحیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ/2000ء